ماہنامہ نئی زندگی الہ آباد ۱۹۴۶ء کا

خاص پاکستان نمبر



مُرتّبہ

ڈاکٹر سیّد محمود

دار الفیض گنج بخش

۵۵۔ حکیم محمد موسیٰ روڈ

(ریلوے روڈ، گوالمنڈی) لاہور

قائم شدہ ۱۹۴۱ء

نئی زندگی

جلد ۶ | الہ آباد سنہ ۱۹۴۶ء | نمبر ۱

خاص (پاکستان) نمبر

مرتبہ ــــــ ڈاکٹر سید محمود

مضامین

Rs. 2/8

جھوٹ کی سیاست

رسالہ "نئی زندگی" (پاکستان نمبر) پر بے لاگ تبصرہ

نقد و نظر

میاں زبیر احمد
علوی گنج بخشی قادری ضیائی

انتساب

اپنے محسن و مُرشد

حکیمِ اہلِ سُنّت حکیم محمد موسیٰ

مرحوم و مغفور

کی

نذر

جن کی ساری زندگی اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور

اولیاء اللہ کی تعلیمات کے فروغ میں گزری

اور

جو ساری عمر مملکتِ خداداد پاکستان کے دشمنوں

کے خلاف دَامے دِرمے قَدمے سُخنے جہاد کرتے رہے۔

اسلام کے لغت کا سخت ترین لفظ "لعنت" ہے جس کے معنی رحمت یزداں سے دوری و محرومی کے ہیں۔ قرآن مجید میں شیطان کو اس کا مستحق گردانا گیا ہے اور اس کے بعد یہودیوں، کافروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے، البتہ کسی مومن کو کذب یعنی جھوٹ کے سوا اس کے کسی فعل کی بناء پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا۔

موطا امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) میں صفوان بن سلیم تابعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ کیا کوئی مسلمان نامرد بھی ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ بخیل بھی ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! کیوں نہیں؟ اس کے بعد دریافت کیا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں! ہرگز نہیں۔

اسی طرح مسند امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! وہ کون سا کام ہے جو انسان کو جنت کی طرف لے جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سچ بولنا، کیونکہ بندہ جب سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے اور جو نیکی کا کام کرتا ہے وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوا وہ گویا جنت میں داخل ہوگیا۔ اس شخص نے مزید پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جھوٹ بولنا، اس لئے کہ بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا اور جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

برصغیر کے نامور عالم دین شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! مجھ میں چار بری عادتیں ہیں: شرابی ہوں، زانی ہوں، چور ہوں اور جھوٹ بولتا ہوں ان میں سے فقط ایک برائی کو آپ کی خاطر چھوڑ سکتا ہوں۔ ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اس نے وعدہ کرلیا کہ اب جھوٹ نہیں بولوں گا۔ دن گزرا اور رات شروع ہوئی تو اس کی طبیعت شراب نوشی اور حرام کاری کی طرف مائل ہوئی لیکن معاً خیال آیا کہ صبح جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استفسار فرمائیں گے کہ رات تم نے شراب پی اور زنا کے مرتکب ہوئے تو کیا جواب دوں گا؟ ہاں کہی تو شراب نوشی و حرام کاری کا سزاوار ٹھہروں گا اور اگر انکار سے کام لیا تو جھوٹ ہوگا اور وعدہ خلافی ہوگی۔ پس یہ سوچ کر اس نے شراب پی نہ فعل بد کا ارتکاب کیا۔ کافی رات گزرنے پر اس نے چوری کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کی کوشش کی تو دل نے کہا کہ صبح رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو چوری کرنے کا اقرار کرو گے تو ہاتھ کٹے گا اور جھوٹ سے کام لیا تو ایفائی عہد پر حرف آئے گا۔ چنانچہ اس تذبذب میں چوری کے جرم سے بھی باز رہا۔ صبح ہوئی تو عالم بیتابی میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر اس نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے جھوٹ کیا چھڑوایا' میری باقی بری عادات بھی جاتی رہیں۔ حضور سرور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

سچ کی عادت نہیں جنہیں

ان تمہیدی کلمات کی صداقت سے انکار ممکن نہیں۔ میرا اس موقع پر انہیں بیان کرنے کا مقصد درحقیقت ان علمائے دیوبند کے مذموم و مستور کردار کو بے نقاب کرنا ہے' جو خود کو ولی اللہی مسلک کا علمبردار کہتے ہیں مگر پیہم جھوٹ بولنا اور پھر اس جھوٹ کی مختلف شیطانی تاویلیں کر کے انہیں چھپانے کی بار بار کوشش کرنا جن کا شیوہ ہے۔ اس میدان میں آپ کو وہابی علماء بھی ان کے ہمسر و ہمصفیر ملیں گے۔ ان وہابیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ غیر مقلد ہیں مگر وہ خود محمد بن عبدالوہاب کی تقلید کرتے ہیں جو ابن قیم کا مقلد ہے۔ ابن قیم' ابن تیمیہ کی اور ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتا ہے۔ گویا ان کا غیر مقلد ہونے کا دعویٰ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے اور محض سیاست۔

اس میں کلام نہیں کہ ان ہر دو مسالک کے اکثر علماء کے کردار میں ماسوا جھوٹ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ حضرات اپنی تحریکوں' دعوؤں اور تحریروں میں جس کام یا چیز کو حرام' کفر اور ناجائز کہتے ہیں خود اس کے عامل و خوگر ہیں۔ مثلاً اولیائے کرام کے مزاروں پر حاضری دینے اور ایصال ثواب کی خاطر سوئم اور چہلم وغیرہ کو ہندوؤں کی رسمیں بتاتے ہیں لیکن خود موقع بہ موقع انتخابات کے دنوں میں رائے دہندگان کی توجہ کا مرکز بننے اور ووٹ حاصل کرنے کے لئے مزاروں پر جا کر چادریں چڑھاتے ہیں' دیگیں تقسیم کرتے ہیں اور آغا خانیوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے اور ان کے ہاں سوئم اور چہلم میں چلے جاتے ہیں۔

پاکستان کہ لاریب داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ' معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ' خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ' سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ' بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہزاروں اولیاء اللہ' بزرگان دین اور قلندران طریقت کی دین ہے' جنہوں نے اس برصغیر میں شبانہ روز اسلام کی تبلیغ کی' دو قومی نظریے کو متعارف کرایا اور باہمی الفت و یگانگت کے دریا بہا دیئے۔ دیوبندی و وہابی علماء ان اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے روحانی تصرفات کو نہیں مانتے مگر اپنے نانوتویوں اور شیخ الہندیوں کی ایسی ایسی کرامات بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات انبیاء کے معجزوں اور ان کے علم غیب کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ دراصل ان کے بڑے جس کام کو کفر سے تعبیر کرتے اور حرام گردانتے تھے ان کے چھوٹے اسی کو حلال اور ثواب سمجھ کر کرنے میں قطعی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس پر مستزاد انہیں سچ بولنے اور سچ سننے کی عادات نہیں رہی۔ شاعر نے شاید ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا ہو کہ

ع شرم مگر تم کو نہیں آتی

'وہ پاکستان کو پلیدستان کہتے ہیں'

تاریخ کی یہ بھی ایک مُسلمہ سچائی ہے کہ دیوبندی اور وہابی علماء کی یک اکثریت پاکستان کی تحریک اور اس کے قیام کی شدید ترین مخالف تھی اور آج کے مولانا فضل الرحمٰن کے والد مفتی محمود دیوبندی تو دم واپسیں تک فخریہ کہتے رہے کہ "شکر ہے ہم پاکستان

بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے" اور جمعیت علماء اسلام کا مولوی غلام غوث ہزاروی اپنے خطابات میں اکثر کہا کرتا تھا کہ "لوگو! جناح قائداعظم نہیں کیداعظم ہے" کید بمعنی مکر۔ یہ تلخ بیانی اپنی جگہ ہے۔ دیوبندی اور وہابی جو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور کسی بات پر سچ بولیں یا نہ بولیں مگر ان کا یہ اعتراف ہرگز کذب نہیں کہ وہ قیام پاکستان کے بدترین مخالف تھے۔ سچ ہے کہ کبھی کبھی ضمیر ملامت کرے تو سچ لبوں پر آ ہی جاتا ہے۔

دستاویزات اس امر کی شاہد ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی اور تقسیم ہند کے خواب کی تعبیر یقینی دکھائی دینے لگی تھی، دیوبندی اور وہابی علماء یک گونہ پاگل ہو چکے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔ (خطبات احرار، ص ۹۹) یہ انتخابات کا زمانہ تھا جو تقسیم ہند کے معاملہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے مگر ان پاکستان دشمن علماء نے ہندو کانگرس اور گاندھی و نہرو کا ساتھ دیتے ہوئے یہاں تک زبان درازی کی کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے (چمنستان، ص ۱۳۰) حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کہا کہ دس ہزار جینا (جناح) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں (چمنستان، ص ۱۳۵) دیوبندیوں کے امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس ۱۹۴۶ء میں دعویٰ کیا کہ پاکستان بنا تو دور کی بات ہے کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص ۸۸۳) رئیس الاحرار چودھری افضل حق نے لکھا "کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو اور کاروان احرار کو اپنی منزل کی طرف بڑھنے دو، احرار لیگ کے پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں"۔ (خطبات احرار، ص ۹۹)

اُف! یہ گاندھوی علماء

دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی، جنہوں نے اپنے مکتب فکر سے ہٹ کر قیام پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا اور اپنے ہی دیوبندیوں اور وہابیوں کی طرف سے "انگریز کا ایجنٹ" کے الزامی خطاب سے نوازے گئے، رقمطراز ہیں کہ حضرت مولانا محمود الحسن (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) ایک موٹر میں سوار تھے اور ان کے ساتھ بعض کانگرسی مسلمان لیڈر بھی موجود تھے۔ جس وقت حضرت کا موٹر چلا تو ایک دم "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے بعد "گاندھی کی جے"، مولوی محمود حسن کی جے" کے نعرے بلند ہوئے (الافاضات الیومیہ ج ۵، ص ۲۵۵) اور یہ نعرے لگانے والے وہی لوگ تھے جو نعرہ تکبیر کے بعد نعرہ رسالت کو شرک کہتے ہیں اور جنہوں نے تحریک خلافت کے زمانہ میں گاندھی کو منبر مسجد پر رونق بخش دی تھی اور خود اس کے چرنوں میں بیٹھ کر دعا گو ہوئے تھے کہ اے اللہ! گاندھی کے ذریعہ اسلام کو سربلندی عطا فرما (نعوذ باللہ) اور تحریک پاکستان کی مخالفت کے دنوں میں یہ شعر ہر دیوبندی اور مولوی کے گلے کا تعویذ تھا۔

کوئی قادری ہے کوئی سہروردی
مرا فخر یہ ہے کہ میں گاندھوی ہوں

مولوی مظہر علی اظہر احراری نے حسین احمد دیوبندی کی تقلید میں قائداعظم کو "کافر اعظم" کہا۔

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافر اعظم

اس لئے مولانا ظفر علی خان کو جواب میں کہنا پڑا

گالیاں دے جھوٹ بول احرار کی ٹولی میں مل
نکتہ یوں ہی ہو سکے گا حل سیاسیات کا

......اوران کے شیخ الاسلام

افسوس کا مقام ہے کہ آج پاکستان کو اسی دور کی منحوس صورتحال کا سامنا ہے جو پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر تھی۔ دیوبندی' وہابی اور احراری سب مل کر تحفظ پاکستان کے خود ساختہ نعرے کی آڑ میں جس قسم کا جھوٹ عرصہ دراز سے بول رہے ہیں اور جھوٹ کی سیاست کر رہے ہیں الامان والحفیظ۔ ان میں سے ہر لیڈر گویا یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ قیام پاکستان کی تحریک میں اس کا یا اس کے بڑوں کا خون شامل ہے' حالانکہ ان کے باپ دادا نے جس قسم کی ''قربانیاں'' دیں وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں اور جنہیں پڑھیں تو عرق انفعال سے گردنیں جھک جاتی ہیں۔ تحریک پاکستان کی بنیاد اور روح رواں دو قومی نظریہ تھا' لیکن دیوبندیوں کے گروگھنٹال حسین احمد نے جسے اس کے پیروکار ''شیخ الاسلام حسین احمد مدنی'' لکھتے ہیں انتہاء پسند ہندو لیڈروں اور ان کی سیاسی جماعت کانگرس کو خوش کرنے کے لئے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا اور ان کی کاسہ لیسی کرتے ہوئے یہاں تک مدح سرائی کی کہ ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں۔ حسین احمد دیوبندی نے یہ بھی کہا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں' مذہب سے نہیں۔ ان کا یہ نظریہ اسلام کے سراسر خلاف تھا۔

حسین احمد دیوبندی نے اپنے اس پاکستان مخالف نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر دیں' قرآن مجید فرقان حمید کی واضح اور کھلی آیات مقدسہ اور حضور سرور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحیفہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی میثاق مدینہ کو الٹے سیدھے معنی پہنا کر اپنی جھوٹی اور غلط بات کو سچ اور درست منوانے کی سرتوڑ کوششیں کیں اور اسی کی آڑ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تحریک پاکستان اور مسلمانان ہند کے ہر دلعزیز رہنما قائداعظم محمد علی جناح کو دن رات صلواتیں سنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا' یہاں تک کہ کانگرس کے خرچے پر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے دورے کئے اور اپنے زیر اثر وہابی اور دیوبندی مولویوں کی مدد سے رائے عامہ کو اپنے اور ہندو کانگرس کے حق میں استوار کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جس پر اس کے متحدہ قومیت کے غلط نظریے اور وطنیت کے باطل عقیدہ کے خلاف مجبور ہو کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است

چہ بے خبرز مقام محمد ﷺ عربی است
مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

مولانا ظفر علی خاں نے بھی حسین احمد دیوبندی کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو اسلام کی روح کے منافی قرار دیا اور کہا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملت ہے وطن سے
حالانکہ ہے فرمودۂ شاہ دوسرا اور

اور خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی نے حسین احمد دیوبندی کی جھوٹی فکر کو یوں بے نقاب کیا۔

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور
آج ہے لیکن مقام مصطفیٰ ﷺ سے بے خبر
مسجد نبوی ﷺ میں جو کل تک رہا گرم سجود
واردھا کے آشرم میں جھک گیا آج اس کا سر

یاد رہے کہ اسی حسین احمد دیوبندی نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں اپنے ایک فتویٰ میں آل انڈیا مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام کہا اور قائداعظم کو ''کافر اعظم'' کا لقب دیا تھا اور اس کے اسی فتویٰ کی تشہیر میں وہابی اور دیوبندی علماء ماسوا چند ایک کے' جن پر انہی دیوبندیوں کا الزام ہے کہ وہ انگریز کے پٹھو تھے دو قومی نظریے اور قیام پاکستان کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا کئے رکھا۔

ان کا جھوٹ اِن کی سیاست

حسین احمد دیوبندی ہو کہ اس کے زیر اثر دیگر علمائے دیوبند یا وہابی مولوی ہوں' تحریک پاکستان کے خلاف ان کی تحریریں اور بیانات ریکارڈ پر ہیں۔ ان کے بڑوں نے متحدہ قومیت کا نعرہ لگاتے ہوئے نظریہ پاکستان کو جس طرح سے جھوٹ بول بول کر جھٹلایا' آج ان کے چھوٹے اس جھوٹ کو تاریخی طور پر سچ ثابت کرنے کے لئے پاکستان میں اپنی سیاست کی دکان چمکانے کے لئے مذہب کی آڑ لے کر وہی کھیل دوبارہ کھیل رہے ہیں اور یہ کہہ کر نئی نسل کی آنکھوں میں کذب و افتراء کی دھول جھونکی جا رہی ہے کہ گویا وہی پاکستان کو ہنود و یہود و نصاریٰ کی سازشوں سے بچا سکتے ہیں' حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دیوبندی علماء قیام پاکستان کے نہ پہلے حامی و موید تھے نہ اب ہیں۔ جھوٹ بولنا ان کی گھٹی میں شامل ہے۔ وہ بظاہر دین و سیاست میں مغائرت کو اسلام کے منافی گردانتے ہیں مگر ان کے نزدیک ''جھوٹ اور سیاست'' ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ ایسی سیاست سے جو دین کے تابع ہو' ان کو اور نہ ان کے بڑوں کو کبھی دلچسپی تھی۔ انہوں نے بباطن دین کو اپنی سیاست کے تابع کئے رکھا اور سادہ لوح پاکستانی مسلمانوں کے جذبات سے اب تک کھیلتے چلے آ رہے ہیں۔

ایک اہم دستاویزی ثبوت

تقسیم ہند سے قبل ان دیوبندی اور وہابی مکاتب فکر کا کردار کیا تھا؟ اس کی اصلیت جاننے کے لئے رسالہ ''نئی زندگی'' الہ آباد کا ایک خاص نمبر جسے ۱۹۴۶ء میں ''پاکستان نمبر'' کے زیرعنوان شائع کیا گیا تھا' اب دوبارہ منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔ اس اشاعت خاص کی حیثیت ایک دستاویز کی ہے اور ایسی دستاویزات نہ صرف نئی نسل کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں بلکہ اہل تحقیق کے لئے ماضی قریب کے مطالعہ میں حال پر نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی راہیں دکھانے کے بھی کام آتی ہیں۔

نئی زندگی کا یہ خاص نمبر مدیران کے دعویٰ کی رو سے کہنے کو تو ''پاکستان نمبر'' ہے لیکن اس جریدہ میں شامل تمام مضامین درحقیقت تقسیم ہند اور دوقومی نظریے کی ضد میں لکھے گئے۔ یہ تحریرات تحریک پاکستان کی مخالفت میں ہیں اور ان کا مقصد پاکستان کے امکانی وجود کی برخود غلط تشریح کرنا اور اس کے قیام کو روکنا تھا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس جریدے کا ایک بھی مضمون نظریہ پاکستان کی حمایت میں نہیں' یہاں تک کہ اس خصوصی اشاعت کو غیر جانبدار ثابت کرنے کے لئے رسالہ کے آخر میں پاکستان کی اس دور کی زیر بحث پانچ اہم اسکیموں ڈاکٹر سید عبداللطیف کی اسکیم' علی گڑھ اسکیم' سکندر حیات اسکیم' اسداللہ اسکیم اور ایک پنجابی کی اسکیم کو شامل اشاعت کیا گیا ہے مگر ہر اسکیم کے آخر میں اس کے نقائص تلاش کر کے اسے رد کرنے کی ترکیب آزمائی گئی ہے یعنی یہ باور کرایا گیا ہے کہ پاکستان کا قیام کسی صورت مناسب نہیں چنانچہ ان محتویات کی روشنی میں نئی زندگی کے اس ''پاکستان نمبر'' کو متحدہ قومیت نمبر یا ''اکھنڈ بھارت نمبر'' کہا جاتا تو بہتر تھا۔

پاکستان نمبر نہیں' متحدہ قومیت نمبر کیلئے

نئی زندگی (پاکستان نمبر) کے مدیر ڈاکٹر سید محمود کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے اس اشاعت خاص کی ادارت کے فرائض بادل نخواستہ قبول کئے۔ رقمطراز ہیں۔

> ''میرا نام اس نمبر کے اسپیشل اڈیٹر کی حیثیت سے بغیر میری اطلاع کے چھاپ دیا گیا۔ مجھے اس کی خبر بہت دیر میں ملی۔ اس وقت انکار بیکار تھا۔ میں اس کا اہل نہ تھا اور نہ مجھے فرصت تھی۔ میں ان کے اصرار پر یہ نوٹ ریل میں لکھ رہا ہوں۔ نہ تو میں نے مضامین دیکھے ہیں اور نہ ان کو پڑھا ہے' اس لئے ان کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھ سکتا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ بڑے بڑے نامور اہل قلم حضرات نے پاکستان کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے حضرات کا نام ہی اس امر کی ضمانت ہے کہ یہ مضامین بڑے پایہ کے ہوں گے''۔
>
> (پیش لفظ۔ صفحہ الف)

ان بڑے بڑے نامور اہل قلم حضرات میں مولانا حسین احمد مدنی' ڈاکٹر راجندر پرشاد' مولانا حفظ الرحمٰن' قاضی عبدالغفار' طفیل احمد منگلوری' سر آر ویشر دلال' عبدالمجید خان اور انیس الرحمٰن (ایڈیٹر) شامل ہیں جو سب کے سب کانگریس اور متحدہ قومیت کے علمبردار تھے۔ اس کے باوجود مدیر پاکستان نمبر سید محمود کا کہنا ہے کہ:

> ''میری خواہش تھی کہ یہ نمبر یک طرفہ نہ ہو بلکہ مختلف خیال حضرات کے مضامین شائع ہوں تاکہ ناظرین کو

دونوں طرف کے خیالات پڑھ کر رائے قائم کرنے کا موقع ملے اور یہ نمبر پاکستان پر ایک سمپوزیم (Symposium) کا کام دے'' (صفحہ ب)

لیکن قارئین کرام! سارے نمبر کو پڑھ جایئے ایک مضمون آپ کو ایسا نہ ملے گا جو دو قومی نظریے کی تائید اور متحدہ قومیت کی تکذیب میں ہو۔ نئی زندگی کے پاکستان نمبر میں شامل کسی بھی مضمون کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے اس کی ایک ایک سطر پاکستان دشمنی کی عکاسی دکھائی دے گی۔ ڈاکٹر سید محمود پیش لفظ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''پاکستان کے حامیوں میں' میں نے صرف کمیونسٹوں کو جذباتی حیثیت چھوڑ کر علمی و اقتصادی حیثیت سے بحث کرتے دیکھا ورنہ عام طور پر ہمارے محترم لیگی بھائیوں کی گفتگو یا بحث کا خلاصہ صرف یہ ہوا کرتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بہت برا ہے' ان کا ارادہ ہندو راج قائم کرنے کا ہے' اس لئے پاکستان ہونا از بس ضروری ہے'' (صفحہ ب)

☆

''بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک معتد بہ گروہ پاکستان کو اسلامی حکومت کا مترادف سمجھتا ہے اس لئے جو مسلمان اس کی مخالفت کرتا ہے وہ ان کے خیال میں اسلام دشمنی کرتا ہے''۔ (صفحہ ب)

☆

''میں خود اس مسئلہ میں بحث کرنا نہیں چاہتا اتنا ضرور کہوں گا کہ جس دن دماغی طور پر میں پاکستان کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھوں گا' اسی وقت سے نہ صرف اس کا حامی ہو جاؤں گا بلکہ اس کے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا'' (صفحہ ب)

مدیر نئی زندگی (پاکستان نمبر) گویا معترف ہیں کہ وہ ذہنی طور پر تحریک پاکستان کے مخالف ہیں۔ شاید ان کا دل تو کہتا تھا کہ تقسیم ہند ایک فطری امر ہے اور دو قومی نظریہ ایک اٹل حقیقت۔ مگر کانگرس اور کانگرسی علماء نے ان کے ذہن کو اس حد تک ماؤف کر دیا تھا کہ ان سے سوچنے سمجھنے کی طاقت سلب کر لی تھی۔ وہ قیام پاکستان کو مسلمانوں کے لئے مفید تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ اسی میں انتہاء پسند ہندوؤں کا فائدہ تھا' جو پاکستان اور اسلام دونوں کے دشمن تھے ورنہ عام اور سیدھے سادے ہندوؤں کو جو برس ہا برس سے نسل در نسل پیار و محبت سے بھائیوں کی طرح رہ رہے تھے انہیں اس سے کیا سروکار تھا کہ پاکستان بنتا ہے یا نہ بنے۔ اسی طرح اگر نئی زندگی کے پاکستان نمبر میں کانگرس اور اس کی حاشیہ بردار جمعیت العلماء ہند کا مخالف و مثبت نقطہ نظر بھی پیش کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو اسے ایک غیر جانبدارانہ اور تعصب سے ماوراء خصوصی اشاعت قرار دیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب مدیر ہی نظریہ پاکستان کا دشمن ہو وہ پاکستان کی حمایت میں لکھی گئی تحریروں کو شامل اشاعت کیسے کر سکتا تھا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو نئی زندگی کا یہ پاکستان نمبر ایک زہر فشاں ہے۔

کانگرس کی کاسہ لیس، جمعیۃ العلماء ہند

واقعات و حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو نئی زندگی کی اس متعصبانہ اور جانبدارانہ اشاعت کی ضرورت ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے دنوں میں محسوس کی گئی اور اس کے پس پردہ یقیناً کانگرس کا ہاتھ ہوگا کیونکہ انتہاء پسند ہندو قیادت کسی صورت نہیں چاہتی تھی کہ مسلم اکثریت کے حامل صوبوں میں آل انڈیا مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیابی حاصل ہو۔ چنانچہ ان کی نگاہ انتخاب دیوبندیوں اور وہابیوں پر پڑی جو کاسہ لیسی، تملق اور مفاد پرستی میں جواب نہیں رکھتے تھے اور پھر انہیں خریدنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ یہ دریوزہ گر کانگرس کے ہمنوا ہو گئے اور متحدہ قومیت کا نعرہ لگاتے ہوئے میدان سیاست میں ایسے کود پڑے کہ انہیں خدا یاد رہا نہ دین اور نہ ہی اپنے دینی بھائی۔ انتہاء پسند ہندو قیادت نے انہیں کود کیا لیا یہ دن رات گاندھی اور نہرو کی مالا جپنے لگے۔ ان کی تحریک بلکہ تخریب کاری کا اصل مقصد مسلمانان ہند کو لیگیوں کو ووٹ دینے سے روکنا اور کانگرس کی حمایت کے لئے انہیں متوجہ کرنا اور مطالبہ پاکستان کو زک پہنچانا تھا' جیسا کہ حسین احمد دیوبندی صدر جمعیت العلماء ہند کے نئی زندگی کے ''پاکستان نمبر'' میں ان کے مضمون کے ابتدائی پیرا میں ہے۔ ان کی در فنطنی ملاحظہ ہو'۔ فرماتے ہیں:

''(مجوزہ) پاکستان میں ہم نے مسلم اکثریت والے صوبوں اور مسلم اقلیت والے صوبوں' دونوں کے مسلمانوں کے لئے نقصان اور ضرر ہی کو غالب پایا'' (ص ۱)

کانگرس کے ہر مفسدانہ اقدام میں حسین احمد دیوبندی کو شر کی بجائے خیر ہی کا پہلو دکھائی دیتا تھا اور وہ مسلم اقلیتی صوبوں میں بے گناہ مسلمانوں پر انتہا پسند کانگرسی ہندوؤں کے ڈھائے جانے والے مظالم کو کسی صورت تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ ان کا سیاسی ضعف بصارت ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

''پاکستان کا بنانا اور اس کی تجویز کانگریس حکومت کے قیام اور اس کے مظالم مشہورہ سے پہلے ہی قرار پا چکی ہے۔ مظالم کانگرس کو اس کا باعث قرار دینا محض عوام کو بھڑکانے کے لئے ہے'' (ص ۹)

آگے چل کر کہتے ہیں کہ:

''مسلم اقلیت کے صوبوں کے مظالم کو اس کا سبب قرار دینا اگر وہ پایہ ثبوت کو پہنچیں تو بھی پاکستان کا مطالبہ خلاف عقل اور خلاف سیاست ہے'' (ص ۹)

اور کافری کیا ہے؟

دیوبندی علماء حضور سرور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر ایمان نہیں رکھتے لیکن صدر جمعیت العلماء ہند حسین احمد کا دعویٰ تھا کہ ان کا علم غیب انہیں سب کچھ بتا دیتا ہے۔ رقمطراز ہیں۔

''یہ اسکیم تقسیم ہندوستان اور علاقہ جات ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کسی مسلمان ہندوستانی کے دماغ سے نہیں ہوئی اور نہ لیگی دماغ سے اس کا ظہور ہوا ہے بلکہ اس کا ظہور برطانوی اور نوری برطانوی دماغوں کا

رہین منت ہے۔" (ص ۸)

حیرت ہے کہ کانگرس کے کاسہ لیس اور دریوزہ گر یہ بات کہہ رہے ہیں کہ نظریہ پاکستان برطانوی انگریزوں کی اختراع ہے۔ ان کا مقصد اپنے جھوٹ کی آڑ میں ایک بہت بڑے سچ کو چھپانا تھا کہ کانگرس کی بنیاد خود انگریزوں نے رکھی تھی۔

مزید براں حسین احمد دیوبندی اس فریب آرزو میں بضد تھے کہ مسلمانوں کو ہر حال میں ہندوؤں کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔ لکھتے ہیں کہ:

"تعجب کی بات ہے کہ مسٹر جینا (جناح) کس طرح تاریخ اور واقعات اور صحیح واقعات پر ڈھول ڈال رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے! کس طرح قرن ہا قرن ان میں خون ریزی اور دشمنی کے انتہائی درجہ کے مظاہرات ہوتے رہے مگر کیا برطانیہ اور امریکہ میں یہودی قوم اپنے اعلیٰ پیمانہ کے سرمایہ اور خوشحالی کے ساتھ کامن ویلتھ میں بسر نہیں کر رہی" (ص ۱۴)

اللہ! اللہ! مثال بھی دی تو کس کی؟ یہودیوں کی' مگر اس تفاوت کا بھی نہ سوچا کہ کافری کیا ہے؟ کہاں برطانیہ وامریکہ کے سرمایہ دار وخوشحال یہودی اور کہاں ہندوستان کے غریب ومفلوک الحال مسلمان جن کی معیشت ومعاشرت اور مذہبی اقدار' سب کچھ داؤ پہ لگا ہوا تھا اور وہ کانگرس کے محض چند انتہاء پسند ضدی عناصر کے رحم وکرم پر تھے۔ اس ذہنی پسماندگی اور لن ترانی پر کون ہے جو ماتم نہ کرے گا؟ حسین احمد دیوبندی کی سوچ گویا یہ تھی کہ مسلمانوں کو آزادی یا علیحدہ وطن کے حصول کا حق ہی حاصل نہیں یہ حق صرف یہود وہنود اور نصاریٰ کو زیبا ہے اور مسلمان اس لائق ہیں کہ جہاں کہیں رہیں غیر مسلموں کے دست نگر بن کر رہیں کہ اسی میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ چنانچہ دوٹوک الفاظ میں اپنا فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ:

"یہ پاکستان کا ڈھونگ برطانیہ کی منحوس تجویز ہے جو کہ ٹوریوں کے دماغوں کی جھیل "مان سرور" ہے بطور چشمہ نکلتی ہے اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بڑھ کر موجیں مارنے والے دریا کی صورت ۱۹۴۰ء سے اختیار کر لیتی ہے جس میں فریب دے کر ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ لوٹنا اور برباد کرنا اور ہر طرح سے اپنا الو بنانا مقصود ہے اور جس کو نہایت چالاکی کے ساتھ بہت ہی خوش رنگ میٹھے شربت کی صورت میں زہر ہلاہل کو پلایا جا رہا ہے" (ص ۱۸)

نئی زندگی (پاکستان نمبر) کے مدیر ڈاکٹر سید محمود بھی کانگرسی دیوبندی مکتب فکر سے کامل اتفاق رائے رکھتے تھے۔ وہ پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ پاکستان پر بحث کرنا آسان نہیں' اس لئے کہ آج تک یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ پاکستان سے مفہوم کیا ہے؟ اس کے بعد انہوں نے وہی باتیں کہی ہیں جو قبل الاسلام دور جاہلیت میں مشرکین وکفار مکہ کیا کرتے تھے مثلاً جذباتی انداز میں رقمطراز ہیں کہ:

"ہمارے سوشل سسٹم اور کلچر کی بنیادیں اتنی پائیدار اور اتنی مضبوط ہیں کہ ان کو کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی" (صفحہ ج)

مدیر پاکستان نمبر کی سوچ سے مترشح ہے کہ آزادی مسلمان کا شیوہ ہے نہ اس قوم کا حق بلکہ سارے عالم اسلام کو ان کے خیال میں محکوم ہی رہنا چاہیے۔ اقوام اسلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''آج ہم مذہبی جذبہ سے عاری ہیں۔ ہم فلسطین و ایران اور انڈونیشیا و دیگر اسلامی ممالک کے حالات سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ یہ حالات یہاں تک ہمارے لئے دل خوش کن ہیں' اس پر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے۔ لیلائے پاکستان کے حصول کی کوشش میں کہیں ہماری قوم اپنے ورثہ اخلاق واطوار کو بھی نہ کھو بیٹھے'' (صفحہ ۵)

نئی زندگی (پاکستان نمبر) کے سارے مضامین اسی نکتہ کے گرد گھومتے ہیں کہ اسلام میں کس طرح کی آزادی کا' خواہ وہ فکری ہو یا سیاسی کوئی تصور نہیں۔ مسلمانوں کو علیحدہ وطن کے حصول کی تمنا تو درکنار سوچنے اور تحریک چلانے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں۔ آزادی کی نعمت غیر مترقبہ گویا صرف اور صرف غیر مسلموں یعنی ہندوؤں' عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کے لئے ہے اسی لئے دیوبندی و وہابی علماء کی ایک غالب اکثریت نے قائداعظم کو'' کافر اعظم'' اور پاکستان کو''پلیدستان'' کہتے ہوئے مسلمانان ہند کی تحریک آزادی کو ایک فریب کہا اور مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی۔

مطالبہ پاکستان کو فریب کہنے والو!

نئی زندگی (پاکستان نمبر) کے دوسرے بڑے مضمون نگار مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمیعت العلماء ہند ہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون ''پاکستان پر ایک نظر'' میں مسلمانان برصغیر کے اس مطالبہ کو بطور تضحیک الہامی کہہ کر اسے ہر پہلو سے ان الفاظ کے ساتھ کہ ''پاکستان ملکی' قومی' سیاسی' اقتصادی' حتیٰ کہ تبلیغی اور مذہبی نقطہ نظر سے بھی مسلمانان ہند کے لئے ہرگز مطمئن حل نہیں ہے'' (ص ۳۸) تنقید و تنقیص اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ تحریک پاکستان ایک بہت بڑا فریب ہے:

''...... ایسے وقت میں کسی ایک سیاسی نظریہ یا اسکیم کو مذہب اور ایمان بتا کر عوام فریبی سے کام لینا معلوم نہیں' ایمانیات کا کونسا درجہ ہے اور الہام سیاسی کی کونسی قسم میں داخل ہے'' (ص ۲۳)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنے مضمون میں قائداعظم محمد علی جناح کو بھی سو سو صلواتیں سنائی ہیں اور لکھا ہے کہ ''آج اگر خوش فہم اور بے خبر سادہ لوح مسلمانوں کی نگاہ میں مولانا آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی سے زیادہ مسٹر جینا اور لیگی لیڈر اسلامی درد کے حامل اور الہامی سیاست کے قائد ہیں تو اس قوم کا خدا ہی نگہبان ہو'' (ص ۳۵)

سر آردیشر دلال کے ایک پمفلٹ Alternative to Pakistan سے جو مضمون مصنف کی اجازت سے اردو ترجمہ کر کے نئی زندگی کے پاکستان نمبر میں شامل اشاعت کیا گیا ہے اس کا مقصد بھی پاکستان کو ایک فریب قرار دے کر دو قومی نظریے کے رخ کو متحدہ قومیت کے دھارے کی جانب موڑنا تھا اور اس کی منطق یہ تھی کہ دس سال تک مسلمانان ہند علیحدہ وطن کے مطالبہ سے دستبردار رہیں اور آزاد ہندوستان ہی میں رہیں اور اگر اس دوران انہیں اپنے حقوق کے سلسلہ میں اطمینان نہ ہو تو جب چاہیں علیحدگی اختیار کر لیں۔

سبحان اللہ! کیا شاعرانہ سوچ تھی کہ خوش رہے باغباں بھی اور راضی رہے صیاد بھی۔ انتہاء پسند ہندوؤں کی وہ جماعت جو

رچایا' اسے کسی صورت اسلامی نظام شریعت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا' ساٹھ ساٹھ ستر ستر برس کی عفیفہ خواتین کے بارہ بارہ چودہ چودہ برس کے لڑکوں کے ساتھ یا نوخیز بچیوں کے بوڑھے مردوں کے ساتھ زبردستی نکاح پڑھوا دینے کو شریعت نہیں کہتے۔ اگر شریعت نافذ کرنی ہی تھی تو ان ''مجاہدین اسلام'' نے دہلی کا رخ کیوں نہ کیا' جہاں انگریز قابض تھے یا پنجاب میں قیام کی ضرورت کیوں نہ محسوس کی جہاں انتہاء پسند سکھ مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے تھے (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو وحید احمد مسعود کی سید احمد شہید کی صحیح تصویر' لاہور ۱۹۶۷ بار سوم)

اسی کتاب کے پیش گفتار میں نامور محقق اور میرے محسن حکیم محمد موسیٰ کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت میں ان کے درجات کو بلند کرے (آمین) محمد سعید نعمانی کے قلمی نام سے لکھتے ہیں:

''جناب سید احمد شہید اور ان کی تحریک جہاد کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ان کے عقیدت مندوں اور ان کی تحریک جہاد کے روح رواں جناب شاہ محمد اسمٰعیل صاحب کے مقلدوں کے اذہان کی پیداوار ہے اور ہر تذکرہ نگار نے اپنا اپنا راگ الاپا ہے کسی نے بھی عقیدت کی عینک اتار کر اصلیت تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔
(ص ۳)

بہرکیف یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔ جس پر مدلل بحث پھر کسی وقت سہی۔

جہاد یا دہشت گردی

سردست میرا مقصود بیان رسالہ نئی زندگی الٰہ آباد کے پاکستان نمبر کی اس مکرر اشاعت کے حوالہ سے ان نام نہاد مفکرین کے چہروں کو بے نقاب کرنا ہے جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت میں جھوٹ بولنے کی انتہاء کر دی تھی اور جن کے چھوٹے اور جھوٹے پرستار آج بھی پاکستان کی سیاست میں سرگرم عمل ہیں۔ وہ ان دونوں دکانوں کے بورڈ توڑ کر اور عالمی دہشت گردی پر سکوت اختیار کر کے ملک میں ایک بار پھر شریعت کے نفاذ کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں اور اپنے بڑوں کے ماضی اور اپنے حال کی جھوٹی سیاست چلا رہے ہیں مگر تحقیق کی آنکھ انہیں کیسے بھلا سکتی ہے؟

اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ جہاد اسلام میں فرض کفایہ نہیں' بلکہ فرض عین ہے۔ لیکن یہ حقیقت کس قدر تلخ ہے کہ ہمارے دیوبندی اور وہابی مولویوں نے جہاد کو بھی اپنی جھوٹی انا کے تابع کر رکھا ہے۔ ان کے بڑے دور غلامی میں مرزائیوں کی طرح انگریز کے خلاف جہاد کو کفر سے تعبیر کرتے تھے جن میں سے بعض کے فتوے ہنوز ریکارڈ پر ہیں۔ دیوبندی علماء ہندو کانگرس کی مخالفت اور آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کرنے والوں پر کفر کے فتوے صادر کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب کشمیر کی جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو مودودی ایسے علماء بھی ان دیوبندیوں اور وہابیوں کے ہمنوا تھے کہ جہاد کشمیر حرام اور کفر ہے۔ اس کے برعکس آج دنیا کو جس انسانیت سوز دہشت گردی کا سامنا ہے دیوبندی اور وہابی علماء کی اکثریت اس پر خوشی کا اظہار کرتی ہے اور بعض تو اسے علی الاعلان جہاد قرار دے کر اپنے سروں کو فخر سے بلند کرتے ہیں۔

ہمارے ان دیوبندی اور وہابی مولویوں کی سوچ نے دراصل جہاد اور دہشت گردی کے فرق کو ہی مٹا دیا ہے۔ یہ کونسا اسلام ہے کہ بے گناہ انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیلا جائے اور ان سے زندگی ایسی نعمت چھین کر بچوں کو یتیم' عورتوں کو بیوہ اور بوڑھے والدین کو بے سہارا کر دیا جائے۔ اسلام تو پیار اور محبت کو عام کرنے کا درس دیتا ہے۔ یہ دین انسانیت ہے اور اس میں کسی بے گناہ کو قتل کرنے کی گنجائش ہے نہ اجازت' چہ جائیکہ خودکش حملوں میں کوئی مسلمان خود بھی حرام موت مرے اور دوسروں کو بھی خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی' یہودی ہوں کہ اپنے ہی قومی بھائیوں میں سے شیعہ یا سنی انہیں موت سے ہمکنار کر کے جہاد اور دہشت گردی میں کوئی تمیز نہ رہنے دے۔ اس پر مستزاد ہماری بیشتر نام نہاد جہادی تنظیموں کے ڈانڈے ان ہی دیوبندیوں اور وہابیوں سے ملتے ہیں' جن کی دیکھا دیکھی دوسرے فرقوں نے بھی اپنی اپنی ''جہادی تنظیمیں'' بنائی ہیں اور اس بات میں امتیاز بصد مشکل ہو کر رہ گیا ہے کہ کونسی تنظیم خالصتاً جہاد فی الاسلام کی فی الحقیقت روح کو سمجھتی ہے اور اپنا کوئی لائحہ عمل اور عالمی امن وسلامتی کا نظریہ رکھتی ہے؟

پاکستان میں سرگرم عمل جہادی تنظیمیں ایک دو نہیں بلکہ حشرات الارض کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے کہ آئی ایس آئی کے پاس ان سب کا ریکارڈ ہو۔ لیکن ایک اہم اور پیچیدہ سوال میرے جیسے سادہ و عام مسلمانوں کو بہت پریشان کرتا ہے اور وہ یہ کہ کس جہادی تنظیم کا تعلق اسلام اور حب الوطنی سے ہے اور وہ پاکستان کی کس حد تک خیر خواہ اور اس ملک کے لئے ایثار کا جذبہ رکھتی ہے؟ محو حیرت ہوں کہ ایک نامور دیوبندی مولوی لیڈر جسے ایک دو سال پہلے کشمیر کی جنگ آزادی کی پاداش میں پابند سلاسل رہنے کے بعد بھارت نے رہا کیا اور اب بھارت کافی دنوں سے اسے دوبارہ گرفتار کر کے اس کے حوالے کرنے کا پاکستان سے پرزور مطالبہ کر رہا ہے۔ اسی لیڈر کا ایک انٹرویو میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ الحمدللہ! میرا باپ کٹر کانگرسی تھا اور میرے دادا کے گاندھی و نہرو سے دوستانہ مراسم تھے''۔ آج یہی دیوبندی لیڈر کبھی بھارت کی تحویل میں ہوتا ہے اور کبھی پاکستان میں اپنے کلاشنکوف برداروں کے ساتھ دیوبندیوں اور وہابیوں کے جلسے جلوسوں میں دندناتا پھرتا ہے۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ یہی پردہ جہاد اور دہشت گردی کے درمیان حائل ہے اور اسلام اور پاکستان کے بہی خواہوں اور دشمنوں میں پہچان کا تقاضا کرتا ہے۔

پاکستان دشمن عناصر کو پہچانئے

یہ عرض کرنے میں مجھے کوئی باک نہیں کہ پاکستان اس وقت تاریخ کے ایک نازک ترین موڑ پر کھڑا ہے اور نئی زندگی کے اس ''پاکستان نمبر'' کی دوبارہ اشاعت ایک بار پھر ہم سب کی توجہ کی متقاضی ہے کہ تحریک وتحفظ پاکستان کے مخالفوں اور حامیوں میں تفریق کریں اور اس طبقہ کے کردار کو پہچاننے کی کوشش کریں جو آج ظاہر میں تو ہنود و یہود و نصاریٰ کی مخالفت کر رہے ہیں مگر کل یہ ہندو اور انگریز کے وفادار تھے۔ انگریزوں سے وفاداری کا دم تو خیر آج بھی بھرتے ہیں۔ ذرا سے بیمار ہوں تو خدا کو بھول کر دوڑے ہوئے علاج کی خاطر امریکہ اور برطانیہ کا رخ کرتے ہیں۔ جہاد کو خود پر فرض سمجھتے ہیں نہ اپنی آل اولاد پر۔ دینی تعلیم کے لئے دوسروں کو درس دیتے ہیں مگر ان کے اپنے بیٹے اور بیٹیاں انگریزی سکولوں و کالجوں اور امریکہ و برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں پڑھتی ہیں۔ کیبل نیٹ ورک کو حرام گردانا اور عورتوں کی تصاویر والے بورڈ توڑنا ان کے نزدیک جہاد ہے البتہ ٹیلی ویژن پروگراموں میں

بے پردہ خواتین یہاں تک کہ اداکاروں کے ساتھ بیٹھ کر بحث ومباحث کرنا اور اپنی سیاست کی دکان چمکانے کی خاطر طویل بیانات اور انٹرویو دینا ان کے نزدیک جائز اور اسلام کے عین مطابق ہے۔

مقام صد افسوس ہے کہ پاکستان میں برسر اقتدار آنے والا ہر حکمران خواہ فوجی ہو یا سولین بانگ دہل اس عزم کا دعویٰ کرتا ہے کہ وطن عزیز کو اندرونی و بیرونی خطرات سے بچانے کے لئے کسی گروہ سے کسی قسم کی سودے بازی نہیں کرے گا اور ذاتی مفاد پر قومی مفادات کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن عملاً کیا ہوتا رہا ہے؟ یہ صورت حال مخفی ہے نہ اطمینان بخش۔ دوقومی نظریہ کے بدترین مخالف اور گاندھی و نہرو کے چرنوں کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے والے ہندو ذہنیت کے کانگرسی لوگ اور ان کی اولادیں سیاست اور بیوروکریسی کے کل پرزے بنی ہوئی ہیں اور ملک کے تقریباً تمام کلیدی عہدوں پر انہی کا تسلط ہے۔ برعکس اس کے وہ لوگ جنہوں نے تحریک پاکستان میں اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا۔ ان کے بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بے روزگار اور مفلوک الحال ہیں اور بعض کی بہو بیٹیاں اور بیوائیں گھروں میں برتن مانجھ کر گزارا کر رہی ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ تحریک پاکستان سے متعلق ادارے قائم ہیں' نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن بھی بنی ہوئی ہے مگر اس صورتحال کی انہیں بھی خبر نہیں۔ سالانہ جلسے کئے' تقریریں کیں اور تصویریں چھپوائیں' بس اللہ اللہ! خیر صلا دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے اساتذہ کا راج ہے' جو علی الاعلان کلاسوں میں کہتے ہیں کہ صرف ایک حقیقت ہے کہ پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آیا باقی دوقومی نظریہ یا نظریہ پاکستان اور تحریک آزادی سب کچھ جھوٹ ہے۔ اسی طرح وہ قائداعظم اور تحریک پاکستان میں حصہ لینے والوں کو احمق و بے وقوف اور انگریزوں کے ایجنٹ اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہتے ہیں!

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کا موجودہ ڈائریکٹر جسے جنرل ضیاء الحق کے دور میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے مرزائی ہونے کی بناء پر نکال دیا گیا تھا اور جو ہر وقت دفتر میں بیٹھ کر گاندھی و نہرو کی تعریف میں رطب اللسان رہتا ہے اور جس نے زندگی میں کبھی بابائے قوم محمد علی جناح کو قائداعظم تسلیم کیا نہ لکھا' آج بھی متحدہ قومیت کا حامی' دوقومی نظریے کا بدترین مخالف ہے۔ اسے صدر پاکستان جناب پرویز مشرف ہی کے دور میں شریعت کورٹ کا جج بھی بنا دیا گیا۔

اسی طرح اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی جماعت اسلامی کے بیجا تصرف میں ہے۔ اس لئے اسے ''جماعت اسلامی یونیورسٹی'' کہنا قرین صواب ہوگا۔ یہاں اردو کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس یونیورسٹی کا سربراہ بظاہر ایک عمر رسیدہ مصری پروفیسر ہے لیکن عملاً کنٹرول یونیورسٹی کے ایک وائس پریذیڈنٹ کا ہے اور کٹر دیوبندی اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کم نہیں سمجھتا۔ ایک عرصہ تک جماعت اسلامی سے اس کی وابستگی رہی اب کبھی فضل الرحمٰن کے ساتھ تو کبھی مولوی سمیع الحق دیوبندی کے گروپ میں۔ اقرباء پروری اور مسلک پرستی میں اس کا شاید ہی کوئی ثانی ہو۔ اسی کی کوششوں سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی دیوبندی و وہابی اساتذہ کا گڑھ بن چکی ہے جو ''من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو'' کے ترجمان ہیں۔ ان کی بقائے باہمی کا انحصار صرف اور صرف نظریہ پاکستان کے حامیوں کے معاشی قتل اور ان کی دشمنی پر ہے جنہیں برس ہا برس سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود

ترقی سے محروم رکھا گیا یا وہ مجبور کر دئے گئے کہ ملازمتوں کو خیر باد کہہ دیں یا طویل رخصت پر چلے جائیں۔ حیرت کی بات ہے کہ یونیورسٹی مذکورہ کے مذکورہ وائس پریذیڈنٹ کو جناب پرویز مشرف کی کابینہ میں وفاقی وزارت مذہبی امور کا قلمدان بھی تفویض کر دیا گیا اور کسی نے یہ نہ سوچا کہ مولوی عبدالحکیم دیوبندی کے مدرسہ کوہائی بازار راولپنڈی میں ساٹھ روپے ماہوار پانے والا یہ مدرس کتنی تیزی سے اور کس طرح گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہوا وزارت کے عہدہ تک جا پہنچا۔

یہ مثالیں مشتے نمونہ از خروارے نقل کی گئی ہیں اور میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر دیوبندیوں اور وہابیوں کے تسلط کے باوجود جو اس قدر راسخ العقیدہ و بنیاد پرست ہیں کہ انہیں اسلام کے دین انسانیت وامن ہونے کا خیال آتا ہے نہ انہیں پاکستان کی عزت ووقار اور اہل وطن سے محبت و یگانگت کا اگر فوجی صدر جناب پرویز مشرف کا دعویٰ ہے کہ وہ اس ملک خداداد پاکستان میں مذہبی دہشت گردوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں دیں گے تو یہ ان کی بھول اور سادگی ہے کیونکہ اصلاح احوال کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کی جائے۔ سچ بولنے والوں کا ساتھ دیا جائے اور جھوٹ بولنے والوں کی حوصلہ شکنی۔ ویسے بھی قرآن میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ اسلام سچائی کا مذہب ہے اور جھوٹ سے نفرت سکھاتا ہے اسی لئے ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ تلقین فرمائی کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے' جھوٹ مت بولو۔ اس سے دین و دنیا دونوں جاتے رہتے ہیں۔ پس دیوبندیوں اور وہابیوں کے جھوٹ سے آگہی ہم سب کا بالعموم اور برسر اقتدار طبقے کا بالخصوص فرض ہے اور ایک آسان راستہ ہے ملک کو بچانے کا۔

جب پاکستان دولخت ہوا

یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ پاکستان میں جب کبھی سیاسی بحران پیدا ہوتا ہے' نظریہ پاکستان کے مخالف تمام عناصر بزرگ سیاستدان نوابزادہ نصر اللہ خان (احراری) کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس مرتبہ تو مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی ان میں شمولیت اختیار کر کے ان اہلسنت علماء ومشائخ کا سرنگوں کر دیا ہے جن کے بڑے ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آل انڈیا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا بھرپور ساتھ دیتے رہے۔ اس سلسلے میں بلاشبہ انہوں نے غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں عظیم الشان کانفرنسوں کا اہتمام کیا' جن میں سب سے بڑی کانفرنس آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس منعقدہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ تھی۔ اس کانفرنس میں پانچ سو مشائخ عظام سات ہزار علمائے کرام اور دو لاکھ مسلمان شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں اہلسنت علماء ومشائخ کی طرف سے قیام پاکستان کی بھرپور حمایت کی گئی اور عہد کیا گیا تھا کہ سنی علماء اپنے اپنے حلقہ اثر میں پاکستان کو معرض وجود میں لانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب دیوبندیوں اور وہابیوں کی ستانوے فیصد اکثریت پاکستان کے قیام کی پرزور مخالفت کر رہی تھی اور ان کا نعرہ تھا کہ ہم پاکستان کو پلیدستان اور قائداعظم کو کافر اعظم سمجھتے ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی شاید وہ وقت بھول گئے ہوں' مگر مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب پاکستان دولخت ہوا تو اس سانحہ عظیم پر یہی احراری' دیوبندی' وہابی اور مرزائی بہت شاداں وفرحاں تھے۔ ان کے ہاں دیگیں پک رہی تھیں اور جشن منائے جا رہے

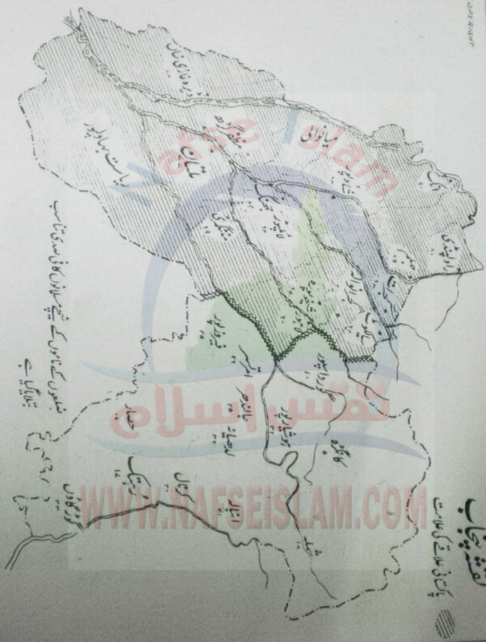
تھے۔ میں اپنے محسن و مربی جناب حکیم محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا۔ حکیم صاحب کے بعض دوسرے دوست بھی موجود تھے اور ہر کسی کی آنکھ سقوط ڈھاکہ پر اشک بار تھی۔ عین اس موقع پر احراری کارکن جانباز مرزا جھومتا ہوا مطب میں داخل ہوا اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور چہرے پر ایک عجیب قسم کی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ سلام نہ دعا' آتے ہی بولا: دیکھ لیا حکیم صاحب! ہمارے بزرگوں کا کارنامہ' آپ کس پاکستان کی باتیں کرتے رہتے ہیں ذرا سوچئے کہ ہمارے امیر شریعت (عطاء اللہ شاہ بخاری) کی روح کس قدر آج مسرور ہوگی؟ کہاں ہے آپ کا پاکستان اور بلاؤ اب اپنے قائداعظم کو۔

حکیم اہلسنّت اس کے الفاظ سن کر خاموش رہے اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ان ہی دنوں ربوہ سے شائع ہونے والے مرزائیوں کے اخبار الفضل نے پاکستان کے دو ٹکڑے ہونے کے متعلق اپنے جھوٹے نبی اور اس کے جھوٹے خلفاء کی پیش گوئیاں چھاپیں اور دیوبندیوں اور وہابیوں کے رسائل میں بھی اس طرح کے مضامین شائع کئے گئے جن میں حسین احمد دیوبندی اور ان کے حواری علماء کے نظریات کو درست ثابت کرنے کی لایعنی کوششیں کی گئی تھیں۔

نصابی کتب کی خرافات

'وہ وقت اور آج کے شب و روز' پاکستان میں جھوٹ کی مذہبی سیاست کے بہاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا اور آئے بھی تو کیسے؟ نصاب کی کتب میں وہابی تحریک اور دیوبندی علماء کے تذکرے بایں انداز شامل چلے آرہے ہیں کہ پاکستان کا قیام گویا ان ہی کا رہین منت ہے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے دیگر سنی علماء کے تفصیلی ذکر سے ہماری نصابی کتب خالی ہیں اور نئی نسل کو یہ باور کرانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی جاتی کہ تحریک پاکستان کے حقیقی پیش رو سید احمد بریلوی یا شاہ اسمٰعیل ایسے دیوبندی و وہابی مولوی نہیں' بلکہ داتا گنج بخش جیسے اولیائے کرام ہیں جنہوں نے برصغیر میں دو قومی نظریے کی بنیاد رکھی۔ قرارداد لاہور کو میثاق مدینہ کے تناظر میں بھی روشناس کرایا نہیں جاتا۔ چنانچہ دو قومی نظریہ کے اصل مبلغین سے نئی نسل کو آگہی نہیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ دینی مدارس ہوں یا سکول' کالج اور یونیورسٹیاں' وہاں زیادہ تر نظریہ پاکستان کے مخالفوں کا راج ہے اور انہی میں سے بیشتر نصابی کتب کے مرتبین و مولفین دکھائی دیتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند (بھارت) ان کا قبلہ و کعبہ ہے جہاں سے خود ان کے بقول "علم و ہدایت" کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اس علم و ہدایت میں جھوٹ کی آمیزش کا تناسب جاننے کے لئے نئی زندگی کے اس پاکستان نمبر کے مضامین کا مطالعہ کیجئے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ دارالفیض گنج بخش تاریخ کی اس اہم دستاویز کو اہل فکر و نظر کے ذوق تسکین کے لئے دوبارہ عکسی صورت میں شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ یہ حکمرانوں اور عوام دونوں کے لئے بیک وقت فائدے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور اس ملک پاکستان پر اپنا خصوصی فضل و کرم فرمائے۔ (آمین)



نقشہ نمبر ۱

COPYRIGHT

نقشہ بنگال

پاکستانی علاقے کی علامت

دارجلنگ
جلپائی گوڑی
دیناجپور
رنگپور
مالدہ
بوگرہ
راجشاہی
میمن سنگھ
مرشد آباد
پبنہ
بیربھوم
ندیا
ڈھاکہ
ریاست تری پورا
بردوان
بانکورا
جیسور
فریدپور
ٹپرہ
ہوگلی
نواکھالی
ہوڑہ
باقرگنج
کھلنا
کلکتہ
مدناپور
چوبیس پرگنہ

ضلعوں کے ناموں کے نیچے مسلمانوں کا فی صد تناسب بتلایا گیا ہے۔

نقشہ نمبر ۲

جلد ۶ نمبر ۱

نئی زندگی

خاص (پاکستان) نمبر

مرتبہ: ——— ڈاکٹر سیّد محمود

فہرست مضامین

پیش لفظ

از

مرتّب

مسٹر انیس الرحمٰن اڈیٹر "نئی زندگی" نے جن حالات و مشکلات میں اس رسالہ کو اب تک جاری رکھا وہ قابل ستائش ہے۔ گذشتہ پانچ چھ سال کے عرصہ میں میرا صرف ایک مضمون "نئی زندگی" میں چھپ سکا۔ دیگر لکھنے والے حضرات نے بھی اسطرف خاطرخواہ توجہ نہ کی۔ جیل سے نکلنے کے بعد بھی باوجود متواتر وعدوں کے اب تک کچھ نہ لکھ سکا۔ گو رسالہ اس چھ سال میں اپنی گذشتہ شان قائم نہ رکھ سکا لیکن پھر بھی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے اڈیٹر نے جو کچھ کیا وہ بسا غنیمت تھا۔

قرون وسطیٰ میں ہندو مسلمانوں کے میل جول نے اس ملک میں ایک نئی روح پیدا کردی تھی۔ علم و عمل کی بجلی از سر نو ہندوستان کے رگ پے میں دوڑ گئی تھی۔ کلچرل زندگی کی ایک شاندار عمارت تیار ہوگئی تھی جسکی یاد آگرہ کا تاج آج بھی دلاتا ہے۔ اسوقت کی سماجی زندگی باوجود مذہبی اختلاف کے ایسے انسان پیدا کرتی جن پر ہندو مسلم دونوں کو یکساں طور پر فخر ہوا کرتا۔ آج بھی اس سماجی زندگی کی دھندلی نشانیاں کہیں کہیں باقی ہیں۔ مسلمان اور ہندوؤں نے ایک دوسرے کو جس فیاضی اور دریا دلی سے اپنا سب کچھ سونپ دیا تھا اس پر آج ہم نہ صرف متعجب ہیں بلکہ ہم میں سے اکثروں کو اس کا یقین بھی نہیں آتا۔ ہم سماجی زندگی میں ایک دوسرے سے مثل شیر و شکر کے گھل مل گئے تھے۔ رسالہ "نئی زندگی" اسی وقت کی یاد تازہ کرنے کے لئے وجود میں آیا تھا تاکہ بھولے ہوئے تاریخی واقعات کو جواب قصے کہانی معلوم ہوتے ہیں مختلف پیرایہ میں پیش کرکے بتلایا اور جتلایا جائے کہ ایسی شاندار کلچرل اور سماجی زندگی جس نے تمام ملک کو ایک نئے سانچہ میں ڈھال دیا تھا کشت و خون اور سنہ ڈھائی کی بنیادوں پر قائم نہیں کی جاسکتی تھی۔ قومی وحدت بلکہ یہاں تک کہ خود ملک کی وحدت کا خیال مسلمانوں کا پیدا کردہ ہے اور انھوں نے بڑی حد تک اس میں کامیابی بھی حاصل کرلی تھی۔ آج ہم اپنے اس عظیم الشان کارنامہ پر فخر کرنے کے بجائے اس کو مٹانا ہی اپنا فرض سمجھنے لگے ہیں۔ "نئی زندگی" نے بہت تھوڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی ہے ابھی اسکو بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس رسالے نے اپنا ایک حلقۂ اثر ملک میں پیدا کرلیا ہے جو اس کے مقصد سے نہ صرف دلچسپی رکھتا ہے بلکہ اس مقصد کی کامیابی کا حامی ہے۔

مسٹر انیس الرحمٰن نے خاص (پاکستان) نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا اور اخباروں میں اعلان بھی کردیا۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ مختلف الخیال حضرات سے اتنی کم مدت میں مضامین لکھوانا بہت دشوار امر تھا۔ پھر کاغذ ملنے کی دشواریاں علیحدہ تھیں۔ انھوں نے میرا نام اس نمبر کے اسپیشل اڈیٹر کی حیثیت سے بغیر میری اطلاع و اجازت کے چھاپ دیا۔ مجھے اس کی خبر بہت دیر میں ملی اسوقت انکار بیکار تھا۔ میں اس کا اہل نہ تھا اور نہ مجھے فرصت تھی۔ میں اُن کے اصرار پر یہ مختصر نوٹ ریل میں لکھ رہا ہوں۔ نہ تو میں نے مضامین دیکھے ہیں اور نہ انکو پڑھا ہے اسلئے اُنکے متعلق کچھ بھی نہیں لکھ سکتا۔ البتہ اتنا ضرور

کو بھگا کر بڑے بڑے نامور اہل قلم حضرات نے پاکستان کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے حضرات کا نام ہی اس امر کی ضمانت ہے کہ یہ مضامین بڑے پایہ کے ہوں گے اور ناظرین انکو پڑھ کر نہ صرف محظوظ ہوں گے بلکہ ان سے پورا استفادہ حاصل کریں گے۔
میری بڑی خواہش تھی کہ یہ نمبر یک طرفہ نہ ہو بلکہ مختلف خیال حضرات کے مضامین شائع ہوں تاکہ ناظرین کو دونوں خیالات پڑھ کر رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ اور یہ نمبر پاکستان پر ایک سمپوزیم (Symposium.) کا کام دے۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں میں پڑھنے لکھنے کا شغلہ اور شوق کمیونسٹوں کو سب سے زیادہ ہے اور مسلم لیگیوں کو سب سے کم۔ کسی مسئلہ کی نوعیت پر علمی حیثیت سے اس کے ہر پہلو پر بحث کرنا اس مسئلہ کے سمجھنے میں بہت زیادہ ممد و معاون ہوتا ہے۔ پاکستان کے حامیوں میں میں نے صرف کمیونسٹوں کو جذباتی حیثیت چھوڑ کر علمی و اقتصادی حیثیت سے بحث کرتے دیکھا ورنہ عام طور پر ہمارے محترم لیگی بھائیوں کی گفتگو یا بحث کا خلاصہ صرف یہ ہوا کرتا ہے:۔

"ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اُن کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ بہت برا ہے۔ ان کا ارادہ ہندو راج قائم کرنے کا ہے۔ اسلئے پاکستان ہونا از بس ضروری ہے"۔ ہمارے محترم بھائی اپنے جذبات کی رو میں یہ بھول جاتے ہیں کہ ان تمام اعتراضات کو مان لینے کے بعد بھی وہ پاکستان کی ضرورت ثابت نہ کر سکے اور نہ پاکستان ان شکایات کا حل ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف پاکستان کے بعض مخالف حضرات اس کے حامیوں کو آزادی کا دشمن بتا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ طریقۂ الزام صحیح ہونے پر بھی موثر نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے اور زیادہ ضد بڑھتی ہے۔ اسوقت مکمل آزادی کے بعد پاکستان ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اسلئے اس پر ٹھنڈے دل سے بحث ہونی چاہئے۔ اور اسکے ہر پہلو پر کافی روشنی ڈالنی چاہئے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک معتد بہ گروہ پاکستان کو "اسلامی حکومت" کا مرادف سمجھتا ہے۔ اس لئے جو مسلمان اسکی مخالفت کرتا ہے وہ اُن کے خیال میں اسلام دشمنی کرتا ہے۔

میں نے بعض کمیونسٹ احباب کو اس مباحثہ میں حصہ لینے کے لئے لکھا مگر انھوں نے میری درخواست پر کوئی توجہ نہ کی۔ مسٹر انیس الرحمٰن کا بیان ہے کہ انھوں نے مسلم لیگ کے بعض برآوردہ حضرات سے اسکی درخواست کی مگر اُن کو کوئی جواب نہ ملا۔ اگر پاکستان کی حمایت کے مضامین نہیں آئے ہیں تو افسوس ہے کہ اس نمبر کی حیثیت سمپوزیم کی باقی نہیں رہی اور اس طرح پاکستان نمبر ادھورا رہ گیا۔ میں خود اس نوٹ میں پاکستان کے مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ جس دن دماغی طور پر پاکستان کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھ لوں گا اسی وقت سے نہ صرف اسکا حامی ہو جاؤں گا بلکہ اس کے حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور کسی قربانی سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

ہمارے محترم لیگی بھائی اپنے "اسلامی جذبات" کی رو میں ہر اُس مسلمان پر جو پاکستان کا دم نہ بھرتا ہو اسلام دشمنی بلکہ کفر کا بھی فتویٰ عائد کر دیتے ہیں۔ اس طرح مسلم لیگ کا ہر ممبر مفتی اعظم سے رتبہ میں کم نہیں۔ جمعیۃ العلماء کے لوگ بلکہ ابو الکلام آزاد جیسی مفسر قرآن اور محقق اسلام ہستی بھی رکیک ترین الزامات "ہندو پرستی" کے جرم سے نہ بچ سکی۔

میں اپنے محترم مسلم لیگی برادران سے نہایت ادب سے عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ حضرات جمعیۃ العلماء اور بہت سے غیر لیگی مسلمان نہ صرف ملک دوستی بلکہ اپنی اسلام دوستی کا بہت موقعوں پر کافی و وافی ثبوت دے چکے ہیں اور ہمارے بھائیوں کو ابھی اسلام دوستی یہاں تک کہ خود پاکستان دوستی کا ثبوت دینا باقی ہے۔ ایسی حالت میں اُن کے لئے کچھ بہت زیبا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ملک کے اور اسلام کے آزمودہ کار جاں نثاروں پر معترض ہوں اور انکی ایماندارانہ رائے کو "اسلام دشمنی" سے تعبیر کریں۔

مجھے اپنے مسلم لیگی بھائیوں کی رائے سے چاہے کتنا ہی اختلاف ہو لیکن اُن کے جذبات کی قدر کرتا ہوں اور بہت حد تک اُن کے جذبات کے وجوہ و اسباب بھی سمجھتا ہوں لیکن اس کا علاج پاکستان نہیں سمجھتا۔ آج سے دس بیس برس پہلے مسلمان عام طور پر مشترکہ کلچرل اور سماجی زندگی (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے رفتہ رفتہ مفقود ہونے پر افسوس کرتے بلکہ اس پر پُرزور احتجاج بلند کیا کرتے۔ اُن کے مطالبات میں سب ادنیٰ اور بڑی جگہ اسی طرح کی شکایات کا ہوا کرتا۔ جستہ جستہ یہ شکایات یہاں تک بڑھیں کہ انھوں نے تلخی اور تلخی نے مایوسی اور مایوسی نے پاکستان کی شکل اختیار کرلی۔ آج بھی اگر ان شکایات کی اصلی غرض و غایت سمجھنے کی ہمارے ہندو بھائی کوشش کریں تو میں بسا غنیمت سمجھونگا اور آئندہ کے لئے کوئی نہ کوئی امید افزا صورت نکل آنا نا ممکن نہیں۔

پاکستان پر بحث کرنا آسان نہیں ہے اسلئے کہ آجتک یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ پاکستان سے مفہوم کیا ہے۔

مسٹر جناح نے ڈیلی ورکر (لندن) کے انٹرویو میں گذشتہ سال پاکستان کو موجودہ طرز کی جمہوری حکومت سے تعبیر کیا ہے۔ جسمیں ہر مذہب و ملت کا آدمی برابر کا شریک ہوگا اور مذہب کی بنا پر کسی میں کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ اگر پاکستان کا یہ مفہوم ہے تو پھر "اسلامی حکومت" کا نام کیوں لیا جاتا ہے اور اس مفہوم سے پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کے مفہوم سے اصولاً کیا فرق ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت دونوں حالتوں میں باقی رہتی ہے۔ ہاں البتہ سنٹر کی مداخلت کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ وہ بھی غیر مصرحہ (Residnary Powers) اختیارات صوبوں کو دیدینے سے برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ اس برائے نام مداخلت کے شبہ کا ازالہ بھی سنٹر میں مسلمانوں کی بہت کافی و شافی نیابت کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ جس سے اقلیت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں کو خاطر خواہ فائدہ پہونچ سکتا ہے اور ایسی حالت میں وہ صرف ہندوؤں کے رحم و کرم کے بھروسہ پر نہ رہیں گے۔ پاکستان ہونے پر اسکی اقتصادی و دیگر کمزوریوں کے باعث ایک طاقتور بیرونی حکومت کی ہمیشہ ضرورت باقی رہیگی ورنہ کمزور "پاکستان" مضبوط "ہندوستان" کے دستبرد سے بچ نہ سکے گا۔ ہندوستان اقتصادی حیثیت سے اتنا مضبوط ہوگا کہ نادار پاکستان اس کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے گا۔ جب تک کہ ایک مضبوط بیرونی طاقت پاکستان کے سر پر اسکی حمایت کے لئے ہر وقت تیار نہ ہو۔ جس کے صاف اور کھلے معنی یہ ہوئے کہ انگریز ہمیشہ پاکستان کی امداد کے نام پر ملک کے دونوں حصوں پر مسلط رہیں جیسا کہ آج بھی وہ اپنے حلیف دیسی ریاستوں کی حفاظت کے نام پر ہندوستان پچھڑنے پر مجبوری ظاہر کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی پاکستان سے مخالفت کا اصلی راز یہ ہے ورنہ ہندو سبھا بخوشی پاکستان مسلمانوں کے نذر کردیتی اور کچھ عرصہ بعد اس پر بھی قبضہ کرلینے کا منصوبہ رکھتی۔

عام طور پر مسلمانوں میں سمجھا جاتا ہے کہ اگر پاکستان مسلمانوں کے لئے مفید شے نہ ہوتی تو ہندو اس شدو مد کے ساتھ اسکی مخالفت کیوں کرتے۔ انکی مخالفت کی وجہ وہی ہے جو ابھی اوپر بیان کی گئی ہے ورنہ وہ پاکستان کی ہرگز مخالفت نہ کرتے۔

کچھ عرصہ ہوا "نیوز کرانیکل" لندن کے نمائندہ سے ایک انٹرویو میں مسٹر جناح نے یہ فرمایا تھا کہ وہ انگریزوں کو پاکستان ملنے کے بعد بھی اسوقت تک ہندوستان سے جانے نہ دیں گے جب تک مسلمان مضبوط نہ ہوجائیں۔ اس بیان کے بعد یہ امید کرنا کہ ہندو بخوشی پاکستان کی اسکیم منظور کریں گے بعید از انصاف ہے۔ ہندو تو درکنار خود مسلمان عوام اس دائمی غلامی کو پاکستان پر ترجیح نہ دیں گے۔ یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ آزادی اور پاکستان کا دینا نہ دینا انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہندوؤں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہندو اور وہ مسلمان جو آزادی کے دلدادہ ہیں کمل آزادی حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے بارہا لڑچکے ہیں اور آج بھی لڑ رہے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے لئے ہمارے لیگی برادران انگریزوں سے جنگ کیوں نہیں کرتے۔ ہندوؤں سے لڑنے سے کیا فائدہ؟ انگریزوں کی حکومت نے نہایت دانشمندانہ طور پر جھگڑے کا رُخ اپنی طرف سے

ہٹا کر آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف پھیر دیا ہے۔

۱۹۳۷ء سے لیکر اس وقت تک جتنے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں جب انکی صحیح اور مکمل تاریخ لکھی جائے گی تو دنیا کو معلوم ہوگا کہ مسٹر جناح نے کتنے اچھے اور سنہرے مواقع ہاتھ سے کھوئے ہیں۔ میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو کانگریس کو معصوم سمجھتے ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کانگریس نے بھی اس بارہ میں غلطیاں کی ہیں لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ مسٹر جناح نے بعض بہترین مواقع کیوں کھوئے؟ یہاں پر میں صرف آخری واقعہ کا ذکر کرونگا۔ چونکہ اس میں میرا بھی بڑا حصہ تھا۔ اسلئے میں شروع سے آخر تک اس سے خوب واقف ہوں۔ نومبر ۱۹۴۴ء سے جون ۱۹۴۵ء تک میں زیادہ تر گاندھی جی کے ساتھ رہا۔ میں نے جس درجہ انکو ہندو مسلم مفاہمت کے لئے بے قرار اور مضطرب پایا اُس کا میرے دل پر بہت اثر ہوا گاندھی جناح گفتگو کی ناکامی کے بعد بھی وہ مایوس نہ تھے اور ہر ممکن کوشش کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے بارہا اصرار کیا کہ میں مسٹر جناح سے مل کر گفتگو کروں۔ مگر میں جانتا تھا کہ مسٹر جناح مجھ سے ملنا ہرگز پسند نہ کریں گے اسلئے انکار کرتا رہا۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ مسٹر جناح ایک شریف اور ایماندار شخص ہیں وہ تم سے ضرور ملینگے۔ لیکن میں راضی نہ ہوا۔ بہر حال جو کوششیں اس زمانہ میں ہوئیں اُن کے اظہار کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت صرف اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ ایک وقت میں تو بھولا بھائی۔ لیاقت علی فارمولا یا عارضی مفاہمت یا پیکٹ (اسے جس نام سے بھی چاہیئے یاد کیجئے) سے مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی صاحب نے انکار کیا اور پھر وہی چیز (یعنی کانگریس۔ لیگ پیریٹی Parity) شملہ میں طلب کرتے رہے۔ اگر وہ چیز اچھی تھی تو پہلے اُس سے انکار کیوں ہوا اور اگر بُری تھی تو پھر شملہ میں اسکی مانگ کیوں ہوئی اور اس پر زور کیوں دیا گیا۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس سُنہرے موقع کو کھو کر مسٹر جناح نے بعد کو بہت دیر میں اپنی غلطی محسوس کی مگر موقع ہاتھ سے جا چکا تھا۔ اس کے بعد سے میں بالکل مایوس ہوگیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ مسٹر جناح کوئی سمجھوتہ نہیں چاہتے۔ وہ انگریزوں سے ہی کوئی بے معنی شے حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کا نام چاہے پاکستان ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ مسلمانوں کے درد کا علاج نہ ہوگی اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ ملک کی آزادی کو شدید نقصان پہونچائے گی۔

کمیونل اوارڈ کے وقت میں بھی مسٹر جناح نے بارہا یہ کہا تھا کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد مسلمان مضبوط ہو جائیں گے اور پھر انکو اکثریت کا کوئی خوف نہ رہے گا۔ کمیونل اوارڈ ملا لیکن وقت و تجربہ نے ثابت کیا کہ وہ نہ تو مسلمانوں کے درد کا علاج تھا اور نہ ہے نہ انکی حفاظت اکثریت کے بڑے یا چھوٹے مظالم سے کر سکتا تھا۔ اسی طرح مسٹر جناح کا بتایا ہوا پاکستانی علاج بھی نہ صرف بیکار ثابت ہوگا بلکہ مسلمانوں کے لئے زہر ہلاہل کا کام دیگا۔ پاکستان حاصل ہونے پر ہندوستان میں تو ہندو راج بلا شک و شبہہ قائم ہو جاوے گا۔ لیکن پنجاب و بنگال میں مسلم راج کسی طرح بھی نہ ہوگا۔ اسلئے کہ ۷ فیصدی اور ۴۷ فیصدی اقلیت میں اور ۴۵ فیصدی اقلیت میں بڑا فرق ہے۔ موخر الذکر کو اقلیت نہیں کہا جا سکتا اور اول الذکر صحیح معنوں میں اقلیت ہے۔

ہمارے درد کا علاج ہماری غربت کو فوری طور پر دور کرنا ہے اور وہ بغیر آزادی اور آپس میں بھائی چارہ اور مفاہمت کے دور نہیں ہو سکتی۔ ہمارے سوشل سسٹم اور کلچر کی بنیادیں اتنی پائیدار اور اتنی مضبوط ہیں کہ انکو کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ ہمارے سوشل سسٹم کے متعلق انگلستان کے مشہور فلاسفر اور ادیب برنڈ شا نے چند برس پہلے کہا تھا کہ " سو دو برس میں یورپ مجبور ہوگا کہ اسلامی سوشل سسٹم کو اختیار کرے اور اُس کی نجات بھی اسی میں ہے "۔ مسلمان دنیا میں اپنے سوشل سسٹم اور اپنے قانون وراثت وغیرہ کا مبلغ ہے پھر ایک مبلغ مشکلات سے کیونکر بھاگ سکتا ہے۔ ہم مشکلات اور آفات کا مقابلہ کرنا ہے اپنی حفاظت و ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے لیگی بھائی ان مشکلات سے بھاگ کر مسلمانوں کو

ایک آہنی دیوار ہیں بند کرکے انکی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن کے طریقہ علاج کو ناپسند کرتے ہیں لیکن اُن کو اپنا گوشت پوست سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے لیگی بھائی ہمارے ساتھ اسلامی رواداری کا برتاؤ نہیں کرتے۔ الیکشن میں آج جو ہو رہا ہے اور اس سے قوم کے اخلاق و عادات پر جو بد بُرا اثر پڑ رہا ہے وہ ہم سب کے لئے ازحد تکلیف دہ ہے۔

آج ہم مذہبی جذبہ سے عاری ہو رہے ہیں۔ ہم فلسطین و ایران انڈونیشیا و دیگر اسلامی ممالک کے حالات سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ یہ حالات کہاں تک ہمارے لئے دل خوش کن ہیں اس پر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے۔ کیا لئے پاکستان کے حصول کی کوشش میں کہیں ہماری قوم اپنے ورثہ اخلاق و اطوار کو بھی نہ کھو بیٹھے۔

مسلمانوں کا خطرناک طریقہ پر بڑھتا ہوا افلاس اُن کا سب سے بڑا دقت کا مسئلہ ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہندو سرمایہ دار اُنکو کب پنپنے دیں گے۔ جواب یہ ہے کہ جب آزادی حاصل ہونے پر سوشلسٹ طرز کی حکومت قائم ہوگی جس میں ہر آدمی کے روٹی کپڑے کی ذمہ داری اسٹیٹ پر ہوگی۔ معترض پھر کہتا ہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں جبکہ سرمایہ دار اس درجہ مضبوط اور منظم ہیں کہ سارا نیشنلسٹ پریس اُنکے قبضہ اقتدار میں ہے۔ تقریباً سب نیشنلسٹ ادارے اُن ہی کے سرمایہ سے چل رہے ہیں پھر آزادی کے بعد بھی ایک عرصہ دراز تک وہی سب کچھ ہوں گے۔ اُن سے لڑتے لڑتے بھی سو پچاس سال گزر جائیں گے اس عرصہ میں مفلوک مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا۔ اُن کے افلاس دور کرنے کی کیا تدبیریں ہیں؟ اس سوال کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ اس کا جواب ہمارے ذمہ دار مقتدر رہنما مثل پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد اور سردار پٹیل ہی دے سکتے ہیں۔ مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ پاکستان قائم ہونے پر اقلیت کے صوبوں کے ڈھائی تین کروڑ مسلمان تو بے موت کی موت مر جائیں گے اور پاکستان کے مسلمان خوش حال نہ بن سکیں گے اسلئے کہ صنعت و حرفت کی ترقی کے ذرائع مشرقی و مغربی پاکستانی علاقوں میں بہت کم ہیں۔ اسلئے ہم کو ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشش کرنا چاہیئے اور ہندوؤں کے خوف کو دل سے دور کر دینا چاہیئے۔ ہندو نہ ہم مسلمانوں کو ہڑپ کر سکتے ہیں اور نہ ہڑپ کرنے کے بعد ہضم کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ خوف ہماری تاریخی و مذہبی روایات کے خلاف ہے۔ ملک کو آزاد کرانا مسلمانوں کا ویسا ہی فرض ہے جیسا ہندوؤں کا۔ آزادی آسانی سے نہیں ملا کرتی۔ اسکے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرنی ہوتی ہیں اور مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ اسکے بعد مسلمانوں کو تو دنیا میں خدا کا پیغام "انسانی اخوت" کا نہ صرف پہونچا دینا ہے بلکہ اسکو عملی جامہ پہنانا ہے اسلئے بھی مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ پاکستان کے تنگ دائرے سے نکل کر اپنے لئے وسیع میدان پیدا کریں۔ یہ اصل کام ہے جو مسلمانوں کو کرنا ہے۔ اگر ہم دنیا میں بحیثیت قوم کے عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنی تن آسانیاں چھوڑنی ہوں گی اور جد و جہد کرنی ہوگی۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نہ رازِ سرِ غیب — باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور
ہر کہ سرگرداں بہ عالم گشت و غمخواری نہ یافت — آخر الامر او بہ غمخواری رسد ہاں غم مخور
در بیاباں گر بہ شوقِ کعبہ خواہی زد قدم — سرزنش ہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور
گرچہ منزل بس خطرناک ست و مقصد ناپدید — ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

سید محمود

کتاب اوّل

پاکستان حل نہیں ہے

از ــــــ انیس الرحمٰن

از خوابِ گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دل آویزیٔ افرنگ
فریاد زِ شیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ
معمارِ حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

اقبال

پہلا باب

تقسیم کس طریقے پر ہو

از ـــــــــ سید انیس الرحمٰن

ہندوستان کی تقسیم کے مطالبے کے ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقسیم کا اصول اور طریقہ کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں صوبوں اور کمشنریوں کی جو تقسیم ہے، وہ بھی فرقہ وارانہ بنیادوں پر نہیں۔ اور نہ کسی دوسری تمدنی بنیاد، مثلاً زبان وغیرہ کے اصول ہی پر ہے۔اس کی بنیاد محض برطانوی حکومت کی انتظامی سہولتوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ مثلاً مدراس کے صوبے میں چار زبانیں بولنے والے خطے آباد ہیں، یعنی تامل، تلگو، ملیالم، اور کنڑی، اسی طرح صوبۂ بمبئی میں گجراتی، مراٹھی اور کنڑی تین مختلف زبانیں بولنے والی قومیں شامل ہیں۔ حال تک صوبۂ سندھ بھی بمبئی میں شامل تھا۔ لیکن ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں اس صوبے کی علیحدگی کے بعد بمبئی کے صوبے سے ایک زبان (سندھی) کی کمی ہوگئی۔ صوبۂ متوسط دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ایک کی زبان ہندی اور دوسرے کی مراٹھی ہے۔ صوبۂ آسام میں بنگلہ زبان بولنے والی ۴۵ فی صدی آبادیاں شامل ہیں۔ اور بقیہ ۵۵ فی صدی آسامی یا دوسری زبانیں بولتی ہیں، اسی طرح بہار میں چھوٹا ناگپور شامل ہے جس کی نہ صرف زبان بلکہ سارا تمدن بہاریوں سے مختلف ہے۔ بہت حال تک بہار اور اڑیسہ دونوں صوبے صوبۂ بنگال کا جز رہے اور بنگال کی سرحدیں ایک طرف سلہٹ اور دوسری طرف بنارس تک پھیلی ہوئی تھیں

فی الحقیقت یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ مراٹھی زبان بولنے والے ایک متجانس خطہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُس کے کچھ حصے بمبئی میں، کچھ سی پی میں اور کچھ حیدرآباد اسٹیٹ میں شامل کردیے جائیں۔ اسی طرح بنگلہ بولنے والے علاقہ میں سے کچھ اضلاع آسام، کچھ اڑیسہ اور کچھ صوبۂ بہار جھپٹ لے یہی حال کنڑی کا ہے کہ وہ بالترتیب تین صوبوں کی زبان ہے، یعنی بمبئی، مدراس اور ریاست حیدرآباد۔ کوئی انسانیت پرور قومی حکومت ایک منٹ بھی اس نوچ کھسوٹ کو برداشت نہیں کرسکتی اور آج نہیں توکل ہندوستان کے صوبوں کی جدید تقسیم لسانی اور تمدنی اعتبار سے کرنی ہی پڑیگی

مغلوں کے عہد میں بھی یہ تقسیم نہ تھی۔ یوپی میں تین صوبے تھے۔ آگرہ، اودھ، اور یہاں تک کہ جون پور بھی ایک علیحدہ صوبہ تھا۔ اس تقسیم کی بنیاد ایک بڑی حد تک لسانی تھی۔ مثلاً گجرات، مارواڑ، مالوہ اور خاندیش، راجپوتانہ، کرناٹک وغیرہ لیکن انگریزی عہد حکومت میں ان

صوبوں کو توڑ توڑ کر بڑے بڑے صوبے بنائے گئے اور اکثر دو دو تین تین صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ قرار دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر صوبہ ایک چوں چوں کا مربع بن گیا ہے۔

بہرحال مسلم لیگ نے آج تک صاف طور پر یہ نہ بتلایا کہ تقسیم کا اصول کیا ہوگا۔ اور وہ کن کن صوبوں یا ضلعوں کو پاکستان میں شامل کریں گے اور کن کن مقامات کو پاکستان سے خارج کریں گے۔ اس سلسلہ میں مسلم لیگ کی لاہور کی تجویز (۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء) ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ متجانس جغرافیائی حلقوں کو ضروری قطع و برید کے بعد اس طرح مرتب کیا جائے کہ جس جس جگہ مسلمانوں کی اکثریت ہو، جیسے شمالی (مغربی) اور شرقی علاقے۔ انھیں ملا کر آزاد ریاستیں بنائی جائیں اور یہ ریاستیں خود مختارانہ اور حاکمانہ اختیارات کی مالک ہوں۔ بہت ہی مبہم ہے اور اس تجویز میں صوبوں کا ذکر نہیں ہے اور اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ اس ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادیوں کی چھان بین کے بعد جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہوں گے اُنھیں کا پاکستان بنے گا۔ لیکن حال میں (۸ نومبر ۱۹۴۵ء) مسٹر محمد علی جناح نے پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جغرافیائی حیثیت سے پاکستان جن صوبوں پر مشتمل ہوگا وہ یہ ہیں:۔ بلوچستان، صوبۂ سرحد، سارا پنجاب، سارا بنگال، اور آسام کا صوبہ۔ غرضیکہ مسلم لیگ کی لاہور کی تجویز اور مسٹر جناح کے بیان میں سخت تضاد ہے۔

بہرحال قائدین مسلم لیگ کی روئیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صوبوں کی موجودہ تقسیم ہی کی بنیاد پر پاکستان مانگتے ہیں، اور اس میں کسی رد و بدل اور کانٹ چھانٹ کو گوارا نہیں کر سکتے۔ بہرحال اگر کچھ دیر کے لئے ہم مسلم لیگ کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیں تو ہمیں دیکھنا ہے کہ ایک ایسے پاکستان کی شکل صورت کیا ہوگی۔ جس میں ہندوؤں کے بڑے بڑے علاقے اور ریاستیں تک کر سے شامل ہوں۔

تقسیم کا پہلا طریقہ

بہرحال اگر مسلم لیگ کے مطالبے کے مطابق اسی اصول کے مطابق تقسیم ہو تو ایسے پاکستان میں ہندو اور مسلمانوں کا تناسب حسب ذیل ہوگا۔

	صوبہ	مسلمان	ہندو	سکھ
(۱)	بنگال	۳۳،۰۰۵،۴۳۴	۲۵،۰۵۸،۹۲۴	
(۲)	پنجاب	۱۶،۲۱۷،۲۴۲	۷،۵۵۰،۳۴۲	۳۱ لاکھ
(۳)	صوبہ سرحد	۲،۷۸۸،۷۹۶	۱۸۰،۳۲۱	۱۰ لاکھ
(۴)	سندھ	۳،۲۰۸،۳۲۵	۵۹۸،۱۱۵	
(۵)	بلوچستان	۴۳۹،۰۰۰	۳۰۰،۰۰۰	
	میزان	۵۵،۶۵۰،۷۹۸	۳۳،۶۵۷،۷۳۲	۴۱ لاکھ

غرضیکہ پاکستان میں تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ تو مسلمان ہوں گے، اور تقریباً چار کروڑ (کیونکہ پنجاب اور صوبۂ سرحد کے ۴۱ لاکھ سکھوں کو بھی ہندوؤں کی تعداد میں شامل کر لینا چاہیے) غیر مسلم ظاہر ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کی اتنی بڑی تعداد کو کہ جو مسلمانوں سے علم، دولت وغیرہ سب میں آگے ہیں پاکستان کس طرح بنایا جا سکتا ہے جو مسلمانوں سے تقریباً مساویت کا درجہ رکھتے ہیں، ہندوؤں کی اس بڑی تعداد کی موجودگی

میں پاکستان کی حکومت کبھی بھی استوار اور مستحکم حکومت نہ بن سکے گی، اور اسے ہمیشہ خطرہ لاحق رہے گا۔ علاوہ ازیں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ ساڑھے پانچ کروڑ مسلم قوم کا تو اس قدر حق تسلیم کر لیا جائے کہ وہ ہندوستان سے علیحدہ ہو کر اپنی حکومت بنالیں، لیکن ان چار کروڑ ہندوؤں اور سکھوں سے یہ پوچھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ لہٰذا اگر معقولیت کو راہ دی جائے گی تو یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا کہ جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہی علاقے پاکستان میں شامل کئے جائیں اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہو اسے اس علاقے سے الگ کر دیا جائے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ارباب مسلم لیگ ایک ایسا پاکستان بنانے پر مصر ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ ہندو شامل ہوں۔ پاکستان تو مسلمانوں کا بنے گا، اور مسلمانوں ہی کا قومی وطن (HOMELAND.) ہوگا پھر اس امر پر اصرار کیوں ہے کہ اس میں چار کروڑ ہندو اور سکھ بھی شامل ہوں۔

تقسیم کا دوسرا طریقہ

ہر کیف اگر یہ تقسیم، ہٹ دھرمی اور زبردستی سے نہیں بلکہ کسی معقولیت کی بنا پر ہوگی تو اس کا ایک ہی اصول ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ہندوستان کے جن مقامات پر مسلمانوں کی اکثریت ہو صرف وہی مقامات پاکستان میں شامل کر دیئے جائیں۔ اس سلسلہ میں بہتر صورت یہی ہوگی کہ ہم مختلف اضلاع کو لے کر ان کی آبادیوں کی چھان بین کریں، (کیونکہ ضلع کی تقسیم سے نیچے اتر کر تحصیل یا گاؤں کی حد تک جانا ناممکن ہوگا) اور جن اضلاع میں مسلمانوں کی ۵۱ فی صدی آبادی ہو اسے پاکستان میں شامل کر دیں اور جو اضلاع اس سے کم مسلم آبادی رکھتے ہوں، انھیں پاکستانی حدود سے خارج کر دیں۔ صرف اسی اصول اور طریق کار سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ ارباب مسلم لیگ کا اس امر پر اعتراض ہے کہ ضلع ضلع کی بنا پر تقسیم نہ ہو بلکہ صوبوں کی بنا پر ہو جیسا کہ اوپر تشریح کی گئی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ اپنے اس دعوے پر بھی قائم نہ رہے اور آسام جیسے غیر مسلم صوبے کو پاکستان میں شامل کر لیا جہاں ۶۶ فی صدی غیر مسلم آباد ہیں اور صرف ۳۳ فی صدی مسلمان آباد ہیں۔

ہر حال آئیے اب ہم ۵۱ فی صدی کی بنا پر مختلف صوبوں کی چھان بین کریں۔

ہندوستان کی مجموعی آبادی (۱۹۴۱ کی مردم شماری کے مطابق) ۳۸۸،۹۹۷،۹۵۵ (اڑتیس کرور ۸۹ لاکھ، ۹۷ ہزار ۹ سو ۵۵) ہے، اور مجموعی رقبہ ۱۵۸۱۴۱۰ (پندرہ لاکھ ۸۱ ہزار ۴ سو ۱۰) مربع میل ہے۔ مفصل نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

ذیل کے اعداد سے یہ معلوم ہوگا کہ مدراس، بمبئی، یو۔پی، بہار، سی۔پی، آسام، اڑیسہ، اجمیر مارواڑہ، اور دہلی وغیرہ ایسے صوبے ہیں جہاں ہندو غالب اکثریت میں ہیں، اور صوبۂ سرحد، سندھ، اور بلوچستان تین ایسے صوبے ہیں جہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے۔ اس لئے ان صوبوں کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ دونوں علاقے بے روک ٹوک ہندوستان اور پاکستان میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ بس سارا جھگڑا بنگال اور پنجاب کا آکر پڑتا ہے۔ جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادیاں تقریباً برابر برابر ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت دو چار ہی فی صدی زیادہ کی ہے۔ لہٰذا اب ہم ان دونوں صوبوں کی آبادیوں پر مفصل بحث کریں گے۔

ہندوستان کی مجموعی آبادی

مطابق مردم شماری ۱۹۴۱ء

نمبر شمار	صوبہ	رقبہ مربع میل	مجموعی آبادی	مسلمان فی صدی
	برطانی ہند کے صوبے			
۱	مدراس	۱۲۶،۱۶۶	۴۹،۳۴۱،۸۱۰	۷
۲	بمبئی	۷۶،۴۴۳	۲۰،۸۴۹،۸۴۰	۹
۳	بنگال	۷۷،۴۴۲	۶۰،۳۰۶،۵۲۵	۵۴
۴	صوبہ متحدہ	۱۰۶،۲۴۷	۵۵،۰۲۰،۶۱۷	۱۵
۵	پنجاب	۹۹،۰۸۹	۲۸،۴۱۸،۸۱۹	۵۷
۶	بہار	۶۹،۷۴۵	۳۶،۳۴۰،۱۵۱	۱۲
۷	صوبہ متوسط و برار	۹۸،۵۷۵	۱۶،۸۱۳،۵۸۴	۴
۸	آسام	۵۴،۹۵۱	۱۰،۲۰۴،۷۳۳	۳۳
۹	صوبہ سرحد	۱۴،۲۶۳	۳،۰۳۸،۰۶۷	۹۱
۱۰	اڑیسہ	۳۲،۱۹۸	۸،۷۲۸،۵۴۴	۱
۱۱	سندھ	۴۸،۱۳۶	۴،۵۳۵،۰۰۸	۷۰
۱۲	اجمیر مارواڑ	۲،۴۰۰	۵۸۳،۶۹۳	۱۵
۱۳	انڈمن کے جزیرے	۳،۱۴۳	۳۳،۷۶۸	۰۰
۱۴	بلوچستان	۵۴،۴۵۶	۵۰۱،۶۳۱	۸۷
۱۵	کورگ	۱،۵۹۳	۱۶۸،۷۲۶	
۱۶	دہلی	۵۷۴	۹۱۷،۹۳۹	۳۳
	میزان	۸۶۵،۴۴۶	۲۹۵،۸۰۸،۷۲۲	

ریاستیں اور ایجنسیاں:

نمبر شمار	صوبہ	رقبہ مربع میل	مجموعی آبادی
۱	آسام	۱۲،۴۰۸	۷۲۵،۶۵۵
۲	بلوچستان	۷۹،۵۴۶	۳۵۶،۲۰۴
۳	بڑودہ	۸،۲۳۶	۲،۸۵۵،۰۱۰
۴	بنگال	۹،۴۰۸	۲،۱۴۴،۸۲۹
۵	سنٹرل انڈیا ایجنسی	۵۲،۰۴۷	۷،۵۰۶،۴۲۷
۶	چھتیس گڈھ	۳۷،۶۸۷	۴،۰۵۰،۰۰۰
۷	کوچن	۱،۴۹۳	۱،۴۲۲،۸۷۵
۸	دکن اور کولہاپور	۱۰،۸۷۰	۲،۷۸۵،۴۲۸
۹	گجرات	۷،۳۵۲	۱،۴۵۸،۷۰۲
۱۰	گوالیار	۲۶،۰۰۸	۴،۰۰۶،۱۵۹
۱۱	حیدرآباد	۸۲،۳۱۳	۱۶،۳۳۸،۵۳۴
۱۲	کشمیر	۸۲،۲۵۸	۴،۰۲۱،۶۱۶
۱۳	مدراس	۱،۶۰۲	۴۹۸،۷۵۴
۱۴	میسور	۲۹،۴۵۸	۷،۳۲۹،۱۴۰
۱۵	صوبہ سرحد	۲۴،۹۸۶	۲،۳۷۷،۵۹۹
۱۶	اڑیسہ	۱۸،۱۵۱	۳،۰۲۳،۷۳۱
۱۷	پنجاب	۳۸،۱۴۶	۵،۵۰۳،۵۵۴
۱۸	پنجاب کی پہاڑیاں	۱۱،۳۷۵	۱،۰۹۰،۶۴۴
۱۹	راجپوتانہ	۱۳۲،۵۵۹	۱۳،۶۷۰،۲۰۸
۲۰	سکم	۲،۷۴۵	۱۲۱،۵۲۰
۲۱	ٹراونکور	۷،۶۶۲	۶،۰۷۰،۰۱۸
۲۲			۹۲۸،۴۷۰

پنجاب

صوبۂ پنجاب کے نقشے پر نظر ڈالتے ہی (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۱) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اسے دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ یعنی پچھمی اور پوربی۔ پچھمی حصّہ جو صوبۂ سرحد اور سندھ سے ملا ہوا ہے۔ اس میں غالب مسلم اکثریت ہے اور پوربی حصّہ جو یوپی اور دہلی سے ملا ہوا ہے اس میں غالب ہندو اور سکھ اکثریت ہے ذیل میں پنجاب کے اُن اضلاع کی فہرست دی جاتی ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

وہ اضلاع جہاں مسلمانوں کی آبادی ۵۰ فی صدی
سے زیادہ ہے

نمبر شمار	نام اضلاع	تناسب مسلم آبادی مردم شماری ۱۹۳۱ء		تناسب مسلم آبادی مردم شماری ۱۹۴۱ء	
۱	لاہور	۵۹	فی صدی	۶۰	فی صدی
۲	سیال کوٹ	۶۲	؍؍	۶۲	؍؍
۳	گوجرانوالہ	۷۰	؍؍	۷۰	؍؍
۴	شیخوپورہ	۸۴	؍؍	۸۵	؍؍
۵	گجرات	۶۳	؍؍	۶۳	؍؍
۶	شاہ پور	۸۲	؍؍	۸۳	؍؍
۷	جہلم	۸۹	؍؍	۸۹	؍؍
۸	راولپنڈی	۸۲	؍؍	۸۰	؍؍
۹	اٹک	۹۱	؍؍	۹۰	؍؍
۱۰	میانوالی	۸۷	؍؍	۸۶	؍؍
۱۱	منٹگمری	۶۹	؍؍	۶۹	؍؍
۱۲	لائل پور	۶۲	؍؍	۶۲	؍؍
۱۳	جھنگ	۸۳	؍؍	۸۲	؍؍
۱۴	مظفرگڑھ	۸۶	؍؍	۸۶	؍؍
۱۵	ڈیرہ غازی خاں	۸۶	؍؍	۸۸	؍؍
۱۶	بلوچ سرحدی	۹۹	؍؍	۹۹	؍؍
۱۷	ملتان	۸۰		۷۷	؍؍

مندرجۂ بالا ۱۷ اضلاع میں (پنجاب میں کل ۲۹ اضلاع ہیں) کسی جگہ مسلمان ۶۰ فیصدی سے کم نہیں اور اکثر اضلاع میں ۷۰ اور ۸۰

فی صدی تک ہیں۔ اس لئے یہ اضلاع اکثریت کی اصول کی بنا پر پاکستان میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔
لیکن پنجاب کے ۱۳ اضلاع ایسے ہیں جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

وہ اضلاع جہاں مسلمانوں کی آبادی
۵۰ فیصدی سے کم ہے

نمبر شمار	نام اضلاع	تناسب مسلم آبادی مردم شماری ۱۹۳۱ء	تناسب مسلم آبادی مردم شماری ۱۹۴۱ء
۱	حصار	۲۸ فیصدی	۲۸ فی صدی
۲	رہتک	۱۷ "	۱۷ "
۳	گوڑگاؤں	۳۲ "	۳۳ "
۴	کرنال	۳۰ "	۳۰ "
۵	انبالہ	۳۰ "	۳۱ "
۶	شملہ	۱۵ "	۱۸ "
۷	کانگڑہ	۵ "	۵ "
۸	ہوشیارپور	۳۲ "	۳۲ "
۹	جالندھر	۴۳ "	۴۵ "
۱۰	لدھیانہ	۳۵ "	۳۶ "
۱۱	فیروزپور	۴۴ "	۴۵ "
۱۲	امرتسر	۴۶ "	۴۶ "
۱۳	گورداس پور	۵۰ "	۵۰ "

مندرجہ بالا اضلاع میں مسلمانوں کی کھلم کھلا اقلیت ہے اور اس خطے کو کسی طرح پاکستان میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں صرف گورداسپور کا ضلع ایسا ہے، جہاں مسلمانوں کی آبادی ۵۰ فیصدی ہے۔ نقشہ میں گورداس پور کی مسلم آبادی غلطی سے ۱۰ فیصدی درج ہو گئی ہے) اور ۵۰ فیصدی ہندو اور سکھ ہیں۔ بہر حال اگر کسی طرح گورداس پور کو پاکستان میں شامل بھی کر لیا جائے تو بھی اس کے حصے بخرے کرنے پڑیں گے اور بقیہ گیارہ ضلعوں کو پاکستان سے نکالنا ہی پڑے گا۔ پنجاب کے بعض اضلاع پر سکھوں کا بھی دعویٰ ہے۔ کیونکہ ان اضلاع میں ان کے مقدس مقامات ہیں اور وہ اسے (HOLY LAND.) کہتے ہیں۔ ان اضلاع میں گورداسپور بھی ہے ؏

لہٰذا گورداسپور کے پاکستان میں الحاق سے یہ جھگڑا بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔
نقشے سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ یہ "غیر مسلم اکثریت کے اضلاع منتشر حالت میں نہیں بلکہ ایک متجانس طور پر ایک دوسرے سے ملحق ایک سرے

؏ پنجاب کے وہ چھ اضلاع جہاں سکھوں کی آبادی اچھی خاصی ہے

نمبر شمار	اضلاع	سکھ فی صدی	ہندو	مسلمان
۱	امرتسر	۱۴	۴۰	۳۶
۲	جالندھر	۲۶	۱۸	۴۵
۳	لدھیانہ	۳۱	۲۰	۳۰
۴	فیروزپور	۲۴	۲۰	۴۵
۵	گورداسپور	۱۹	۲۴	۵۰
۶	ہوشیارپور	۱۷	۴۰	۳۷

ے دو سرے سرے تک لگاتار چلے گئے ہیں اور مشرقی پنجاب کا الگ ایک ٹکڑا بناتے ہیں یو.پی اور دہلی میں ہندو اکثریت ہے ہی۔ لہٰذا
اگر فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اسی ٹکڑے کا جز رہے۔ مختصر یہ کہ اس علاقے کو آپ کسی معقولیت، کسی دلیل اور کسی بنیاد پر پاکستان
میں شامل نہیں کر سکتے۔ اور پنجاب کو دو ٹکڑے کرنا ہوگا۔

قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہی وہ علاقے ہیں جو صوبے کے عمدہ زرخیز علاقے شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے نکل جانے سے پاکستان
کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پاکستان کے حصے میں ڈیرہ غازی خاں، میاں والی، شاہ پور، اٹک وغیرہ کے بنجر پہاڑی اور ریگستانی علاقے
آئیں گے۔

مالی اعتبار سے بھی پنجاب کے دو ٹکڑے ہونے سے نقصان رہے گا۔ پنجاب کی دو عظیم الشان نہریں (۱) نہر جمن غربی اور (۲) نہر
سرہند، جو جمنا اور ستلج سے نکالی گئی ہیں۔ پنجاب کے اسی علاقے میں چھوٹ جائیں گی۔ علاوہ ازیں دریائے اہل 'UHL' پر جوگندر نگر
میں ہائیڈرو الیکٹرک سسٹم قائم کیا گیا ہے جس سے تقریباً سارے پنجاب کو سستی بجلی پہنچتی ہے، اور جس پر حکومت پنجاب کے کروروں روپے
صرف ہو چکے ہیں پاکستان سے باہر رہ جائے گا۔

سارے پنجاب کا رقبہ ۷۷ ہزار میل ہے اور مجموعی آبادی ۲ کرور ۸۴ لاکھ ہے، جن میں ۱ کرور ۶۲ لاکھ مسلمان ہیں، ۸۰ لاکھ ہندو، اور
۳۲ لاکھ سکھ ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا بارہ ضلعوں کی آبادی جس میں مسلمان اقلیت میں ہیں تقریباً ۱ کروڑ ہیں جن میں ۴۵ لاکھ ہندو، ۱۹ لاکھ
سکھ اور ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں، یعنی اگر سکھوں اور ہندوؤں کو ملا کر دیکھیں تو ۶۴ لاکھ کے مقابلے میں صرف ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ غرضیکہ پنجاب
کے ۳۰ لاکھ مسلمان کی بھی بھینٹ چڑھانی پڑے گی اور وہ پاکستان سے نکل کر ہندوستان میں چلے جائیں گے۔

بنگال

تقریباً یہی کیفیت بنگال کی بھی ہے اور بنگال میں بھی صورتِ حال وہی ہے کہ تقریباً نصف بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور نصف
ہندوؤں کی۔ ذیل میں ہندو مسلم اکثریت کے اضلاع کی فہرست دی جاتی ہے۔

وہ اضلاع جہاں مسلمان ۵۱ فیصدی سے اوپر ہیں	تناسب فیصد، مطابق مردم شماری ۱۹۴۱ء	وہ اضلاع جہاں مسلمان ۵۰ فیصدی سے کم ہیں	تناسب فیصد، مطابق مردم شماری ۱۹۴۱ء
۱- ندیا	۶۱	۱- بردوان	۱۸
۲- مرشدآباد	۵۵	۲- بیر بھوم	۲۶
۳- جیسور	۶۱	۳- بانکورہ	۴
۴- راجشاہی	۷۵	۴- مدناپور	۷
۵- رنگ پور	۷۰	۵- ہگلی	۱۶
۶- بوگرا	۸۲	۶- ہوڑہ	۲۱
۷- پبنہ	۷۶	۷- ۲۴ پرگنہ	۳۳
۸- مالدہ	۵۴	۸- کلکتہ	۲۶
۹- ڈھاکہ	۶۶	۹- کھلنا	۴۹
۱۰- میمن سنگھ	۷۶	۱۰- جلپائی گوڑی	۲۳
۱۱- فریدپور	۶۲	۱۱- دارجلنگ	۲
۱۱- باقرگنج	۷۱	۱۲- دیناجپور	۵۰
۱۳- ٹپرا	۷۵	۱۳- کلکتہ مضافات	۱۹
۱۴- نواکھالی	۷۸		
۱۵-	۷۳		

بنگال میں کل ۲۸ اضلاع ہیں، جن میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ۱۵ اضلاع میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ۱۳ اضلاع میں ہندوؤں کی۔
بنگال کی مجموعی آبادی ۶ کروڑ ۳ لاکھ ہے جن میں ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں، اور ڈھائی کروڑ ہندو۔ مندرجہ بالا ۱۳ اضلاع کی (جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں) مجموعی آبادی تقریباً ۲ کروڑ سے اوپر ہے، جس میں ایک کروڑ ۳۵ لاکھ ہندو اور صرف ۶۲ لاکھ مسلمان ہیں یعنی ہندو تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں سے دوگنے ہیں۔ یہ اضلاع بھی منتشر حالت میں نہیں بلکہ ایک متجانس شکل میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے چلے ہیں اور پورے بنگال کا ایک علیحدہ ٹکڑا بناتے ہیں، جو بہار اور اڑیسہ سے ملحق ہے (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۲)
صرف دو اضلاع یعنی جلپائی گوڑی، اور دارجلنگ ایسے ہیں جو ہندو اکثریت رکھتے ہوئے بھی اس پوربی ہندو بلاک سے الگ ہیں، اور بنگال کے شمال میں واقع ہیں۔ لیکن بہرحال ان سے بھی ہندوستان کا ایک مفید کام نکلتا ہے، یعنی یہ آسام اور بہار کے درمیان راستہ (CORRIDOR) بن سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۵)
غرضیکہ پنجاب دو ٹکڑے ہو اہی تھا، بنگال بھی آدھا ہی رہ گیا، اور بدنصیبی یہ ہے کہ بنگال کا بھی وہ حصہ ہے جو سارے بنگال کی جان ہے۔ جو معدنیات ہیں، جوٹ، سیمنٹ، لوہا، وغیرہ کے کارخانے ہیں اور سب سے بڑھ کر کلکتہ کی بندرگاہ اور شہر ہے جو پاکستان سے نکل جائے گا۔ اس علاقے کے ساتھ ساتھ ۶۲ لاکھ مسلمان بھی پاکستان سے نکل کر "ہندو" ہندوستان کا جزو بن جائیں گے۔

آسام

جہاں تک آسام کا تعلق ہے، یہ چیز قطعاً فہم سے بالاتر ہے کہ اسے کس دلیل اور معقولیت کی بنا پر پاکستان میں شامل رکھا جاتا ہے۔ ہماری سمجھ میں اس کا صرف ایک ہی سبب آتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر آسام کو نہ شامل کیا جائے تو پوربی پاکستان ہر طرف سے گھر جاتا ہے، پچھم میں ہندو اکثریت کے صوبے بہار اڑیسہ وغیرہ، پورب میں آسام، اُتر ہمالیہ، دکھن خلیج بنگال، غرضیکہ پوربی پاکستان ہر طرف سے گھر جاتا ہے۔ لیکن تقسیم اس نقطۂ نظر سے نہ ہوگی، پاکستان کو کن نئی باتوں سے سہولت پہنچتی ہے، اور کن باتوں سے نہیں۔ اور پاکستان کو سہولت بہم پہنچانے کے لئے کوئی خالص ہندو صوبے کو ہرگز پاکستان میں شامل نہ ہونے دے گا۔
آسام کی مجموعی آبادی ایک کروڑ ۲ لاکھ ہے جس میں ۴۲ لاکھ ہندو اور ۳۴ لاکھ مسلمان آباد ہیں اور بقیہ ۲۶ لاکھ دوسری قومیں اور قبائل ہیں یہ قدیمی قبائل بھی تقریباً ہندو ہی ہیں اور اس طرح ۶۸ لاکھ غیر مسلموں کے مقابلے میں صرف ۳۴ لاکھ مسلمان ہیں۔
ذیل میں آسام کے مختلف اضلاع اور ان میں مسلمانوں کا فی صد تناسب درج کیا جاتا ہے۔

وہ اضلاع جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے فی صد تناسب مطابق مردم شماری سنہ ۱۹۴۱ء	وہ اضلاع جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں فی صد تناسب مطابق مردم شماری سنہ ۱۹۴۱ء	
	۱۔ کاچار	ا
	۲۔ خاسی جینیا ہلز	ا
	۳۔ ناگا ہلز	ا
	۴۔ لوشی ہلز	ا


Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

مسلم اکثریت والی ریاستیں

	رقبہ مربع میل	آبادی	آمدنی
۱۔ کشمیر و جموں	۸۴،۴۷۱	۳،۹۴۵،۰۰۰	۴ کروڑ ۶۲ لاکھ
۲۔ بہاول پور	۲۲،۰۰۰	۱،۰۱۵،۰۰۰	۳½ کروڑ
۳۔ فرید کوٹ	۶۳۸	۱۶۴،۳۶۴	۱۸ لاکھ
۴۔ قلات	۵۴،۰۰۰	۳۱۸،۰۰۰	۱۵ لاکھ
۵۔ خیرپور	۶۵۰	۳۰۵،۷۸۷	۲۷ لاکھ
۶۔ لاس بیلا	۷،۰۰۰	۷۰،۰۰۰	
۷۔ کپورتھلہ	۶۵۲	۳۱۶،۷۵۷	۴۰ لاکھ
	۱۷۰،۱۱۱	۶،۶۲۰،۶۰۸	۹ کروڑ ۱۱ لاکھ روپے

(ہندو ریاستوں کا چارٹ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مندرجہ بالا اعداد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل ریاستی ہند کے ، لاکھ ۱۵ ہزار مربع میل رقبے میں سے، پاکستان کے حصے میں صرف ایک لاکھ ۷۰ ہزار مربع میل کا رقبہ آئے گا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ریاستی ہندوستان کا ¼ حصہ پاکستان کے اندر آگیا۔ چلو اتنا غنیمت ہے۔ لیکن ۹ کروڑ ۸۰ لاکھ ریاستی آبادی میں سے صرف ۶۶ لاکھ کی ریاستی آبادی پاکستان کے حصے میں آئی، اور ۹ کروڑ ۲۳ لاکھ آبادی ہندو علاقے میں چلی گئی۔ ذرا آگے چل کر اگر آمدنی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلم حلقے میں وہی ریاستیں آتی ہیں، جو بنجر اور پہاڑی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آمدنی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو مسلم ریاستوں کی مجموعی آمدنی صرف ۹ کروڑ ۱۱ لاکھ روپے ہوتی ہے اور ہندوستان کی ریاستوں کی آمدنی ۱۶ کروڑ ۹۶ لاکھ۔ یعنی اس طرح ریاستی ہند کی مجموعی آمدنی کا صرف ½ حصہ ہی پاکستان میں آتا ہے۔ یہ معاملہ کہیں تک نہیں رکتا۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ریاستی ہند کی جملہ مسلم آبادی ایک کروڑ ۲۶ لاکھ ہے اس بڑی تعداد میں صرف ۶۰ لاکھ مسلمان پاکستان میں آتے ہیں اور بقیہ ۶۶ لاکھ ریاستی مسلمان ہندو علاقوں میں چھوٹ جاتے۔ لیکن اس کے برعکس دیکھئے تو ۶ کروڑ ۴۱ لاکھ ریاستی ہندو باشندوں میں سے صرف ۰۸ ۹ لاکھ ریاستی ہندو پاکستان میں آتے ہیں، اور بقیہ ۶ کروڑ ۳۲ لاکھ ہندو ہندوستان میں رہتے ہیں۔

ہر حال ریاستوں میں تو پاکستان سراسر گھاٹے میں ہے۔ اتنا ہی نہیں۔ کئی ایسی ریاستیں جو اس وقت مسلمانوں کے پاس ہیں۔ جیسے حیدرآباد، بھوپال، رام پور، ٹونک، جوناگڈھ وغیرہ یہ سب کی سب ہندو ہندوستان کے تحت ہو جائیں گی۔

ہندو اکثریت کی ریاستیں

نمبر شمار		رقبہ	آبادی	آمدنی
١	الور	٣،١٥٨	٧٥٠،٠٠٠	٣٨ لاکھ
٢	برودا	٨،١٧٦	٢،٨٥٥،٠١٠	٢ کروڑ
٣	بنارس	٨٧٥	٤٥١،٤٢٨	٢٢ لاکھ
٤	بھاؤنگر	٢،٩٦١	٦١٨،٤٢٩	١ کروڑ ٥ لاکھ
٥	بھوپال	٦،٩٢٤	٧٨٤،٥٦٠	٨٠ لاکھ
٦	بھرت پور	٢،٠٠٠	٥٧٥،٦٢٥	٤١ لاکھ
٧	بھوٹان	١٢،٨٠٠	٣٠٠،٠٠٠	٤ کروڑ ٢٥ لاکھ
٨	بیکانیر	٢٣،٣١٧	١،٢٩٢،٩٣٨	٢ کروڑ ٥ لاکھ
٩	کوچین	١،٤٨٠	١،٤٢٨،٠٠٠	٢ کروڑ ١٧ لاکھ
١٠	کوچ بہار	١،٣١٨	٦٣٩،٨٩٨	٩٤ لاکھ
١١	کچھ	٨،٢٤٩	٥٠٠،٨٠٠	٤٨ لاکھ
١٢	دھار	١،٨٠٠	٢٣٣،٤٣٠	١٧ لاکھ
١٣	دھولپور	١،١٧٣	٢٥٤،٩٨٦	١٥ لاکھ
١٤	دھرن گدھرا	١،١٦٧	٩٤،٤١٧	٢٥ لاکھ
١٥	گونڈل	١،٠٢٤	٢٠٥،٨٤٦	٦٠ لاکھ
١٦	گوالیار	٢٦،٣٦٧	٣،٩٩٢،٠٠٠	٢ کروڑ ٦٢ لاکھ
١٧	حیدرآباد و برار	١٠٠،٤٦٥	١٦،١٩٤،٣١٣	١٦ کروڑ ٦٤ لاکھ
١٨	ایدار	١،٩١٠	٣٥٤،٣١١	٥٥ لاکھ
١٩	اندور	٩،٩٣٦	١،٥١٣،٩٦٦	١ کروڑ ٣٥ لاکھ
٢٠	جے پور	١٦،٦٨٢	٣،٠٤٠،٠٠٠	٢ کروڑ ٣٢ لاکھ
٢١	جودھپور	٣٦،٠٧١	٢،٥٥٥،٩٠٤	٢ کروڑ ٥ لاکھ
٢٢	جوناگڈھ	٣،٣٣٧	٥٤٥،١٥٠	٧٧ لاکھ
٢٣	کولھاپور	٣،٢٢٩	١،٠٩٢،٠٤٦	٨٠ لاکھ
٢٤	منی پور	٨،٦٣٨	٥١٢،٠٦٩	١٧ لاکھ
٢٥	میور بھنج	٤،٢٤٣	٩٩٠،٩٧٧	٣٤ لاکھ
٢٦	موروی	١،٠٧٢	١٤١،٨١٧	٦٠ لاکھ
٢٧	میسور	٢٩،٣٢٦	٧،٣٢٨،٨٩٦	٥ کروڑ ١٦ لاکھ
٢٨	نوانگر	٣،٧٩١	٥٠٤،٠٠٦	١ کروڑ
٢٩	پٹیالہ	٥،٩٣٢	١،٩٣٦،٢٥٩	١ کروڑ ٦٧ لاکھ
٣٠	پوربند	٦٤٢	١٤٦،٥٦٤	٢٦ لاکھ
٣١	رامپور	٨٩٣	٤٧٦،٩١٢	٨٠ لاکھ
٣٢	سکم	٢،٨١٨	١٢٢،٠٠٠	٥ لاکھ
٣٣	ٹونک	٢،٥٥٣	٣٥٧،٩٣٣	٢١ لاکھ
٣٤	تراونکور	٧،٦٦١	٦،٠٧٠،٠١٨	٥ کروڑ ٣٢ لاکھ
٣٥	تری پورا	٤،١١٦	٥١٣،٩٥٢	٥٠ لاکھ
٣٦	اودے پور	١٢،٧٥٣	١،٩٢٥،٠٠٠	٨٠ لاکھ
				میزان ٦١ کروڑ ٩٦ لاکھ

کشمیر

میں نے مندرجہ بالا فہرست میں ریاست جموں اور کشمیر سارا کا سارا پاکستان میں شامل رکھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ریاست کے دو حصے ہیں۔ کشمیر اور جموں۔ کشمیر کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن جموں میں ہندو اکثریت میں ہیں۔ ساری ریاست کی مجموعی آبادی ۴۰ لاکھ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۳۰ لاکھ ہے اور ہندوؤں کی تقریباً ۱۰ لاکھ، کشمیر میں مسلمان ۹۵ فی صدی ہیں اور ہندو ۵ فی صدی، لیکن جموں میں ہندو ۵۰، فیصدی اور مسلمان ۳۵ فیصدی ہیں۔ لہٰذا پوری جموں کے سارے علاقے یعنی اودھم پور، بھدرواہ کٹھوا، ریاسی اور جموں خاص کے اضلاع کو پاکستان سے خارج کرنا ہی پڑے گا، جہاں غالب ہندو اکثریت ہے۔ غرضیکہ پنجاب اور بنگال کے دو ٹکڑے ہو ہی چکے تھے اب کشمیر کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۴)

مسلم ریاستوں کے زمرے میں میں نے کپور تھلہ کو بھی شامل رکھا ہے۔ کیونکہ اس کی آبادی میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لیکن یہ ریاست ضلع جالندھر (پنجاب) میں واقع ہے جو اتفاق سے ہر چہار طرف سے ہندو اکثریت سے گھری ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ جالندھر تو پاکستان سے باہر ہو اور کپورتھلہ پاکستان کے اندر رہو۔

پاکستان کی وسعت

بہرحال پاکستان کی اس سے زیادہ وسعت ناممکن ہے۔ شمالی و مغربی پاکستان صوبۂ سرحد، سندھ، بلوچستان پنجاب کے ۱۷ اضلاع اور کشمیر (جموں کے ماسوا) کا بنے گا۔ اور جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے۔ وہ بنگال کے ۱۵ اضلاع اور آسام کا صرف ایک ضلع سلہٹ پر مشتمل ہوگا۔ علاوہ ازیں مسلم اکثریت کی چھ ریاستیں یعنی کشمیر، بہاول پور، فرید کوٹ، قلات، خیر پور، اور لاس بیلا بھی اس میں شامل ہوں گی۔ اللہ بس باقی ہوس

(ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۵)

غرضیکہ باہمی انضمام و تقسیم اور معقولیت کی بنا پر پاکستان کی وسعت اس سے زیادہ ممکن نہیں اور جو لوگ حقائق کو سامنے نہیں رکھتے اور ہوائی باتیں کر کے مسلمانوں کو سبز باغ دکھاتے ہیں وہ خواہ سارے ہندوستان ہی کو پاکستان میں شامل کر لیں، مگر پاکستان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اگر پاکستان بن بھی گیا تو وہ اس میں اس سے زیادہ علاقے شامل نہیں کئے جا سکتے ہاں اگر کوئی چنگیزی شان یا ہٹلرانہ انداز سے آئے"۔ پاکستان کیا دم کے دم میں ساری دنیا کا نقشہ پلٹ سکتا ہے۔

مسلم اقلیتیں

اب یہاں مندرجہ بالا اعداد و شمار کی روشنی میں یہ جائزہ لینا ہے کہ کتنے مسلمان پاکستان کے اندر آتے ہیں اور کتنے باہر رہ جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ہندو اکثریت کے صوبوں کو لیجیے ۵؎ تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہار، یوپی، مدراس، سی پی، بمبئی، اڑیسہ، آسام اور

۵؎ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

دہلی وغیرہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد (یعنی ۲ کرور ۳۳ لاکھ مسلمان) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندو ہندوستان میں چلی جاتی ہے۔ اگر اس تعداد میں ۶۶ لاکھ ریاستی مسلمانوں کو ۶۲ لاکھ بنگال کے خارج شدہ علاقے کے مسلمانوں کو، اور ۳۰ لاکھ پنجاب کے خارج شدہ علاقہ کے مسلمانوں کو بھی شامل کرلیں تو غیر پاکستانی مسلمانوں کی تعداد چار کرور سے اوپر ہوجاتی ہے۔ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی (مطابق مردم شماری ۱۹۴۱ء) ۹ کرور ۲ لاکھ ہے۔ جس کے صاف صاف معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس مسلم فرقوں کو مسٹر جناح دس کرور کی ایک مستقل قوم بتلاتے ہیں، وہ قوم دو ٹکڑے ہوجائے گی، اور پانچ کرور مسلمان پاکستان میں ہوں گے اور چار کرور مسلمان ہندو ہندوستان کی نذر ہوجائیں گے۔

غرضیکہ مجموعی طور پر نظر ڈالی جائے تو سارے ہندوستان کے ۱۶ لاکھ مربع میل میں سے تقریباً ۴ لاکھ مربع میل کا رقبہ پاکستان میں آتا ہے۔ جس کی مجموعی آبادی ۶ کرور ۵۰ لاکھ ہوتی ہے، جس میں ۵ کرور مسلمان، ایک کرور ۳۳ لاکھ ہندو اور ۱۷ لاکھ سکھ ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف ہندوستان کا رقبہ ۱۲ لاکھ مربع میل ہوگا اور اُس کی آبادی ۳۰ کرور ۳۹ لاکھ ہوگی۔ جن میں ۲۲ کرور ۳۹ لاکھ ہندو، ۴ کرور مسلمان اور تقریباً ایک کرور دوسری قومیں ہوں گی۔ ہندو ہندوستان، ۳۰ کرور آبادی کا ایک عظیم الشان ملک ہوگا، جو راس کماری سے لیکر ہمالیہ تک اور سنی پور (آسام) سے لیکر امرتسر تک پھیلا ہوگا، اور اُس کے قبضۂ قدرت میں ملک کے بہترین علاقے اور بہترین وسائل ہوں گے۔ لیکن اس کے برخلاف پاکستان کل ۶ کرور آبادی کا خطہ ہوگا۔ جس کے قبضہ میں تمام بنجر رتیلے اور پہاڑی علاقے ہوں گے اور ہندوستان کے دو کونوں پر بٹا ہوا ہوگا اور ہمیشہ کمزور و ناتواں ہوگا۔ اور اپنے پڑوسیوں کا محتاج ہوگا۔

یہاں لامحالہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پاکستان نے آخر کون سا مسئلہ حل کیا۔ اقلیتوں کا مسئلہ جوں کا توں رہ جاتا ہے۔ ہندوستان کے کسی علاقے سے نہ ایک قوم کم ہوئی نہ ایک زبان کم ہوئی، ہر علاقے اور ہر صوبے میں جوں کا توں سلمان رہ ہی جاتے ہیں۔ گائے، باجے، اور ہندی اردو کے تمام جھگڑے بدستور موجود رہتے ہیں۔ غرضیکہ وہ تمام صورتحال جو اس وقت ہے وہ جب بھی بدستور قائم رہتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جو مسلمان آج مشترکہ مرکزی

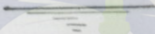
حاشیہ صفحہ ۱۲ ع۵ وہ صوبے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں

	ہندو		مسلمان	مسلمانوں کا فی صد تناسب
۱۔ مدراس	۴ کرور	۲۷ لاکھ	۳۸ لاکھ	۷
۲۔ بمبئی	۱ "	۶۵ "	۱۹ "	۹
۳۔ یوپی	۴ "	۵۸ "	۸۴ "	۱۵
۴۔ بہار	۲ "	۶۵ "	۴۷ "	۱۲
۵۔ سی پی و برار	۱ "	۲۹ "	۷ "	۴
۶۔ اڑیسہ		۶۸ "	۱ "	۱
۷۔ آسام		۴۲ "	۳۴ "	۳۳
۸۔ دہلی		۵ "	۳ "	۳۳
	۱۵ کرور	۶۲ لاکھ	۲ کرور ۳۳ لاکھ	

حکومت کے تحت نہیں رہ سکتے، انھیں ایک خالصتاً ہندو استعمار کے تحت کر دیا جاتا ہے۔ اور پاکستان بنتا ہے۔ انھیں صوبوں کا جہاں آج بھی مسلمانوں ہی کی حکومت ہے۔

برایں عقل و دانش بباید گریست

صوبۂ سرحد کے ۳۰ لاکھ، سندھ کے ۳۲ لاکھ اور بلوچستان کے چار پانچ لاکھ مسلمانوں کا تو پاکستان بنایا جاتا ہے، لیکن یوپی کے ۹۰ لاکھ، بہار کے ۴۰ لاکھ، بمبئی کے ۱۹ لاکھ، اور مدراس کے ۳۰ لاکھ مسلمانوں کو دائمی طور پر انھیں ظالم ہندوؤں کے تحت چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جن کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر مسلم لیگ نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کی۔ اور وہ بھی کون سے مسلمان!۔ جن کے دم سے آج اسلامی تہذیب روشن ہے، جن کے دم سے زبان اردو قائم ہے، اور جو ذہنی اور تعلیمی اعتبار سے مسلم قوم کے جوہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔



عورت

عورت۔ کیا ہے؟

عورت۔ رونق کاشانہ ہے یا شمع محفل؟

عورت۔ کے لئے اصلی میدان کون سا ہے؟

عورت۔ کے حسن و جمال کی تمام رعنائیاں کس لئے ہیں؟

عورت۔ کو مردوں سے پردہ کرنا چاہئے؟

عورت۔ کے لئے پردہ قید کی علامت ہے یا آزادی کی ضمانت؟

عورت۔ اور مرد جسمانی طاقت میں مساوی ہیں؟

عورت۔ قدرتی طور پر بیرونی کاموں میں دخل دے سکتی ہے؟

عورت۔ کا نازک و حسین ہاتھ جن بڑے بڑے تمدنوں میں کارفرما رہا اُن کا کیا حشر ہوا؟

عورت۔ عملی جدوجہد میں مردوں کا ساتھ کامیابی سے دے سکتی ہے؟

عورت۔ جو بے دھڑک مردوں میں مل جل رہتی ہے۔ اس پر شہوت انگیز ذرائع کا اثر پڑے گا؟

یہ سوالات موجودہ دور کی زندگی میں نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے موضوع پر ایک کتاب "مسلمان عورت" کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی مساعی کا اولین ثمرہ ہے۔ اس کتاب میں ہر ممکن پہلو سے موضوع بحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت دو روپیہ چار آنے (عہ۲)

نماز باتصویر بچوں اور بچیوں کے لئے یہ "نماز مترجم باتصویر" بہترین تحفہ ہے۔ اس میں نماز کی ادائیگی کے ارکان تصویروں میں بتلائے گئے ہیں۔ قیمت آٹھ آنے (۸)

ادبستان۔ بیرون موچی دروازہ۔ لاہور

ایک دوست سے اتفاقیہ ملاقات

پہلا۔ (غور سے دیکھتے ہوئے) "معاف کیجئے گا میں نے پہچانا نہیں!"

دوسرا۔ "اجی! میں ہوں "رام داس"۔"

پہلا۔ "ایں! تم تو بہت دبلے، کمزور اور بے رونق تھے۔ خدا کے لئے بتاؤ یہ قابل رشک تندرستی کیسے حاصل ہوئی کہ پہچانے نہیں جاتے؟"

دوسرا۔ (قہقہہ مارتے ہوئے) محض "شودھی ہوئی" "چھوٹی ہڑیں" کھانے سے اور کچھ نہیں۔

پہلا۔ (للچا کر) "تو کیا مجھے بھی فائدہ کریں گی؟ بواسیر ہے۔ بادی بواسیر"

دوسرا۔ ہاں جی! ایک بواسیر کیا وہ تو درد معدہ، ضعف معدہ، قبض دائمی۔ قولنج۔ بادگولہ۔ جھال کرم شکم، تبخیر اور اس نوع کی صدہا بیماریوں کی ایک خوش ذائقہ اور اکسیر دوا ہے۔ بالکل اکسیر

پہلا۔ اچھا بھئی! ہڑوں کے شودھنے کا نسخہ بتاؤ۔ میں بہت ممنون ہونگا

دوسرا۔ نسخہ کیا وہ تو بنی بنائی ۱۸۸۸ء سے صرف ۱۲ آنے سیر بکتی ہیں فروخت ہوتی ہیں۔ دس تک محصول ڈاک چودہ آنے دیتے ہیں۔

پہلا۔ واقعی! تو بتا دو پتہ (نوٹ بک نکال کر) ایسی بے مثال دوا اور اتنی سستی کہاں ملے گی۔

دوسرا۔ "لکھو"



اور ہاں! آج کل نقلی دواؤں کے بنانے والے بہت پیدا ہو گئے ہیں اسلئے خریدتے وقت حکیم رام کشن لال کی تصویر ڈبیہ پر ضرور دیکھ لینا ان کے یہاں کی ادویات میں کسی ایسی چیز کی آمیزش نہیں ہوتی جو کسی مذہب کے خلاف ہو۔ اور اس کے علاوہ تمام دوسری قسم کی دوا بھی ان کے یہاں سے مل سکتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو ایک کارڈ بھیج کر فہرست ادویات "مفت منگا لینا۔"

پہلا۔ "اچھا بھئی آداب عرض۔ اس مہربانی کا کہ آپ نے جو پتہ بتا دیا۔ آج ہی خط لکھ کر فہرست اور شودھی ہوئی چھوٹی ہڑیں منگاتا ہوں۔"

تازہ ترین فہرست

یہ کتابیں آپ کے خیالات اور اخلاق کو بلند کرنے کی ضامن ہوں گی

آج مسلمان جس دور سے گذر رہے ہیں۔ وہ انتہائی نازک اور خطرناک دور ہے۔ الحاد و کفر کی نئی روشنی اور نئے نظام نے ان کے اخلاق، خیالات اور اعمال پر بہت بری طرح اثر کیا ہے۔ اگر آپ اس انقلابی دور میں صحیح سالم گزرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اپنی اور اپنی اولاد کو صحیح تعلیمات سے بہرہ ور بنانا چاہتے ہیں۔ تو مندرجہ ذیل کتب کا ضرور مطالعہ کریں۔ آپ کے اخلاق اور خیالات کو بلند سے بلند تر بنانے کی ضامن ہیں۔ پہلی فرصت میں ان کا مطالعہ فرمائیے۔

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط ایڈیٹر زمزم کی تازہ تصنیف

رہنمائے عقل

عقل و فہم کا دیانتداری سے استعمال کرنا سب سے بڑی انسانیت اور انسان کا سب سے بڑا وصف ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ انسان نے اپنی عقل کے ساتھ ہمیشہ بددیانتی کی۔ اور اسے صحیح طور پر استعمال کرنے کی اس نے کبھی کوشش نہیں کی۔ دعویٰ تو یہ ہے کہ انسان ذی فہم ہے۔ اور وہ ہر کام کو عقل ہی کی روشنی میں انجام دیتا ہے۔ لیکن عملی زندگی یہ ہے کہ وہ عقل کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہے۔ خواہشات و جذبات سے کسی وقت بھی چھٹکارا نہیں ملتا ہے۔ کتاب رہنمائے عقل اس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے کہ ہندوستان کے پڑھے لکھے لوگ اپنے آپ کو سمجھیں۔ اپنی سمجھ بوجھ کا صحیح طور پر استعمال کریں اور اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اپنی عقل اور روحانی زندگی کو اپنے لئے اپنے مذہب کے لئے اپنی قوم، ملک کے لئے اپنے دوست و احباب کے لئے مفید بنائیں۔ قیمت صرف دو روپیہ علاوہ محصولڈاک۔

کلید خود شناسی

حضرت مولانا فارقلیط صاحب کی دوسری بلند پایہ تصنیف کی غرض اس کے نام سے ظاہر ہے۔ یعنی

اپنے آپ کو پہچانو

اپنے آپ سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنے نفس کے مطالعہ سے نہ شرماؤ۔ اور اپنے خیالات اور کردار کے محرکات کو معلوم کرکے زندگی کے اطوار پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ہم اطمینان اور مسرت سے کیوں محروم رہیں۔ انسانی کردار میں اختلاف کیوں ہے؟ اصل خود غرضی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور شخصی اختلافات کی وجہ کیا ہے؟

قیمت صرف دو روپے علاوہ محصولڈاک۔

مذہبی و سیاسی کتب

- مولانا عبیداللہ سندھی حالات، تعلیمات، سیاسی افکار
- شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ
- شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک
- خطبات مولانا عبیداللہ سندھی
- قرآنی دستور انقلاب
- امام ربانی مجدد الف ثانی (سوانح حیات)
- امام ابن تیمیہ کا نظریہ توحید
- مولانا شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں
- مضامین مولانا ابوالکلام آزاد مکمل
- مضامین البلاغ
- مسلمان عورت مولانا ابوالکلام آزاد
- ابوالکلام آزاد
- حکایات ابوالکلام
- چند تحفیں
- انسانیت موت کے دروازے پر
- خطبات آزاد
- خطبات مولانا ابوالکلام آزاد
- مضامین ابوالکلام آزاد
- الصدیق سوانح حضرت ابوبکر صدیق
- مضامین جمال الدین افغانی
- افادات شاہ ولی اللہ
- اٹھارہ مہینے ہندوستان میں پنڈت جواہر لال نہرو
- شاہ اسمٰعیل شہید
- تاریخ سلطنت خداداد
- مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش مکمل سیٹ
- تجدید احیائے دین
- پردہ
- تنقیحات
- خطبات
- اسلام کے سیاسی تصورات
- فیصلہ ہندوستان
- ہمارے ہندوستانی مسلمان
- مقالات آزاد
- مقالات مولانا اسلم جیراجپوری
- مضامین آزاد
- اسلام کا اقتصادی نظام
- مسلمانوں کا عروج و زوال
- اسلام کا نظام حکومت
- اسلام میں غلامی کی حقیقت
- مسلمانوں کا ماضی، حال، مستقبل
- تقویۃ الایمان شاہ اسمٰعیل شہید
- اسلامی نظام حکومت
- اسلامی تہذیب کیا ہے؟
- مقالات محمد علی
- نگارشات محمد علی
- جنرل کورٹ / رو ڈ کورٹ — مسلمانوں کی ملی، دلی و سیاسی تاریخ / ار کرام آئی۔ سی۔ ایس
- اسلام کے معمار مرتبہ احمد خان بنگش
- دنیائے اسلام کا ماضی و مستقبل
- حیات مفتی محمد عبدہ

ملنے کا پتہ :- **زمزم بک ایجنسی موہن لال روڈ ۔ لاہور**

باب ۲

پاکستان میں صنعت و حرفت کی ترقی کے امکانات

مطالبۂ پاکستان کی سب سے بڑی کمزوری اس کی مالی بدحالی ہے' عجیب خدا کی قدرت ہے کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کی حقیقی کثرت ہے' یعنی صوبۂ سرحد اور سندھ۔ یہی صوبے اقتصادی اعتبار سے دیوالیہ ہیں' اور اپنی صوبائی حکومت کا خرچ بھی نہیں برداشت کر سکتے۔ انھیں اپنا کاروبار حکومت چلانے کے لئے مرکزی حکومت کا دست نگر رہنا پڑتا ہے۔ صوبۂ سرحد کو اصلاحات دئے جانے اور سندھ کی علٰحدگی کے خلاف تمام تر یہی دلیل تھی کہ یہ دونوں صوبے اپنی آپ کفالت نہیں کر سکتے' اور ان کی خودمختاری کا مطالبہ اسی بنا پر منظور نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال انھیں اصلاحات تو ملنی چاہیے تھیں' اور ملیں' اور سندھ اور صوبۂ سرحد گورنر کے صوبے قرار دے دئے گئے لیکن اس وقت تک سندھ کو مرکزی حکومت سے ایک کروڑ پانچ لاکھ' اور صوبۂ سرحد کو ایک کروڑ سالانہ کی رقم مل رہی ہے۔ گویا ان صوبوں کی خودمختاری کی قیمت حکومتِ ہند ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

اقتصادی لحاظ سے بلوچستان کی جو پوزیشن ہے' وہ تو سبھوں کو معلوم ہے' بس لے دیکر ایک صوبۂ پنجاب ہی رہ جاتا ہے' جس کی آمدنی تقریباً گیارہ کروڑ سالانہ کی ہے۔ لیکن یہ رقم پنجاب جیسے بڑے صوبے کے اخراجات ہی کی شکل سے کفالت کرتی ہے۔ کسی صوبے کی مالی حالت کا اندازہ اس امر ہی سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تعلیم اور دوسرے ترقی و فلاح کے صیغوں پر کتنی رقم صرف کرتا ہے۔

بہرحال یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان صوبوں کی ہندوستان سے علٰحدگی کے بعد صوبۂ سرحد اور سندھ کے اخراجات کون پورا کرے گا ظاہر ہے کہ پنجاب خود اپنی کفالت کرنے کے علاوہ کسی پڑوسی صوبے کی مدد نہیں کر سکتا۔

اگر ترمیمی صوبوں (پنجاب' سرحد' بلوچستان اور سندھ) کی مجموعی آمدنی کا تخمینہ کیا جائے تو وہ کسی طرح ۱۷۔۱۸ کروڑ سالانہ سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ رقم ان صوبوں کی حکومت چلانے ہی کے لئے کافی نہیں تو ہندوستان سے علٰحدگی کے بعد' پاکستان کی مرکزی حکومت کو چلانے کے لئے اس کے پاس اخراجات کہاں سے آئیں گے؟

پاکستان میں صنعت و حرفت

موجودہ مہذب دنیا میں حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ صنعت و حرفت ہے۔ ملک صنعت و حرفت میں جس قدر آگے ہوگا اسی قدر زیادہ

وہ طاقتور ہوگا۔ آج دنیا میں ہر قوم کی جگہ اُس کی صنعتی ترقی کے تناسب ہی سے مقرر کی جاتی ہے۔ جو ملک صنعتی نہیں اور صرف زراعتی ہیں ان کی تو اس وقت کوئی قدر و منزلت ہے، اور نہ ان کا کوئی مستقبل ہے۔ موجودہ دنیا میں زراعتی ملکوں کا صرف یہ مصرف رہ گیا ہے کہ وہ صنعتی ممالک کی نوآبادیاں بن کر رہیں، اور انھیں خام پیداوار کی رسد پہنچایا کریں۔

بہرحال ہمیں یہاں یہ دیکھنا ہے کہ ہندوستان سے علٰحدگی کے بعد پاکستان میں صنعتی ترقی کے کیا امکانات ہیں۔ کسی ملک کو صنعتی بنانے کے لئے پانچ چیزیں بہت ضروری ہیں۔

(۱) خام اشیاء (۲) سرمایہ (۳) مشنری اور دوسرے آلاتِ پیداوار (۴) کاریگری (TECHNICAL SKILL) اور (۵) بازار۔ آگے ہم انہی پانچ اُمور پر سلسلے سے بحث کریں گے۔

خام اشیاء انڈسٹری کے لئے بعض معدنیات، جیسے کوئلہ، لوہا، ابرک، مینگنیز، باکسائٹ (جس سے شیشہ وغیرہ بنایا جاتا ہے) المونیم فلڈسپر (ایک قسم کی سفید قلمی دھات) پٹرولیم، ربڑ وغیرہ نہایت ضروری ہیں۔

لیکن جب ہم ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ قدرت نے اس ملک کی تخلیق کے وقت اس بات کا خیال نہ رکھا کہ اسے دو یا دو سے زیادہ حصوں میں تقسیم ہونا ہے لہٰذا قدرت کے یہ انعامات تمام حصوں میں برابر نہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دو چیزیں نہایت بین نظر آتی ہیں (۱) دریائے انڈس اور گنگا کی وادیاں جو ایک میدان کی شکل میں پھیلتی چلی گئی ہے، اور (۲) جنوبی ہند کی سطح مرتفع جزیرہ نمائے ہند (یعنی جنوبی ہند) معدنیات کے اعتبار سے مالامال ہے، اور وہ تمام معدنیات اس میں کثیر مقدار میں پائی جاتی ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن شمال کا میدانی حصہ زراعت کے لئے نہایت موزوں ہے۔ یہ وسیع میدان دریاؤں اور نہروں سے سیراب ہوتا ہے، اور نہ تو اب اس قابل ہے اور نہ آئندہ وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ معدنیات پیدا کرے۔

کوئلہ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جہاں دریائی راستے موجود نہیں ہیں، اور بار برداری کے لئے صرف ریلوے کو استعمال کرنا پڑتا ہے، کوئلے کا استعمال نقل و حرکت کے لئے ناگزیر بن جاتا ہے۔ پھر ملک کے تمام بڑے بڑے کل کارخانے، اپنی مشینیں چلانے کیلئے قوت کے اس ذریعہ یعنی کوئلے کو استعمال میں لاتے ہیں۔ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر پانی سے نکلنے والی بجلی پیدا کرنے کا انتظام ابھی تک نہیں کیا گیا ہے، اس لئے تمام لوگ کوئلے ہی کی قوت کو استعمال میں لاتے ہیں۔ بلکہ بجلی گھر بھی کوئلہ ہی سے چلتا ہے، اور کوئلہ نہ ہو تو بجلی بھی نہ چلے۔ پچھلی جنگ میں ہندوستان کے لوگوں کو یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ کوئلہ کس قدر اہم چیز ہے۔

ہندوستان میں کوئلہ کی پیداوار (۲۸،۳۴۳) ٹن سالانہ ہے[1]۔ اس مقدار کا ۸۹ فی صدی حصہ صرف بہار، یعنی جھریا، رانی گنج، گریڈیہ وغیرہ کی

[1] ہندوستان کی معدنیات اور اُن کی پیداوار (یہ اعداد ۱۹۳۶ء کے ہیں۔ اس کے بعد کے نہیں ملتے)

معدنیات	مقدار (سالانہ)		معدنیات	مقدار (سالانہ)		معدنیات	مقدار (سالانہ)	
۱۔ کوئلہ	۲۸،۳۴۳،۰۰۰	ٹن	۴۔ پٹرول	۸۰،۷۸۲،۰۰۰	گیلن	۷۔ کرومائٹ	۴۴،۰۰۰	ٹن
۲۔ کچا لوہا	۲،۶۴۷،۰۰۰	"	۵۔ ابرک	۱۳۳،۰۰۰	(ہنڈرڈ ویٹ)	۸۔ سونا	۳۲۱،۰۰۰	اونس
۳۔ مینگنیز	۹۶۸،۰۰۰	"	۶۔ تانبا	۲۸۹،۰۰۰	ٹن	۹۔ چاندی	۳۲،۰۰۰	"

کانوں سے نکلتا ہے۔ ۸ فیصدی کوئلہ (ریاست حیدرآباد) کی سنگرینی نامی کان سے نکلتا ہے اور ۳ فیصدی صوبۂ متوسط کی کانوں سے۔ ان تمام مقامات کا کوئلہ اچھی قسم کا ہوتا ہے اور اس کا کچھ حصہ ایسا بھی ہوتا ہے جو گیس وغیرہ بنانے کے کام آسکتا ہے۔

بقیہ ۱½ فیصدی (ڈیڑھ فی صدی) کوئلہ پاکستانی علاقوں یعنی پنجاب (میانوالی) بلوچستان' آسام وغیرہ سے نکلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تھوڑی مقدار سے کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ کوئلہ نہایت گھٹیا قسم کا ہے' جس میں گندھک زیادہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ کوئلہ مشینوں اور انجنوں کی بھٹی کیلئے قطعاً موزوں نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ریل یا کارخانے نہیں چلائے جا سکتے۔

ہندوستان میں کئی بار کوئلہ کی کمی کے متعلق آوازیں بلند ہو چکی ہیں لیکن ابھی سطح مرتفع (جنوب ہند) کے نیچے کتنا انبوہ کوئلہ دبا پڑا ہے یہ کسی کو اندازہ نہیں۔ پھر بھی شمالی ہند کے کسی مقام پر مستقبل میں اچھا کوئلہ نکل آنے کا امکان بہت ہی کم ہے۔

لوہا لوہے کی پیداوار میں شاید ہندوستان ساری دنیا کے ملکوں سے بازی لیجائے' لیکن جب ہندوستان تقسیم ہونے لگے گا تو یہ سارے کا سارا لوہا ہندوستان میں چلا جائے گا۔ ہندوستان میں اوسطاً ۲۰ لاکھ ٹن سے لیکر ۲۵ لاکھ ٹن تک سالانہ لوہا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ ساری کی ساری مقدار مانبھوم' سنگھ بھوم' مایور بھنج وغیرہ مقامات میں پیدا ہوتی ہے' جو صوبۂ بہار' متوسط' اور ریاست حیدرآباد میں واقع ہیں۔ اور پنجاب' سندھ' صوبۂ سرحد کے کسی مقام سے لوہا نکلنے کی کوئی امید نہیں۔ ہاں بنگال میں بہت تھوڑی مقدار میں لوہا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اول تو وہ بہت معمولی قسم کا ہوتا ہے۔ اور دوسرے کوئلہ نہ ہونے کے سبب سے گلایا نہیں جا سکتا۔ لوہے کے لئے ضروری ہے کہ کوئلے کی کانیں بھی اس کے آس پاس ہوں تاکہ اسے گلایا اور صاف کیا جا سکے۔ ورنہ کوئلہ کسی دوسری جگہ سے لانے سے باربرداری کے اخراجات ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں۔

ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل ورکس' برطانوی شہنشاہیت کے اندر سب سے بڑا لوہے کا کارخانہ ہے' اور دنیا کے لوہے کے کارخانوں میں اس کا دوسرا نمبر ہے۔

کوئلہ اور لوہا کی موجودہ دنیا میں کیا اہمیت ہے' اس کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ لکھنا نہیں کیونکہ ہر صاحب بصیرت شخص کو یہ معلوم ہے کہ دنیا کی موجودہ سیاسیات کم و بیش ان ہی دو اشیاء کے گرد گھومتی ہے۔ اور اسی کے لئے صنعتی ممالک میں بڑی بڑی جنگیں ہوا کرتی ہیں۔

مینگنیز (یہ دھات' فولاد کی تیاری' رنگ سازی اور ادویہ کی تیاری میں کام آتی ہے) کی پیداوار کے اعتبار سے دنیا میں روس کے بعد ہندوستان ہی کا نمبر ہے۔ یہ دھات اس قدر ضروری ہے کہ کوئلہ اور لوہا کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ بہر حال یہ جنس بھی پاکستانی صوبے کے کسی مقام پر نہیں پائی جاتی۔ اور اس کی ساری کی ساری پیداوار صوبۂ متوسط' مدراس اور بہار کی کانوں تک محدود ہے۔

باکسائٹ باکسائٹ (المونیم کی کچی دھات) جنوبی ہند' آسام' صوبۂ متوسط اور تھوڑی مقدار کشمیر میں پائی جاتی ہے۔ یہ دھات برقی آلات' اور طیاروں اور گھریلو استعمال کے برتن وغیرہ بنانے کے کام آتی ہے۔

ابرک اس جنگ میں ابرک کو جو اہمیت حاصل ہو گئی ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے ڈھلے ہوئے تختے' پائپ اور نلکیاں بہت کارآمد ہوتی ہے۔ طیارے کے لئے تو یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ ابرک کے بغیر اس کا بنانا ہی دشوار ہے' کیونکہ جو چیزیں ابرک سے تیار کی جاتی ہیں' وہ کسی دوسری دھات سے تیار نہیں کی جا سکتیں۔

جہاں تک ابرک کی پیداوار کا تعلق ہے' یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہار میں چھوٹا ناگپور کے علاقے کو ساری دنیا کی ابرک کی پیداوار کی اجارہ داری حاصل ہے۔ بہرحال یہ دھات زیادہ تر ہزاری باغ (بہار)' نیلور (مدراس)' گیا اور اجمیر میں پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی پاکستانی اتنا بلندی نگرے کام لیتے ہوئے

بھی ان علاقوں کو پاکستان میں شامل نہیں کر سکتا۔

پٹرول پٹرول کی موجودہ متمدن دنیا میں جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بعض ملکوں کی غلامی کی بنیاد یہی ہے کہ ان بیچاروں کے ملک میں پٹرول پیدا ہوتا ہے۔ رومانیہ کے لئے روس اور جرمنی کی کشمکش برما کے لئے جاپانیوں اور انگریزوں کی جنگ اور آج عراق اور ایران پر سیاسی اقتدار کے لئے دولِ عالم کی باہمی نزاع اسی پٹرول کے چشموں کی بنا پر ہے۔ لیکن اس جنس کی پاکستان میں آتی قلیل پیداوار ہے کہ اسے نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ متمدن دنیا میں جو اہمیت ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بعض ملکوں کی غلامی کی بنیاد یہی ہے
روں کے ملک میں پٹرول پیدا ہوتا ہے۔ رومانیہ کے لئے روس اور جرمنی کی کشمکش برما کے لئے جاپانیوں اور انگریزوں کی جنگ اور
سی اقتدار کے لئے دولِ عالم کی باہمی نزاع اسی پٹرول کے چشموں کی بنا پر ہے۔ لیکن اس جنس کی پاکستان میں آتی قلیل پیداوار ہے
ہے۔

پٹرول کی | **پٹرول** | کہ ان بیچ

آج عراق اور ایران پر سی

کہ اسے نظرانداز کیا جا سکتا

بعض دوسری پیداو

جن سے غیر اشتعال پذیر تخ

پائی جاتی ہیں۔ کھریا مٹی، د

دونوں ہی مقامات پر پائی جا

گندھک سے تیزاب، کیمی

غرضکہ ان اہم معدنیا

کرنا انسان کے قبضہ و قدرت

ذیل میں اس سلسلے

بھی ہیں، لیکن ان کی اہمیت بہت کم ہے، کیونکہ ان کا کوئی نہ کوئی بدل مل سکتا ہے، مثلاً سنگ آسوس (ایک قسم کی ریشہ دار معدنی چیز
وغیرہ بنایا جاتا ہے) اور علاوہ اس کے، کرومیم، تانبا، گندھک، چینی مٹی وغیرہ۔ یہ چیزیں کثیر مقدار میں جزیرہ نما والے حصے میں
کرام رگڑنے والی دھاتیں، گرائمٹ، گندھک، چینی مٹی، اور سنگِ مُردہ وغیرہ ایسی دھاتیں ہیں، جو ہندوستان اور پاکستان
تی ہیں۔ گندھک (بلوچستان میں پیدا ہوتی ہے) ہی ایک ایسی دھات بچ جاتی ہے، جو پاکستان میں ہوگی اور ہندوستان میں نہ ہوگی۔
مار ادویہ اور رنگ صاف کرنے والے سفوف وغیرہ بناتے ہیں۔
ت کا بغیر کسی ملک میں انڈسٹری کا ترقی کرنا بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، اور یہ پاکستان کی ایسی بنیادی اور قدرتی کمزوری ہے جسے دور
سے بھی باہر ہے۔
ں چند اعداد و شمار دئے جاتے ہیں

پاکستان میں معدنیات کی کمی

سنہ ۱۹۳۶ء کے اعداد۔ سالانہ پیداوار

نمبر شمار	معدنیات	پاکستان میں	ہندوستان میں
۱	کوئلہ	۱ لاکھ ۵۷ ہزار ٹن	۲ کروڑ ۲۵ لاکھ ٹن
۲	لوہا		۲۵ لاکھ ٹن
۳	پٹرولیم	۴۲ لاکھ گیلن	۳۳ کروڑ ۴۸ لاکھ گیلن
۴	ابرک	.	۸۶ ہزار ہنڈرڈویٹ
۵	مینگنیز	.	۶ لاکھ ۲۴ ہزار ٹن
۶	[illegible]	.	۶۰ لاکھ ۴ ہزار آؤنس

ذیل کے اعداد و شمار سے معلوم ہوگا کہ ان ہی مجبوریوں کے سبب پاکستانی علاقوں میں انڈسٹری کی کیا حالت ہے۔

صنعت و حرفت میں پاکستان کی پسماندگی

(اعداد و شمار ۱۹۳۶ء کے دیئے گئے ہیں)

نمبر شمار	کارخانوں کی قسم	پاکستان میں	ہندوستان میں	کل
۱	کپڑے کی ملیں	۹	۳۳۱	۳۴۰
۲	جوٹ ,, ,,	۱	۱۰۲	۱۰۳
۳	چینی ,, ,,	۹	۲۳۸	۲۴۷
۴	سلک ,, ,,	۴	۳۹	۴۱
۵	اُون ,, ,,	۴	۶	۱۰
۶	ہوزری ,, ,,	۴۲	۶۹	۱۱۱

غیر پاکستانی صوبوں میں کارخانوں کی تعداد

(سنہ ۱۹۳۹ء کے اعداد و شمار)

نمبر شمار	صوبے	کارخانوں کی تعداد	مزدوروں کی تعداد
۱	مدراس	۱،۸۱۱	۱۹۷،۲۶۷
۲	بمبئی	۳،۱۲۰	۴۶۶،۰۴۰
۳	یو۔پی [1]	۵۴۶	۱۵۹،۷۳۸
۴	بہار [2]	۲۹۵	۹۰،۴۶۹
۵	سی۔پی	۷۶۷	۵۱،۱۸۷
۶	اڑیسہ	۷۲	۳۳،۳۰۲
۷	آسام	۷۳۴	۴۸،۵۱۵
میزان		۷،۳۴۵ (سات ہزار تین سو پینتالیس)	۱۰،۴۷،۵۱۶ (دس لاکھ سینتالیس ہزار پانچ سو سولہ)

[1] صوبۂ متحدہ میں ۸۳ چینی کے کارخانے ہیں، ۳ اُونی کپڑے کی ملیں ہیں اور ۲۵ سوتی کپڑے کی ملیں ہیں۔

[2] سنہ ۳۸-۱۹۳۷ء میں بہار میں ۳۱ چینی کے کارخانے تھے۔ سارے ہندوستان میں کل ۱۶۳ شوگر ملیں ہیں یعنی ہندوستان میں چینی کے جتنے کارخانے ہیں ان کا ۸۰ فی صدی کارخانے بہار اور یو۔پی میں ہیں۔

پاکستانی صوبوں میں کارخانوں کی تعداد

(۴۰-۱۹۳۹ء کے اعداد و شمار)

نمبر شمار	صوبے	کارخانوں کی تعداد	مزدوروں کی تعداد
۱	پنجاب	۷۹۸	۶۹,۴۷۳
۲	سندھ	۳۱۱	۲۶,۸۵۱
۳	صوبہ سرحد	۲۹	۱,۳۷۱
	میزان	۱,۱۳۸ (ایک ہزار ایک سو اڑتیس)	۹۸,۶۹۵ (اٹھانوے ہزار چھ سو پچانوے)

پوربی پاکستان، یعنی بنگال میں کارخانوں کی تعداد

(۴۰-۱۹۳۹ء کے اعداد و شمار)

نمبر شمار	صوبہ	کارخانوں کی تعداد	مزدوروں کی تعداد
	بنگال	۱,۷۲۵ ۱؎	۵۰۱,۵۳۹

ہندوستان میں سوتی کپڑے کی پیداوار، اور اُس میں صوبوں کا حصہ

غیر پاکستانی صوبے

	صوبہ	پیداوار	
۱۔	مدراس	۲,۴۸,۰۵,۰۰۰	پاؤنڈ
۲۔	بمبئی	۴۹,۴۶,۱۱,۰۰۰	"
۳۔	صوبہ متحدہ	۷,۰۰,۳۳,۰۰۰	"
۴۔	صوبہ متوسط	۲,۵۱,۶۳,۰۰۰	"
۵۔	اجمیر مارواڑ	۹۶,۵۱,۰۰۰	"
۶۔	دہلی	۲,۵۸,۰۹,۰۰۰	"
۷۔	بہار	۱۹,۵۸,۰۰۰	"
	میزان	۶۴,۹۳,۶۱,۰۰۰ (چونسٹھ کروڑ ترانوے لاکھ اکسٹھ ہزار پاؤنڈ)	

۱؎ ۳۹-۱۹۳۸ء میں بنگال میں ۷۶ جوٹ ملیں، ۱۵ سوتی کپڑے کی ملیں، اور ۳ کاغذ کی ملیں تھیں۔

پاکستانی صوبوں میں

(سوتی کپڑے کی پیداوار)

		پاؤنڈ
۱-	پنجاب	[illegible]
۲-	بنگال	[illegible]
۳-	سندھ	[illegible]
		۱۳۰۷۹۰۰۰۰ [illegible]

(یعنی کروڑ [illegible] لاکھ انہتر ہزار پاؤنڈ)

برطانیہ اور جاپان کی مثال

حامیٔ پاکستان اِن دلائل سے لاجواب ہو کر برطانیہ اور جاپان کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ پنجابی صاحب اپنی تصنیف[1] میں پاکستان میں صنعتی ترقی کے امکانات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اگر جاپان ایک لاکھ ۴۶ ہزار مربع میل کا رقبہ اور پاکستان کے مقابلے میں ½ حصّہ قابلِ زراعت اراضی رکھتے ہوئے، اور معدنیات کی عدم موجودگی کے باوجود ایک طاقتور صنعتی ملک کے درجے تک پہنچ سکتا ہے تو یقینی پاکستان ۴ لاکھ ۵۰ ہزار مربع میل وسعت اور وسیع اقتصادی ذرائع رکھتے ہوئے اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے، اور دُنیا کے بازار میں مقابلہ کر سکتا ہے۔" (صفحہ ۲۲۳)

یہاں ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ پاکستان کا مقابلہ جاپان یا برطانیہ سے نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر اُن کے پاس خود اپنے ملک میں معدنیات کی کمی ہے تو یہ کمی اپنی نوآبادیات سے پوری کر لیتے ہیں۔ برطانیہ کا قبضہ نہر سوئز سے لیکر سنگاپور تک ہے، اور اسی طرح جاپان چین کے منتشر حصّے اور بہت سے نہایت زرخیز چیزوں پر قابض ہے۔ یہ نوآبادیات برطانیہ اور جاپان کو کچّا مال بھی سپلائی کرتی ہیں، اور ان کا تیار شدہ مال خرید کر ان کا بہترین مارکیٹ بھی ہیں۔ پاکستان کے پاس کون سی نوآبادیات ہیں جہاں سے وہ کچّا مال لیگا، اور پھر اپنی مصنوعات کو اِن نوآبادیات کے ہاتھ فروخت کرے گا۔

آج دنیا کی یہ ہولناک اور تباہ کن جنگیں، اِن ہی دو چیزوں، یعنی خام اشیاء اور مارکیٹ کے لئے لڑی جا رہی ہیں۔ یہاں ایک واقع کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ہندوستان کے بعض ذمہ دار اصحاب نے راقم الحروف سے یہ روایت کی کہ ہندوستان کے بڑے بڑے ہندو سرمایہ دار قطعاً پاکستان کے حق میں ہیں۔ لیکن وہ رائے عامہ کے خوف سے اپنے خیالات ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا خیال ہے کہ پاکستان، مسلمانوں کو دیدینا چاہئے، کیونکہ ہندوستانی تجارت کو بڑھانے کے لئے نوآبادیوں کی ضرورت بھی ہوگی، اور اس قسم کی پہلی نوآبادی پاکستان ہوگا کیونکہ پاکستان صنعتی اعتبار سے بہت پیچھے ہوگا اور اس کے برعکس (جیسا کہ آج بھی ہے) ہندوستان صنعت و حرفت میں بہت آگے ہوگا۔ لہٰذا لازمی طور پر پاکستان کو ہمیشہ ہندوستان کا محتاج رہنا پڑے گا، اور ہمارے مال کی کھپت کے لئے پاکستان کا علاقہ بہترین "بازار" کا کام دے گا۔

---

[1] CONFEDERACY OF INDIA BY "A PUNJABI" یہ کتاب سنہ ۱۹۳۹ء میں نواب محمد دین مرحوم نے شائع کیا تھا۔

سرمایہ

خام اشیاء کے بعد دوسرے نمبر پر صنعتی ترقی کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی ملک میں خام اشیاء موجود بھی ہوں، اور معدنیات کی بھی کمی نہ ہو، پھر بھی معدنیات کو نکالنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ افغانستان میں کوئلہ اور لوہا کی کانیں دریافت ہوئی ہیں، لیکن اس کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ ان چیزوں کو نکالے۔ ایران کے پاس تیل موجود تھا، لیکن وہ انگریزی سرمائے (ANGLO PERSIAN OIL COMPANY) کے ذریعہ برآمد ہوا۔ اور یہی کیفیت عراق کی بھی ہوئی۔ لہٰذا مفلس ممالک کے پاس اگر قدرتی وسائل موجود بھی ہوتے ہیں، تو سرمائے کی کمی کے سبب وہ خود اس سے صرف نہیں لے سکتے، اور اسے برآمد کرنے کے لئے کسی یوروپین تاجر کمپنی کو ٹھیکہ دینا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یوروپینوں کو ذرا پیر لگانے کی جگہ دیدیجئے اور وہ سارے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی اینگلو پرشین آئل کمپنی کے بہانے اُنھوں نے ایران کی ساری سیاست پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اسی طرح عراق کے تیل کے چشموں کی بدولت، حکومت عراق شہنشاہیت برطانیہ کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی ہے۔ غرضیکہ بیرونی سرمائے کی مدد لینے کے لئے دوسروں کا غلام بننا پڑیگا۔

حامیٔن پاکستان یہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس سرمایہ نہیں تو ہم یوروپین ملکوں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی دعوت دیں گے، اور اس طرح اپنے ملک کی انڈسٹری کو ترقی دیں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ پاکستان کی دعوت پر ہر یوروپین ملک لبیک کہنے کو تیار ہوگا۔ لیکن کوئی سرمایہ یوں ہی نہیں لگا دیتا۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ جس ملک میں وہ سرمایہ لگا رہا ہے اس کی سیاسیات میں بھی اس کا کوئی دخل ہوگا یا نہیں۔ یا اس کا سرمایہ ڈوب جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو ملک پاکستان میں سرمایہ لگائے گا وہ پاکستان کی سیاسیات کی باگ ڈور بھی اپنے ہاتھوں میں رکھے گا۔ آج ہندوستان میں یوروپین سرمایہ داروں کے مفاد کو محفوظ رکھنے کیلئے حکومت برطانیہ کیا نہیں کرتی۔ اسی طرح چین ایک آزاد ملک کی بھی مثال لے لیجئے جو انگریزی اور امریکن سرمایہ داروں کے چنگل میں ہے، اور اس کی ساری سیاست پر ان ہی ملکوں کا قبضہ ہے۔

بہر حال اگر پاکستان پر بھی اسی طرح کوئی سرمایہ دار قابض ہو جائے گا تو پھر پاکستان کو کسی نہ کسی کا غلام ہی رہنا پڑے گا۔

حامیٔن پاکستان اپنی تمام تحریروں میں یہ شکایت کرتے ہیں کہ پنجاب، سندھ اور بنگال کے مسلم صوبوں پر بھی اقتصادی اعتبار سے ہندوؤں ہی کا قبضہ ہے۔ کل کارخانے، بینک، غیر ملکی تجارت، انشورنس کمپنیاں، الکٹرک کمپنیاں وغیرہ سب پر ہندو ہی قابض ہیں۔ اور زندگی کی ہر قسم کی ضروریات کا بازار گویا ان ہی کے ہاتھوں میں ہے۔
اس سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان بن جانے سے کس طرح ان چیزوں پر مسلمان قابو پائیں گے۔ پاکستان کے ہندو، سکھوں، اور مسلمانوں کو یقینی کاروبار کی مساوی آزادی ہوگی۔ اور وہ جس طرح آج چھائے ہوئے ہیں، پاکستان بن جانے پر بھی ہندوستان کی اقتصادیات پر چھائے رہیں گے۔ غرضیکہ پاکستان بن جانے کے بعد دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں۔ یا تو ہندو بیدریغ پاکستان میں روپیہ لگائے گا، لیکن یہ اُسی وقت ہوگا جب تک وہ پاکستان کی سیاست کو اپنی مٹھی میں رکھ سکے گا۔ دوسرے الفاظ میں اس کے معنی پاکستان کی معنوی غلامی ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہندو، پاکستان میں سرمایہ لگانے میں خطرہ محسوس کرے تو وہ کبھی پاکستان میں اپنا سرمایہ نہ لگائے گا، اور وہ اپنا سرمایہ لیکر ہندوستان میں چلائے گا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ نکل جانے کے سبب پاکستان مفلس بن جائے گا۔

مشنری

کسی ملک کی آزادانہ طور پر صنعتی ترقی کے یہ معنی بھی ہیں کہ مشنری اور دوسرے آلاتِ پیداوار جو اسے درکار ہوں اُسے وہ خود تیار کرے۔ غیر ممالک سے مشنریاں خریدنے میں اول تو ملک کی دولت کا ایک بڑا حصہ نکل جاتا ہے۔ دوسرے گراں مشینیں خریدنے میں مال کی تیاری پر لاگت زیادہ پڑتی ہے جس سے مال کی نکاسی پر اثر پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں بیرونِ ملک سے مشنری منگانے میں چنگی بھی ادا کرنی پڑتی ہے جس سے وہ اور گراں ہو جاتی ہیں (مشنری پر چنگی کی جو گراں شرح ہے وہ سب کو معلوم ہے) گذشتہ جنگ کے زمانے میں تو مشنری پر ہندوستانی بندرگاہوں میں تقریباً ۵۰ فیصدی چنگی ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ چنگی کی آمدنی سے ملکی حکومت کو فائدہ ہوگا اور ملک کے سوشل اور تعمیری (NATION BUILDING) کام زیادہ آگے بڑھیں گے، لیکن یہ چنگی انڈسٹری پر تو اثر انداز ہوکے رہیگی۔

چھوٹے چھوٹے ملکوں میں مشنری تیار کرنا نہ صرف مشکل بلکہ محال بھی ہے۔ مشنریاں صرف ان ہی ملکوں میں ڈھالی جا سکتی ہیں جو اعلیٰ درجے کے صنعتی ملک ہوں، اور ان میں خود مشنری کی کھپت کا اچھا بازار ہو۔ مثال کے طور پر ایک اونچے پاور کے الیکٹرک ڈائنمو کو لے لیجئے۔ ڈائنمو سو دو سو ڈھالے جائیں تو اس کا خرچ بھی نہ نکلے گا، بلکہ سخت خسارہ ہوگا۔ ہاں اگر پانچ دس ہزار ڈائنمو ڈھالے جائیں گے تب کہیں فائدہ ہوگا۔ لیکن جس ملک کے پاس دس ہزار ڈائنمو کا بازار نہیں، وہ کیوں اس چکر میں پڑے گا۔ اسی طرح جوٹ، کاٹن، سمنٹ وغیرہ بنانے کی مشینیں ہیں جن کے پُرزے ہندوستان میں مشکل سے ملتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان صنعت و حرفت میں کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ لیکن یہ ابھی اس قابل نہیں ہوا کہ اپنی مشینیں آپ ڈھال سکے۔ مشنری کے معاملے میں وہ یورپ اور امریکہ کا محتاج ہے۔ جب ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی یہ حالت ہے تو پاکستان کا کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں یہ چیز قابلِ ذکر ہے کہ ہندوستان سے امریکہ کی ساری دلچسپی اسی بنا پر ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنی مشنریاں (CAPITAL GOODS) کھپانا چاہتا ہے اور اپنی وزنی انڈسٹری کے لئے ایک بڑا بازار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ انگلستان الگ اس کوشش میں ہے کہ ہندوستانی صناع اس سے معاملہ کریں لیکن انگلستان کے مفاد زیادہ تر ہندوستان میں مشنری نہیں بلکہ تیار مال (CONSUMER GOODS) فروخت کرنے میں ہے۔ بہرحال ہندوستان فی الحال اس قابل تو نہیں کہ اپنی مشنریاں خود بنائے، لیکن اسے اسی ملک سے معاملہ کرنا چاہئے جس سے معاملہ کرنا اس کے لئے سیاسی طور پر مفید ہو۔ اس سلسلے میں ایک چیز اور قابلِ غور ہے، یعنی اپنے صنعتی مفاد کے خاطر ہی امریکہ دن بدن ہندوستان کے معاملے میں دخیل ہوتا جا رہا ہے، اور چین کی طرح ہندوستان کی سیاسیات پر بھی حاوی ہونا چاہتا ہے۔

بہرحال مشنری ڈھالنے سے پہلے اس کی نکاسی کے لئے بازار کی ضرورت ہے۔ اور مشنریوں کی نکاسی کے لئے لازمی ہے کہ ملک صنعت و حرفت میں کافی آگے بڑھا ہوا ہو۔ صنعت و حرفت میں وہی ملک آگے بڑھ سکتا ہے، جس کے پاس کچا مال اور بازار ہو۔ غرضیکہ یہ سائیکل کا چکر ہے، اور ایک چیز کا دوسرے پر انحصار ہے۔ دُنیا میں بہت کم ملک ایسے ہیں جو مشنریاں ڈھال سکتے ہیں۔ امریکہ، جرمنی، انگلینڈ، فرانس اور جاپان کے سوا بڑے پیمانے پر مشینیں ڈھالنے کا کام دنیا میں کہیں نہیں ہوتا۔ بلکہ اعلیٰ درجے کی مشینیں تو ایک ہی دو ملک میں ڈھلتی ہیں جیسے رالس رائس (ROLLS ROYCE) ماپ کا ایروپلین کا انجن صرف امریکہ میں ڈھل سکتا ہے اور وہ بھی فورڈ کے کارخانے میں۔ انگلینڈ نے اس طرح کا انجن ڈھالنے کی بہتری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ جنگی ضرورتوں کے لئے جب انگلستان نے مسٹر فورڈ کو رالس رائس کے ایروپلین کے لئے آرڈر دیا تو فورڈ نے

صاف انکار کر دیا۔ انگلستان منہ تکتا رہ گیا۔ لیکن یہ نہ ہو سکا کہ انگلستان خود ایسے انجن تیار کرے۔

غرض کہ مشنری کی ڈھلائی صنعتی ترقی کی معراج ہے۔ اور یہ کام وہی ممالک کر سکتے ہیں جو صنعت و حرفت میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہوں، ان کے پاس اعلیٰ درجے کی کاریگری (SKILL) ہو، اور نہایت عمدہ قسم کا لوہا ہو۔ ہندوستان کے متعلق تو یہ توقع بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ دس بیس سال کے بعد اپنی مشینیں آپ ڈھالنے کے لائق ہو جائے گا۔ لیکن پاکستان سے تو کبھی یہ توقع نہیں قائم کی جا سکتی۔

کاریگری

صنعتی کاریگری اور ہنرمندی (TECHNICAL SKILL) بھی اُسی ملک کا حصہ ہے جو انڈسٹری میں بہت آگے بڑھا ہوا ہو۔ جس ملک کی حکومت اپنے نوجوانوں کو سائنس کی تعلیم دینے پر اربوں روپے خرچ کرتی ہے، اور کروڑوں روپے سالانہ سائنس کے ایک شعبے کے ریسرچ پر صرف کرتی ہے، اُسی ملک میں کاریگری اور ہنرمندی بھی ترقی کر سکتی ہے۔ ہندوستان تو ابھی عام تعلیم ہی میں پیچھے ہے، سائنٹیفک تعلیم کا کیا ذکر۔ یہی سبب ہے کہ ہمیں ٹاٹا میں لوہا ڈھالنے یا ڈالمیا نگر میں سمنٹ بنانے کے لئے انگریز، امریکن یا جرمن انجینیر رکھنے پڑتے ہیں، اور تقریباً تمام کارخانوں میں منیجر اور فورمین وغیرہ یوروپین ہی ہوا کرتے ہیں۔ بہار (پٹنہ) میں سائکلوں کا ایک کارخانہ قائم ہوا ہے۔ لیکن سائیکل کے پُرزے ڈھالنے کے لئے ہندوستان میں کاریگر موجود نہیں اور چیکوسلوواکیا سے انجینیر آئے ہیں۔ پھر بعض پُرزے ایسے ہیں (جیسے فری وہیل) جو ہندوستان میں بن ہی نہیں سکتے۔ حال میں ہندوستان میں موٹریں بنانے کے کئی کارخانوں کی داغ بیل ڈالی گئی ہے، لیکن موٹروں کے پُرزے ڈھالنے کے لئے ہندوستان میں کاریگر ملنا محال ہے، اور ہندوستانی صناع امریکہ سے کاریگر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

غیرملکی کاریگروں کی خدمات حاصل کرنے میں بہت زیادہ صرفہ اور کئی قسم کے الاؤنس دینے پڑتے ہیں جس سے مال کی تیاری پر لاگت کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔ ہندوستان اگر اسی رفتار سے صنعت میں آگے بڑھتا رہا تو بہت جلد یہ سائنٹیفک تعلیم پر کافی رقم صرف کرنے لگے گا اور اچھے کاریگر بڑی تعداد میں ہندوستان ہی میں پیدا ہونے لگیں گے۔ لیکن پاکستان میں اس کی قطعاً کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔

علاوہ اس کے ہندوستان میں فی الحال جس قدر کاریگری اور ہنرمندی موجود بھی ہے، پاکستان اس سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر ہے۔ تربیت یافتہ اور ہنرمند مزدور، کلکتہ، بمبئی، احمد آباد، جمشید پور اور کچھ کانپور ہی میں جہاں ان کی منڈی ہے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ایک بھی ایسا صنعتی مرکز موجود نہیں، جہاں سے اُسے ہنرمند مزدور (SKILLED LABOUR) مل سکیں۔

بازار

صنعتی ترقی کے سلسلہ میں بازار (MARKET) کی ضرورت و اہمیت پر پچھلے صفحات میں کچھ روشنی پڑ چکی ہے۔ اب یہاں صرف اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان سے علٰحدگی کے بعد پاکستان کی مصنوعات کا بازار بہت ہی محدود رہ جائے گا۔ پاکستان کی مجموعی آبادی تقریباً ۲½ کروڑ ہوگی، ان میں صوبہ سندھ، بلوچستان، سرحد، اور کشمیر کے عوام کی قوت خرید عام افلاس کے سبب بہت ہی کم ہے کیونکہ یوں تو سارے ہندوستان کے عوام غریب ہیں۔ لیکن ان صوبوں کے عوام کی غربت ہندوستانیوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے اور ان کا معیار زندگی ہندوستان کے عوام سے نیچا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان صوبوں میں پاکستانی مصنوعات کے لئے بازار نہیں مل سکتا بس ایک پنجاب کا صوبہ ہے جہاں نسبتاً اچھا بازار مل سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ صرف ایک صوبے کے بازار کے بل بوتے پر کوئی صنعت ترقی نہیں کر سکتی۔ ہندوستان کی مصنوعات گیارہ صوبے اور چھ سو ریاستوں کا عظیم الشان بازار رکھنے کے باوجود، عوام کی قوت خرید کم ہونے کے سبب، خاطر خواہ ترقی نہیں کر رہی ہیں۔ تو پھر پنجاب کا کیا ذکر۔

انڈسٹری کا تو یہ کلیہ ہے کہ جتنے بڑے پیمانے پر پیداوار (LARGE-SCALE PRODUCTION) ہوگی اُتنا ہی زیادہ منافع ہوگا اور چیزیں سستی

پڑیں گی۔ ہندوستان میں کچا مال' سرمایہ' اور کاریگروں کی فراوانی اور سب سے بڑھ کر ۳۰ کروڑ نفوس کا ایک عظیم الشان بازار حاصل ہونے کے سبب چیزیں عمدہ اور سستی ہوں گی۔ لیکن اس کے برعکس پاکستان میں خود اپنا سرمایہ' کچا مال' کاریگر اور وسیع بازار حاصل نہ ہونے کے سبب اس کی مصنوعات ہندوستانی مصنوعات سے گراں پڑیں گی۔ پاکستان کی مصنوعات کا ہندوستان کی مصنوعات سے مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور وہ یقینی اس کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکیں گی۔

اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں پاکستان کی رہی سہی انڈسٹری بھی نہ ختم ہو جائے۔ اس وقت لودھیانہ' امرتسر' دھاریوال کے اونی کپڑے' ٹوپیاں' کمبل' قالین' ہوزری وغیرہ' سیالکوٹ کے اسپورٹ کے سامان اور کشمیر کے شال وغیرہ سارے ہندوستان کے بازاروں میں بکتے ہیں۔ لیکن تقسیم کے بعد دو ملک ہو جانے پر یہ صورت بھی باقی نہ رہے گی۔ ان اشیاء پر ہندوستان میں داخلے کے وقت چنگی لگے گی' جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کا مارکیٹ ان کے لئے بند ہو جائے گا۔ اور یہ فروغ پذیر صنعتیں بھی پاکستان کے محدود علاقے میں گھٹ کر ختم ہو جائیں گی۔ مجوزین پاکستان نے بجا طور پر یہ کہا ہے:-

"علیحدگی کے بعد یقینی ہمارے تجارتی علاقے میں ریل اور سڑکوں کے ذریعے ہندوستانی مصنوعات کی بھرمار ہوتی رہے گی۔ لیکن ہم انھیں بغیر چنگی ادا کئے ہوئے (پاکستانی) سرحد کے اندر داخل ہونے نہ دیں گے اور یہ چنگی ہماری مرکزی آمدنی کا ایک مزید ذریعہ ہوگی۔"

("پیراشین"۔ مصنفہ پنجابی صفحہ ۳۲)

بلاشبہ پاکستانی حکومت کو چنگی عائد کرنے کا حق حاصل ہوگا' لیکن غور فرمایئے کہ جب پاکستان میں ہندوستان کے عمدہ قسم کے مال کی ریل پیل ہوگی تو پھر پاکستان کی صنعت کا کیا حشر ہوگا۔ یقینی حکومت پاکستان' ہندوستانی اشیاء پر زیادہ سے زیادہ چنگی عائد کرنے کے بعد بھی ہندوستانی اشیاء کی آمد نہ روک سکے گی' کیونکہ ہندوستان کا مال عمدہ اور نفیس ہوگا۔ جس طرح آج ہم جاپان کے نقلی سلک پر سو فیصدی چنگی لگانے کے بعد بھی مارکیٹ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پھر یہ سوال بھی ہے کہ آپ خواہ زیادہ سے زیادہ چنگی عائد کریں' لیکن پاکستان کی دولت تو ہندوستان میں چلی جاتی رہے گی' اور اس طرح پاکستان دن بدن کنگال ہوتا رہے گا! اور پھر چنگی بھی کوئی پاس سے تھوڑا ہی دیتا ہے' بلکہ جنس کی قیمت بڑھا کر خریداروں سے چنگی کی رقم بھی وصول کر لیتا ہے۔

زراعت

اسی طرح زراعت جو علاوہ سندھ و گنگا کے میدانوں کی خاص چیز ہے' آمدنی' تجارت اور صنعت کا واحد ذریعہ رہ جائے گی' صرف وہی زرعی پیداوار یہ جو اس میدانی علاقے میں چلائی جاسکتی ہیں۔ یہ ہیں شکر اور جوٹ کی صنعتیں' ہندوستان کی نصف سے زیادہ شکر صوبجات متحدہ میں تیار ہوتی ہے اور ۸ فیصدی بہار میں اور تقریباً اسی قدر مدراس میں تیار ہوتی ہے۔

بنگال میں بارش اتنی زیادہ ہوتی ہے' اور پنجاب میں اتنی کم ہوتی ہے کہ گنے کی کاشت نہیں ہو سکتی' لیکن جن صوبوں کی آب و ہوا گنے کی کاشت کے لئے بہترین ہے ان میں یہ صنعت حکومت کے زیر سایہ ترقی کر رہی ہے اور شکر کی درآمد پر اتنا محاصل لگا دیئے گئے ہیں' عام حالات میں جاوا اپنی شکر صوبہ متحدہ میں مقامی نرخ سے کم پر فروخت کر سکتا ہے' صوبۂ متحدہ اور بہار دونوں پاکستان کے باہر ہوں گے' اور اس لئے مسلمانوں کو

[illegible] شکر کا محتاج رہے گا چاہے وہ [illegible] ہندوستان سے لیں لیکن اس حالت میں باہر کی محتاجی سے تو نہیں بچ سکیں گے۔

بہرحال جوٹ کی ایک ایسی پیداوار اور صنعت ہے جس کی پاکستان کو صحیح معنوں میں اجارہ داری حاصل ہوگی۔ صرف ہندوستان کے [illegible] ساری دنیا [illegible] تاہم بہار اور مغربی بنگال میں بھی اس کی اچھی خاصی کاشت ہونے لگی ہے اور بازار میں [illegible] بھی لگے ہیں۔ اس صنعت میں [illegible] اور جوٹ کے استعمال کے طریقوں میں اتنا اضافہ [illegible] اور اس سے مستقبل کوئی زیادہ روشن نہیں ہے [illegible] یہ صنعت [illegible] کے [illegible] ہندوستان [illegible] بھی [illegible] رہ سکے گی۔

[illegible] مشرقی بنگال کے [illegible] کاشت [illegible] اس کا حال [illegible] بہت کم [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] پنجاب کو بنگال کے [illegible] بنگال [illegible] [illegible] اس کے سوا [illegible] چارہ کار نہیں ہے۔

پنجاب [illegible] اور [illegible] پاکستان کے [illegible]

اس صورت حال کو درست [illegible] مشینیں [illegible] اور [illegible] حالات [illegible] کی ضرورت ہے [illegible] یہ تمام حالات پیدا کر سکے؟

ایسی حالت میں جبکہ [illegible] صرف ایک صنعت [illegible] اور اس کے علاوہ [illegible] نہیں ہوں گے [illegible] اشیاء کی [illegible] نہیں ہوگی۔

ایسی حالت میں [illegible] پنجاب اور بنگال [illegible] مشینیں [illegible] کے ہاتھوں [illegible] ہو جائیں گے۔

اُنھیں اپنی ضرورت کی ایک ایک چیز یہاں تک کہ ایک کیل اور ایک پن بھی درآمد کرنی پڑے گی، اور اس کے عوض وہ صرف جوٹ دے سکیں گے۔

ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کا تصور کرنا بھی ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

ان سوانح و مشکلات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہندوستان سے علیحدگی کے بعد پاکستان کی صنعتی ترقی کے امکانات بہت کم ہیں اور چونکہ موجودہ زمانہ میں صنعتی ترقی ہی ملک کی مجموعی ترقی کا دار و مدار ہے، لہٰذا ہمیں پاکستان کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظر آتا ہے۔ دُنیا کے چھوٹے چھوٹے صنعتی ممالک آج اس فکر میں ہیں کہ کس طرح وہ بڑے ملکوں سے ناتہ جوڑیں اور وہ کسی بڑی وحدت (BIGGER UNIT) کے جزو ہو جائیں تاکہ اُنھیں بین الاقوامی تجارتی معاہدوں میں زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہو سکیں۔ بڑے بڑے معاہدوں میں چھوٹے اجزا کو کون پوچھتا ہے۔ فن لینڈ، استونیا، لتویا وغیرہ کی کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ لیکن ہندوستان آج غلام ہونے پر بھی بین الاقوامی تجارت میں ایک جگہ رکھتا ہے اور اس کے ساتھ رہ کر بڑے بڑے تجارتی فوائد اور مراعات حاصل ہو سکتی ہیں۔ موجودہ دور تجارتی یکجہتی اور اشتراک (CO-OPERATION) کا دور ہے۔ ہر ملک دوسرے ملک سے تجارتی تعلقات کا متمنی ہے۔ لیکن یہاں پاکستانی بھائیوں کو جو چیز حاصل ہے، وہ نادانی سے اُسے بھی ٹھکرا دینا چاہتے ہیں۔

زراعتی قوم بنام صنعتی قوم

اس اعتراض سے لاجواب ہو کر پاکستان میں صنعتی ترقی کے امکانات بالکل نہیں مصنفین پاکستان یہ فرماتے ہیں کہ پاکستان میں انڈسٹری نہیں تو کیا مضائقہ ہے نہ ہونے کے سبب یقینی بدیس سے درآمد بڑھے گی اور اس طرح ہماری چنگی کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ لیکن اُنھوں نے یہ نہ سوچا کہ درآمد (IMPORT) بڑھنے سے پاکستان کی آمدنی میں ۵۔۱۰ کروڑ کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس پانچ کروڑ کی چنگی حاصل کرنے کے لئے سو کروڑ کا مال بھی خریدنا پڑیگا۔ سبحان اللہ کیا دانشمندی ہے کہ پانچ روپئے حاصل کرنے کے لئے گرہ سے سو روپئے دے جائیں۔

اس سلسلہ میں مصنفین اسکیم نے ایک عجیب و غریب منطق پیش کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندو قوم ایک "صنعتی قوم" ہے اور مسلمان قوم "زراعتی قوم" ہے۔ ور مسلمانوں کے مفاد زراعتی ہیں اور ہندوؤں کے مفاد صنعتی۔ شمالی و مغربی صوبوں کے مسلمان کچا مال پیدا کرتے ہیں اور ہندو اُنھیں باہر کے ملکوں سے کوئی مقابلہ نہ ہونے کے سبب سستے داموں پر خرید لیتے ہیں اور اسی کچے مال سے سامان تیار کر کے ان ہی مسلمانوں کے ہاتھ گراں مال بھی بیچتے ہیں اور اس طرح مسلمان دوہرے خسارے میں رہتے ہیں۔ چونکہ باہر کے مال پر حکومت ہند نے ہندوؤں کے اثر میں آکر بہت زیادہ چنگی عائد کر دی ہے اسلئے مسلمانوں کو ناچار ہندوستانی ملوں کا کپڑا خریدنا ہی پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے حالانکہ اپنے کچے مال کے لئے اُنھیں امریکہ وغیرہ سے اچھا دام مل سکتا ہے لیکن وہ مشترک ملک ہونے کے سبب غیر ممالک سے معاملہ نہیں کر سکتے۔ علیحدگی کے بعد منہ مانگی قیمت مل سکے گی۔ اس لئے مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ دونوں کے مفاد جداگانہ ہیں۔ یہ ہے ان کی منطق۔

لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ یو۔ پی۔ بہار، آسام، اڑیسہ، بنگال سی۔ پی۔ مدراس بمبئی وغیرہ کے ۲۵۔۳۰ کروڑ ہندو عوام کے مفاد "زراعتی" ہیں یا "صنعتی"؟ اگر صنعتی مفاد ہو سکتے ہیں تو برلا، ڈالمیا، اور سنگھانیا کے یا زیادہ سے زیادہ دو یا چار فی صدی ہندوؤں کے لیکن ۹۵ فی صدی ہندو کسانوں کے مفاد تو مسلمانوں ہی کی طرح زراعتی ہیں۔ اگر یہ ہندو ۴ کروڑ "پاکستانیوں" کا استحصال (EXPLOITATION) کرتے ہیں تو ۲۵ کروڑ غریب ہندو کسانوں کو بھی لوٹتے ہیں اور ان سے بھی کم داموں پر کچا مال خرید کر اسی سے مال تیار کر کے ان ہی غریب ہندو کسانوں کے ہاتھ زیادہ داموں بیچتے ہیں۔ یاں

رہی غیر ممالک سے زیادہ نرخ پر کچا مال بیچنے کی بات تو یقینی کہہ سکتے ہیں اس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوں گے کہ پاکستان ہمیشہ ایک زراعتی ملک رہے گا لیکن کچا مال بیچنے کے لئے انہیں اس ملک کی تیار شدہ مصنوعات بھی خریدنی پڑیں گی جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں خود اپنی انڈسٹری بھی ترقی نہ کر سکے گی۔

پاکستان کی دائمی اقتصادی غلامی

الغرض اقتصادی اعتبار سے پاکستان کے لئے کبھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے گا آج صدیوں سے افغانستان اور ایران آزاد تو ہے لیکن اقتصادی کمزوری کے سبب ہندوستان سے بھی بدتر ہے اور ان ممالک کوئی مستقبل نہیں ہے۔ دنیا میں زراعتی ممالک کا جو حشر ہو گیا ہے۔ یعنی بڑے بڑے صنعتی ممالک کی نوآبادی بلکہ بنا انہیں کچا مال پیدا کرنا اور ان کا "بازار" بلکہ پھر ان کا مال خریدنا وہی حشر پاکستان سے بھی ہو جائیگا۔ بہ حقیقت اب ایک مسلمہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ زراعتی ممالک کبھی آزاد نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ کچا مال بیچنے کے لئے انہیں صنعتی ممالک کا محتاج بننا پڑتا ہے اور چونکہ کچا مال کی بکری کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ جس ملک کے ہاتھ یہ بیچا جائے اس کا تیار شدہ مال بھی خریدا جائے لہٰذا یہ چکر چلتا ہی رہتا ہے علاوہ ملک میں کچا مال ہی رہتا ہے اور نہ کوئی صنعت ہی جاری ہو سکتی ہے۔ ایک محض زراعتی ملک کے لئے آزادی بھی ایک بیکار شے ہے۔ اس وقت ایشیا کا عظیم الشان ملک چین تو آزاد ہے لیکن اس کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی پر امریکہ کا قبضہ ہے اور وہ ان کی مٹھی میں ہے اسی طرح جنوبی امریکہ جنوبی افریقہ کناڈا اور آسٹریلیا کا بھی یہی حال ہے جو زراعتی ممالک کا۔ غرضیکہ اقتصادی حیثیت سے پاکستان یا تو ہندوستان کا غلام ہوگا یا کسی دوسرے ملک کا اور چونکہ اقتصادی حیثیت سے بھی غلام ہوگا اس لئے لازمی طور پر سیاسی حیثیت سے بھی غلام ہوگا۔

سندھیا اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان میں تجارتی جہاز رانی کے پیشرو

ایجنٹ

نورتم مرارجی اینڈ کمپنی



مال اور مسافروں کی سروس

مال اور مسافروں کی بکنگ اور روانگی کی تاریخوں کے لئے
براہ کرم سندھیا ہاؤس سے خط و کتابت کیجئے
کونکن کراچی اور ساحلی سروس کے لئے

ملحق کمپنیاں

- دی بنگال اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ
- دی انڈین کاپریٹو اور ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ
- دی رتناگر اسٹیم نیویگیشن لمیٹڈ
- دی حج لائن لمیٹڈ
- دی بمبئی اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ
- دی ایسٹرن اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹڈ

ہندوستان اور سیلون کی تمام
اہم بندرگاہوں پر برانچ آفس
ایجنسیاں موجود ہیں

سندھیا ہاؤس - بلارڈ اسٹیٹ بمبئی

تیسرا باب

پاکستان کی مالیات

دنیا عالم اسباب ہے اور یہاں ہر کام اور ہر عمل کے لئے ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور خواہ ایک فرد ہو، یا ایک قوم، اسے ہر عمل اور ہر اقدام سے پہلے اپنی معاشی حالت کا جائزہ لینا ہی پڑتا ہے۔ اور اپنی جیبوں کو ٹٹولنا پڑتا ہے۔ یہاں جذبات سے کام نہیں چلتا۔ اور ہر اقدام کی کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے کاروباری پہلو کو بھی سامنے رکھ جائے۔ جو لوگ جذباتی طور پر پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں، وہ بھی اسی طرح خالی الذہن اور غیر عملی لوگ ہیں جس طرح پاکستان کا حامی۔ سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان مسلمانوں کے لئے مفید ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی مخالفت کی جائے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مطلقاً جذبات سے عاری ہو کر پاکستان کا اس طرح جائزہ لیں، جس طرح ہم کسی تجارتی کاروبار کو شروع کرتے وقت اس کے تمام نفع اور نقصان کا جائزہ لیا کرتے ہیں۔

ہمارے سامنے اس سلسلے میں جو سب سے اہم سوال آتا ہے، وہ یہ ہے کہ کیا پاکستان ایک علیحدہ آزاد سلطنت کی شکل میں اپنے پیروں پر کھڑا رہ سکتا ہے؟ کیا اس سے مسلمانوں کی زندگی زیادہ بہتر اور فارغ البال اور خوشحال بن سکتی ہے؟ یہ سوال ہے جس پر ہر کس و ناکس کو، جو اپنی زبان پر پاکستان کا لفظ لاتا ہے، اچھی طرح سوچ بچار کر لینا چاہئے۔ اور اگر وہ بغیر سمجھے بوجھے، اور اس کے نشیب و فراز پر غور کئے بغیر ہی "پاکستان" کا لفظ محض نعرے کے طور پر استعمال کرتا ہے، تو مسلمانوں کا دوست نہیں بلکہ سب سے بڑا دشمن ہے۔ اور ان کے حق میں کانٹے بو رہا ہے۔ آئیے اب اس پہلو کا تفصیلی طور پر جائزہ لیں۔

پاکستانی صوبوں کی آمدنیاں

اگر ہم پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کی مجموعی آمدنی کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ حسب ذیل ہوگی:۔

پاکستانی صوبوں کی مجموعی آمدنی

(۱۹۴۲-۴۳ء میں)

نمبر شمار	صوبے	آمدنی
۱	پنجاب	۱۲،۳۹،۱۹،۰۰۰ روپے
۲	صوبہ سرحد	۱،۰۹،۶۲،۰۰۰ "
۳	سندھ	۷،۸۰،۶۴،۰۰۰ "
۴	بلوچستان	۱،۰۱،۰۰۰ "
	میزان	۲۱،۳۰،۴۶،۰۰۰ (اکیس کروڑ ۳۰ لاکھ) روپے

غرضیکہ ان چاروں صوبوں کی مجموعی آمدنی ۲۱-۲۲ کروڑ سے زیادہ نہیں بڑھتی۔ اور واضح رہے کہ یہ جنگ کے زمانے کی آمدنی ہے۔ ویسے پنجاب کی آمدنی دس گیارہ کروڑ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتی (۳۱-۱۹۳۰ء میں پنجاب کا بجٹ ۱۰ کروڑ ۹۰ لاکھ آمدنی اور ۱۰ کروڑ ۸۸ لاکھ خرچ کا تھا) اور مجموعی طور پر ان تمام صوبوں کی آمدنی ۱۶-۱۷ کروڑ سے آگے نہیں جاتی۔ صوبہ سندھ اور سرحد کی مندرجہ بالا آمدنی میں وہ رقم بھی شامل ہے جو ان دونوں صوبوں کو حکومت ہند سے سالانہ بطور امداد ملتی ہے۔[علہ]

(لہ حاشیہ صفحہ ماقبل)

غیر پاکستانی صوبوں کی آمدنیاں

(۴۳-۱۹۴۲ء کے اعداد)

نمبر شمار	صوبے	آمدنیاں			
۱	اجمیر مارواڑ	۲۱،۰۰،۰۰۰	روپے	(اکیس لاکھ)	روپے
۲	آسام	۴،۲۶،۰۳،۴۳۱	"	(چار کروڑ ۲۶ لاکھ)	"
۳	بہار	۶،۰۸،۲۱،۵۵۸	"	(چھ کروڑ ۸ لاکھ)	"
۴	بمبئی	۳۴،۹۸،۰۳،۸۰۰	"	(چونتیس کروڑ ۹۸ لاکھ)	"
۵	صوبہ متوسط	۴،۵۸،۸۳،۹۶۲	"	(چار کروڑ ۵۰ لاکھ)	"
۶	کورگ	۱۱،۰۰،۰۰۰	"	(گیارہ لاکھ)	"
۷	دہلی	۷۰،۰۰،۰۰۰	"	(ستر لاکھ)	"
۸	مدراس	۲۵،۶۶،۷۱،۳۹۵	"	(پچیس کروڑ ۶۶ لاکھ)	"
۹	اڑیسہ	۸۶،۷۶،۳۹۹	"	(۸۶ لاکھ)	"
۱۰	صوبہ متحدہ	۱۶،۸۵،۵۳،۸۸۱	"	(سولہ کروڑ ۸۵ لاکھ)	"
	میزان	۹۶،۲۴،۰۵،۲۰۶	روپے	(چھیانوے کروڑ چوبیس لاکھ)	روپے
	مندرجہ بالا صوبوں کی مرکزی سیٹوں کی آمدنی	۲۴،۰۰،۰۰،۰۰۰	"	(چوبیس کروڑ)	"
	میزان کل	ایک ارب بیس کروڑ ۲۴ لاکھ		روپے	

[علہ] کمزور صوبوں کو حکومتِ ہند کی سالانہ امداد

نمبر شمار	صوبے	امداد
۱	آسام	۳۰ لاکھ
۲	اڑیسہ	۳۰ لاکھ
۳	صوبہ سرحد	۱ کروڑ
۴	صوبہ سندھ	۱ کروڑ ۵ لاکھ

جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پاکستان کے یہ دو صوبے، جن میں حقیقی مسلم اکثریت ہے، مالی حیثیت سے دیوالیہ ہیں اور ان کی آمدنی اتنی بھی نہیں کہ وہ اپنے کاروبارِ حکومت کا بار سنبھال سکیں، چنانچہ اُنھیں ہر سال اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے مرکزی حکومت کا دست نگر رہنا پڑتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان سے علٰحدگی کے بعد اِن صوبوں کا خسارہ کون پورا کرے گا؟ ظاہر ہے کہ صوبۂ سرحد، سندھ، اور بلوچستان کا بار سارا کا سارا پنجاب پر پڑ جائے گا، کیونکہ پاکستانی صوبوں میں سے دیگر پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ ہے، جو اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔ اور اپنے اخراجات کے لئے مرکز کا دست نگر نہیں۔ لیکن پنجاب کے لئے یہ بار یقینی ناقابل برداشت ہوگا۔ پھر پنجاب بھی موجودہ پنجاب نہ رہے گا، اور پنجاب کے ۱۲ مشرقی اضلاع کے نکل جانے سے، جو پنجاب کے بہترین زرخیز علاقے ہیں، پنجاب کی آمدنی تقریباً نصف ہی رہ جائے گی۔ غرضیکہ پاکستان کی مجموعی آمدنی امن کے زمانے میں، ۱۵-۱۶ کروڑ سے کسی طرح آگے نہیں بڑھ سکتی۔

حکومتِ پاکستان کے اخراجات

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ۱۵-۱۶ کروڑ کی رقم میں کسی طرح یہ صوبے مرکز کے گذارہ کر لیں گے تو پھر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ پاکستان کی مرکزی حکومت کے اخراجات کہاں سے آئیں گے۔ کیونکہ حامئ پاکستان پاکستان کا تصور ایک آزاد سلطنت کا پیش کرتے ہیں، جو اپنے تمام حالات میں، دنیا کی دوسری قوموں کی طرح آزاد ہوگی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایک آزاد سلطنت کو اپنی ہندوستان برقرار رکھنے، اور تمام کاروبارِ حکومت کو چلانے کے لئے کروڑوں روپے سالانہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس اعتراض کا جواب حامئ پاکستان یہ دیتے ہیں کہ اس وقت حکومتِ ہند کو اِن صوبوں سے جو مرکزی میںوں کی آمدنی ہے وہی پاکستان کو مل جائیگی اور یہ رقم پاکستان کی مرکزی حکومت کے اخراجات کے لئے کافی ہوگی۔

بظاہر یہ جواب تو نہایت معقول معلوم ہوتا ہے، لیکن شائد اس پر دور تک سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی ہے۔ مرکزی میںوں سے حکومتِ ہند کو جو آمدنی ہے، وہ یہ ہیں (۱) چنگی (۲) اکسائز (۳) نمک (۴) پوسٹ و ٹیلیگراف (۵) ریلوے (۶) اور دوسرے مرکزی ٹیکس۔ ۱۹۳۸-۳۹ء کے سال میں ان مسلم صوبوں سے حکومتِ ہند کو جو آمدنی ہوئی ان کے اعداد حسب ذیل ہیں:-

چُنگی	۴,۴۸,۰۶,۰۰۰	(۴ کروڑ ۴۸ لاکھ)
اِکسائز	۱,۰۰,۹۲,۰۰۰	(۱ کروڑ ۹۲ ہزار)
کارپوریشن ٹیکس	۱۵,۲۸,۰۰۰	(۱۵ لاکھ)
نمک	۷۶,۶۵,۰۰۰	(۷۶ لاکھ ۶۵ ہزار)
ڈاک و تار	۲,۳۷,۰۰۰	(۲ لاکھ ۳۷ ہزار)
ریلوے	۱,۵۰,۰۰,۰۰۰	(۱ کروڑ ۵۰ لاکھ)
دوسرے مرکزی محاصل	۱,۳۲,۶۶,۰۰۰	(۱ کروڑ ۳۲ لاکھ)
میزان	۹,۳۶,۰۵,۰۰۰	(۹ کروڑ ۳۶ لاکھ)

غرضیکہ پاکستانی صوبوں کو ۹.۰۰ کروڑ سالانہ کی آمدنی اِن مرکزی میںوں سے ہے۔ آیئے اب ان کا بالتفصیل جائزہ لیں۔

چُنگی

مندرجہ بالا رقوم میں سب سے بڑی رقم چُنگی کی ہے۔ جو زیادہ تر کراچی بندر کی آمدنی ہے۔ تقریباً ساڑھے چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ کروڑ سالانہ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے صوبوں سے کراچی بندر کو چُنگی مل جاتی ہے۔ یہ رقم یقینی پاکستان کو مل سکتی ہے۔ لیکن کراچی کی بندرگاہ، حکومتِ ہند

کے اربوں روپے سے بنی ہے۔ اور جب تک پاکستان یہ اربوں روپے ادا نہیں کردیتا' یا اس کا کروڑوں روپے سالانہ سود دینا منظور نہیں کرلیتا۔ پاکستان کو کروچی بندر نہیں مل سکتا۔

اِکسائز

پاکستانی صوبوں کے مرکزی اکسائز سے حکومتِ ہند کو تقریباً ایک کروڑ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہ آمدنی پاکستان کو مل سکتی ہے بشرطیکہ پاکستان اسے لینا قبول کرے۔ کیونکہ مسلمانوں کو یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ پاکستان کی حکومت اسلامی اور قرآنی حکومت ہوگی۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت شراب افیون، گانجہ، چرس، بھانگ، تاڑی وغیرہ کے استعمال کو کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے اور اس کی 'حرام' آمدنی سے اپنے بیت المال کو ناپاک کرسکتی ہے؟ جب کہ 'ان صوبوں' میں منشیات کا استعمال قانونی طور پر ممنوع ہوگا۔

نمک

نمک کے محاصل سے پاکستانی صوبوں کو ۷۰ لاکھ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ لیکن اس انسانیت سوز ٹیکس کو کوئی بھی قومی حکومت' بہ جائکہ اسلامی حکومت جائز قرار نہیں دے سکتی۔ جس طرح ہوا اور پانی ہر انسان کے لئے ضروری ہے' اسی طرح نمک بھی ضروری ہے' اور جس طرح ہوا اور پانی پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا' اسی طرح نمک پر بھی کوئی ٹیکس نہ لگنا چاہئے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت کانگریس کئی بار نمک کے قوانین کو توڑنے کے لئے ستیاگرہ کرچکی ہے۔ بہرحال یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک مسلم حکومت' اپنے مسلم باشندوں پر یہ انسانیت سوز ٹیکس عائد کرے۔

ریلوے

اِن۔ ڈبلو۔ ریلوے (N.W.RY.) سے پاکستانی صوبوں کو تقریباً ڈیڑھ کروڑ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آمدنی کے حامیانِ پاکستان دعویدار ہیں۔ لیکن اِن۔ ڈبلو۔ ریلوے پاکستانی صوبوں کی ملکیت نہیں۔ بلکہ یہ اسٹیٹ ریلوے ہے' اور یہ ساری کی ساری حکومتِ ہند کی ملکیت ہے۔ ابتدا میں یہ ریلوے حکومتِ ہند کی ملکیت نہ تھی لیکن ۱۸۸۶ء میں حکومتِ ہند نے اِسے خرید لیا۔ ۱۹۳۹ء میں اس ریلوے کا مجموعی سرمایہ ایک ارب' ۴۲ کروڑ ۹۵ لاکھ ۶۴ ہزار تھا' جو اب بڑھتے بڑھتے تقریباً دو ارب ہوگیا ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ حکومت پاکستان حکومت ہند کو یہ دو ارب روپے ادا نہیں کردیتی، حکومتِ ہند اتنی بڑی جائداد عطیہ کے طور پر نہیں بخش سکتی۔ ظاہر ہے کہ پاکستان اتنی بڑی رقم ادا نہیں کرسکتا' لہٰذا دوسری صورت میں اُسے اس سرمائے پر سال بسال سود ادا کرنا پڑے گا جو بطور خود کروڑوں کی رقم ہوگی۔ غرضیکہ اِن۔ ڈبلو۔ ریلوے سے پاکستان کو نفع سے زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں اس وقت جتنی ریلویز ہیں' اِن پر خسارہ ہوتا ہے۔ جنگ کے زمانے کی اور بات ہے' ورنہ امن کے زمانے میں ہر سال ریلویز پر خسارہ آتا ہے۔ چنانچہ حکومت ہند نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ تمام اسٹیٹ ریلوے کا منافع (اگر ہوا تو) اسٹیٹ ریلویز پر تقسیم کردیتی ہے' اور جو خسارہ ہوتا ہے اسے خود برداشت کرلیتی ہے۔ لہٰذا ریلوے کے خسارے کا یہ بوجھ تنہا کسی صوبے پر نہیں' بلکہ سارے صوبے پر پڑتا ہے۔ لیکن پاکستان صوبوں کے لئے یقینی یہ خسارہ ناقابلِ برداشت ہوگا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستانی حکومت کا بجٹ ہر سال گڑبڑ ہوتا رہے گا۔

ہمیں یہ بھی ڈر ہے کہ علٰحدگی کے بعد اِن۔ ڈبلو۔ ریلوے کی موجودہ آمدنی بھی برقرار نہ رہے گی' کیونکہ مال اور مسافروں کی جو موجودہ وقت میں ایک ملک ہونے کے سبب بے روک ٹوک آمدورفت ہے۔ وہ چنگی اور پاسپورٹ کی دیوار حائل ہوجانے کے بعد باقی نہ رہے گی' اور اس ریلوے کی تگ و دو لاہور سے کر پشاور تک ہی محدود رہے گی۔ اور بقیہ ہندوستان کے لوگ پاکستان کو ایران اور افغانستان کی طرح غیر ملک تصور کرکے' آمدورفت کم کردیں گے۔

ڈاک اور تار

ظاہر ہے کہ جب پاکستان ایک غیر ملک قرار دیا جائے گا تو اِن مدات سے اس کی موجودہ آمدنی پر کافی اثر پڑے گا۔ غیر ملک ہونے کے سبب تار کا نرخ اور اسٹامپ کا نرخ وہی ہوگا جو عرب ایران یا افغانستان

یا دوسرے ممالک کا ہے، اور اس طرح یہ سلسلہ بھی بڑی حد تک ختم ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں، بندرگاہ کراچی اور اِن ۔ ڈبلو ۔ ریلوے کی طرح پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف کا بھی جملہ اثاثہ اور سرمایہ حکومتِ ہند ہی کی ملکیت ہے، جسے ایک کثیر رقم ادا کر کے خریدنا پڑے گا۔

یہاں پنجاب کی نہروں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جن کی آب پاشی کی بنا پر سارے پنجاب کی زراعت کا دارومدار ہے پاکستان بن جانے کے بعد یہ نہروں کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔ کئی نہریں غیر پاکستانی علاقے میں چلی جائیں گی، اور کئی نہروں کے دہانے ہندوستان میں چھوٹ جائیں گے۔ غرضیکہ اُن نہروں کے سبب پاکستان کے ایک بڑے علاقے کی زراعت تباہ ہو جائے گی جس کا اثر صوبے کے مالیہ پر پڑے گا، اور نئی نہریں بنانے میں کروڑوں روپے درکار ہوں گے۔

غرضیکہ مرکزی صیغوں کی آمدنی کا کوئی بھروسہ نہیں اور اگر بفرضِ محال یہ تمام کی تمام چیزیں پاکستان کو مل بھی جائیں تو پاکستان ہمیشہ اس بوجھ کے نیچے دبا رہے گا، اور دوسرے معنوں میں حکومتِ ہند کا غلام بنا رہے گا۔ جس طرح آج اینگلو پرشین آئل کمپنی کے یورپین سرمائے کے بوجھ سے دب کر ایران غلام بنا ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم مسئلہ دفاع کا ہے۔ اور موجودہ دنیا میں دفاع کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے کہ آزاد ممالک کے بجٹ کی تقریباً ۵۰ فیصدی رقم اسی کے لئے وقف ہوتی ہے۔ پاکستان کے دفاع (DEFENCE) کے سلسلے میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) آیا پاکستان اور ہندوستان کی دفاع مشترک ہوگی یا (۲) پاکستان اپنی دفاع کا انتظام خود کرے گا۔

ظاہر ہے کہ اگر پاکستان اور ہندوستان کی دفاع مشترک ہوگی تو حکومتِ ہند کو کم از کم اتنی رقم ضرور ادا کرنی پڑے گی جو موجودہ صورت میں مسلم صوبے، مرکزی صیغوں کے ذریعہ حکومتِ ہند کو ادا کرتے ہیں۔ یعنی ملکی دفاع میں ان کا چندہ نو دس کروڑ سالانہ سے کم نہیں ہو سکتا۔ لیکن بصورتِ دیگر اگر پاکستان اپنی دفاع کا انتظام خود کرے گا تو اس کی صورت دوسری ہوگی۔

پاکستان کی دفاع

پاکستان کی دفاع کو ذہن میں رکھ کر پاکستان کے نقشے پر نظر ڈالتے ہی ہمیں دو سرحدیں نظر آتی ہیں، جن کی محافظت پاکستان کو کرنی پڑے گی (۱) اوّل شمالی و مغربی سرحد اور دوسرے (۲) مشرقی سرحد یعنی پاکستان اور ہندوستان کی درمیانی سرحد۔

شمالی و مغربی سرحد

جنگ کے دوران میں حکومتِ ہند تقریباً ۳۔۴ ارب روپیہ سالانہ صرف دفاع پر صرف کر رہی تھی۔ لیکن امن کے زمانے میں حکومتِ ہند تقریباً ۵۰ کروڑ روپے سالانہ دفاع پر صرف کرتی ہے۔ جس میں ۳۵ کروڑ سالانہ کی رقم صرف

ہندوستان کے دفاعی اخراجات

سنہ	رقم
۱۹۴۲-۴۳ء	۵ ارب ۹۲ کروڑ ۷۰ لاکھ
۱۹۴۳-۴۴ء	۷ ،، ۴۲ ،، ۲۳ ،،

اس رقم میں حکومتِ ہند کا چندہ حسب ذیل تھا

سنہ	رقم
۱۹۴۲-۴۳ء	۳ ارب ۲۵ کروڑ ۴۸ لاکھ
۱۹۴۳-۴۴ء	۴ ،، ۴۳ ،، ۳ ،،

شمالی و مغربی سرحد کی دفاع پر صرف ہوتی ہے۔

شمالی و مغربی سرحد ہر لحاظ سے اہم ہے۔ یہ سرحد ہمالیہ سے ملی ہوئی، تقریباً ایک ہزار میل تک پھیلی ہوئی ہے (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۷) جس میں ۸ درّے ہیں اور اس کی بلندی کسی مقام پر بھی ۶ ہزار فیٹ سے زیادہ نہیں۔ ان درّوں میں خیبر اور بولان دو درّے بہت آسان ہیں اور اکثر آمد و رفت ان کی دو درّوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ان میں ایک درّہ کاراکورم کی پہاڑیوں سے نکل کر سنکیانگ یعنی چین کی سرحد سے بھی جا ملتا ہے۔ ماضی میں ہندوستان پر جس قدر حملے ہوئے ہیں وہ ان ہی دو راستوں سے ہوئے ہیں۔ حکومتِ ہند کو جو سب سے بڑا کھٹکا رہا ہے، اور جو برطانیہ کی سرحدی پالیسی پر فیصلہ کن اثر ڈالتا رہا ہے وہ روس ہے۔ لیکن یہ خطرہ روس کی موجودہ قابلِ رشک طاقت کے سبب اب اپنی انتہائی منزل پر پہنچ گیا ہے۔ یہ خطرہ صرف ہندوستان کے لئے نہیں، بلکہ مشرقِ قریب کے تمام ممالک یعنی ٹرکی سے لے کر ایران اور ہندوستان تک کے لئے یکساں ہے۔ روس بڑھتے بڑھتے ہندوستان کی سرحد تک آ لگا ہے۔ اور ہندوستان اور روس کے درمیان صرف افغانستان کا ایک چھوٹا سا ملک رہ گیا ہے۔ بعض مقامات پر تو ہندوستان اور روس کے درمیان صرف ۵۰ میل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ مثلاً کشمیر میں گلگت کے پاس ہی یارقند کا روسی صوبہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہندوستان، چین، روس اور افغانستان، چار ممالک کی سرحدیں ملتی ہیں۔ کیونکہ یارقند سے پورب سنکیانگ کا چینی صوبہ، روسی سرحد سے بالکل ملا ہوا ہے۔
روس جس طرح اپنا آہنی پنجہ سارے ایشیا پر ڈالنا چاہتا ہے وہ عیاں ہے۔ بیسیوں مسلم ممالک کو یہ ہضم کر چکا ہے، اور آج ٹرکی سے لے کر ایران اور ہندوستان تک ہر ملک پر اس کے دانت گڑے ہوئے ہیں۔ کوہ قاف میں اس کے زبردست فوجی اڈے ہیں، اور ایران میں بھی اس کے فوجی دستے موجود ہیں۔ چنانچہ آج برطانیہ کو سب سے بڑا خطرہ روس ہی کا ہے اور وہ ہندوستان کو جو کچھ دینا چاہتی ہے، اس میں اس کی یہی غرض پوشیدہ ہے کہ ہندوستان میں ایک قوی حکومت قائم کر کے، سارے ملک کو روس کے خلاف صف آرا کر دیں۔ اور ہندوستان کی بعض جماعتیں، جیسے کمیونسٹ پارٹی اسی لئے ایک قوی حکومت کے قیام میں روڑے اٹکا رہی ہے کہ ہندوستان کو کمزور اور منتشر رکھا جائے تاکہ روس، بلقان کی طرح، ہندوستان میں بھی بلا مزاحمت داخل ہو جاوے۔

دوسری طرف ایک آزاد اور زندہ چین ہے جو پاکستان کے لئے ایک علٰحدہ خطرہ بن سکتا ہے۔ چین کی موجودہ پالیسی خواہ کچھ بھی ہو۔ لیکن طاقتور پڑوسیوں کی موجودگی میں دفاع کا تو خاطر خواہ انتظام کرنا ہی پڑتا ہے۔

ہم نے سرزمینِ آئین کا ذکر نہیں کیا، جس کے آزاد قبائل، جو زمانہ قدیم سے آج تک کسی کے غلام نہ بن سکے (اور ایک طرف اگر برٹش سامراج اپنی ساری قوتوں کے ساتھ انھیں زیر کرنے سے عاجز رہا، تو دوسری طرف افغانستان ان کا ہم مذہب اور مشترک تمدن رکھتے ہوئے بھی، انھیں اپنے میں نہ ملا سکا) کیونکہ یہ ہے، ان قبائل سے متعلق مسلمان ہونے کے ناطے مسلمانوں کو شاید کچھ خوش فہمی ہو۔ لیکن ان قبائل کی موجودگی شمالی و مغربی سرحد کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔

الغرض ہندوستان سے علٰحدگی کے بعد پاکستان کے لئے سب سے بڑا خطرہ ان ممالک کا ہوگا، اور سب سے زیادہ بار شمالی و مغربی سرحد کی دفاع کا پڑے گا۔ موجودہ صورت میں حکومتِ ہند امن کے زمانے میں، اسی سرحد پر ۷۰ ہزار انگریز فوج، اور ایک لاکھ ۷۰ ہزار ہندوستانی فوج رکھتی ہے، جس پر حکومتِ ہند کو ۵۰ کروڑ سالانہ کا صرفہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک آزاد پاکستانی حکومت کو بھی اگر وہ اس میں مزید اضافہ نہ کر سکی، تو کم از کم اس تعداد کو تو برقرار ہی رکھنا پڑے گا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کو ۵۰ کروڑ روپے سالانہ کی رقم صرف اس کام کے لئے وقف کرنی پڑے گی، جو اس کی مجموعی آمدنی سے بھی دوگنی ہے۔

مشرقی سرحد

لیکن شمالی مغربی سرحد سے کہیں زیادہ خطرناک اور جھگڑالو وہ سرحد ہوگی جو ہندوستان اور پاکستان کی حد فاصل ہوگی یہ سرحد (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۶) شملہ کی پہاڑی سے اتر کر شروع ہوگی اور امرتسر، فیروزپور، بھاولپور، خیرپور، اور سندھ کو عبور کرتی ہوئی کچھ کے خلیج سے جا ملے گی۔ یہ سرحد تقریباً ۱۵۰۰ سو میل لمبی ہوگی۔ یعنی اس محاذ کی لمبائی اتنی ہی ہوگی جتنی روس اور جرمنی (لینن گراڈ سے لیکر کوہ قاف تک) کے جنگی محاذ کی لمبائی تھی اس سرحد پر کوئی قدرتی روک جیسے دریا، سمندر یا پہاڑ بھی نہ ہوں گے بلکہ یہ سرحد بالکل کھلی ہوئی (OPEN) ہوگی لہذا پاکستان کو فرانس کی طرح اس سرحد کی حفاظت کے لئے کھربوں روپے کے صرف سے فولاد اور کنکریٹ کی ایک میجنو لائن (MAGINOT LINE) بنانی پڑے گی۔

ان دونوں ملکوں میں یقینی جھڑپیں بھی ہوا کریں گی کیونکہ جب ہندو اور مسلمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تو پھر دو کافر دوست پڑوسی حکومتیں کس طرح بغیر لڑے بھڑے رہ سکتی ہیں۔ اور ان دونوں کے پاس لڑائی کے اسباب بھی ہوں گے۔ یعنی پاکستان میں ہندوؤں کی موجودگی، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودگی جو پانچویں دستے کا کام کریں گے۔ پاکستان یہ کبھی نہ بھولے گا کہ کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں پر کس طرح عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا اور ہندوستان یہ کبھی نہ بھولے گا کہ پاکستانی صوبے ہندوستان کا جز ہیں، اور انھیں ہر قیمت پر واپس لینا چاہئے۔ جس طرح آج جنگ کے بعد ہر طاقت ور ملک پرانے مردے اکھیڑ رہا ہے، اور اپنے ملک کے ضائع شدہ اضلاع کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

الغرض پاکستان کو اس نازک سرحد کی حفاظت کرنی پڑے گی، جس کے لئے چالیس پچاس کروڑ سالانہ کی رقم علٰحدہ چاہیے۔ علاوہ ازیں موجودہ جنگ انسانوں کی نہیں، بلکہ مشینوں کی جنگ ہے اور ایک ایک دستے کے لئے کروڑوں کا سامان حرب درکار ہوتا ہے عہ۔ غرضیکہ پاکستانی فوج کو جدید آلات سے مسلح کرنے کے لئے علٰحدہ اربوں، بلکہ کھربوں روپے کی ضرورت ہے جس کے متعلق شاید پاکستان سوچ بھی نہیں سکتا۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جنگی صنعتوں (WAR INDUSTRIES) کے لئے بھی دھاتی معدنیات یعنی لوہا، کوئلہ، میگنیز وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا پاکستان میں فقدان ہے۔

لیکن دوسری طرف ہندوستان تمام قدرتی وسائل سے مالا مال ہوگا، اور ۵۰ لاکھ کی مستقل فوج بڑی آسانی کے ساتھ رکھ سکے گا۔ بلکہ ہندوستان تو پاکستان سے اپنا مقابلہ بھی توہین سمجھے گا اور اس کے مد مقابل ایشیا میں یا تو روس ہو سکتا ہے، یا چین اور ان دونوں کی ہر آویزش میں پاکستان کو ضمیمہ کی طرح بلا ارادہ بھی پسنا پڑے گا۔

میں نے بحری بیڑے کا ذکر نہ کیا جو پاکستان کے ساحل اور خاص کر کراچی بندر کے حفاظت کے لئے درکار ہوگا، اور جس کے لئے پاکستانی حکومت کو ۲۵۔۳۰ کروڑ کی سالانہ رقم الگ نکالنی پڑے گی۔

غرضیکہ دفاع کا مسئلہ اب اتنا پیچیدہ ہوگیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے ممالک اسے سوچ بھی نہیں سکتے اور وہ اسی لئے کسی بڑے ملک سے مل جانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہ اپنی قلیل آمدنی کو ہاتھیوں اور جنگی سامانوں پر خرچ کرنے کے بجائے، اپنی قوم کی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ اس جنگ نے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے دور کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ یورپ میں حق خود ارادیت دیکر سیکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنانے کا حشر بھی ہم نے دیکھ لیا۔ لیکن افسوس کہ آج جب کہ ملایا، انڈونیشیا، انڈو چائنا، ہندوستان سے مل کر متحدہ محاذ بنانے کی کوشش

عہ ایک برطانوی ٹینک کی قیمت ایک لاکھ ۶۰ ہزار روپے ہوتی ہے۔ طیارہ کی قیمت ۲ لاکھ۔ طیارہ شکن توپ ۱ لاکھ ۵ ہزار۔ معمولی توپ ۵۰ ہزار۔ وغیرہ وغیرہ

کر رہا ہے، ہمارے بھائی اس نعمت کے موجود ہوتے ہوئے اور اس عظیم الشان ملک کا ایک جزو ہوتے ہوئے بھی اس سے کفران نعمت کر رہے ہیں، اور ے ٹھکرا کر ایران، شام، فلسطین وغیرہ کی طرح مفلس، قلاش اور پریشان ہونا چاہتے ہیں۔

عجیب و غریب منطق

مختصر یہ ہے کہ اقتصادی طور پر پاکستان کے پاس اتنے وسائل موجود نہیں کہ وہ ایک آزاد حکومت کا بار برداشت کر سکے۔ لیکن اس سلسلے میں حامئین پاکستان ایک عجیب و غریب منطق پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں بیرونی مال کی درآمد بڑھے گی اور اس کے نتیجے کے طور پر پاکستان کی چنگی کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو۔

"علیحدگی کے بعد، مقامی صنعتوں کی عدم موجودگی کے سبب ہمارے صوبے بدیسی برآمد کو بہت زیادہ بڑھا دیں گے جس سے کراچی کی چنگی کی آمدنی میں مزید اضافہ ہوگا اور ہمیں اس سے کافی مدد ملے گی۔"

("سپرشن" مصنفہ ایک پنجابی، صفحہ ۳۱)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پاکستانی حضرات غیر ملکی مصنوعات کی درآمد کو کم کرنے اور اپنی ملکی مصنوعات کو ترقی دینے کے بجائے زیادہ سے زیادہ چنگی حاصل کرنے کے لئے درآمد کی مقدار بڑھانا چاہتے ہیں، ایسی زبردست کاروباری سوجھ شاید ہی دنیا کے کسی ملک کو ہو، جس قدر ہمارے ان پاکستانی بھائیوں کو ہے، چنگی تو جب ہی ملے گی، جب پاکستان زیادہ مال خریدے گا۔ یعنی جب پاکستان دس کروڑ کا مال خریدے گا جبھی دس لاکھ روپے چنگی کے ملیں گے، بالفاظ دیگر آپ دس کروڑ روپے غیر ممالک کو نذر کرنے کے بعد دس لاکھ روپے چنگی کے حاصل کریں گے۔ قربان جائیں اس سمجھ بوجھ کے۔

اتنا ہی نہیں یہ چنگی کی لالچ پاکستان میں صنعت و حرفت کو کبھی بڑھنے ہی نہ دے گی کیونکہ ملکی دولت رفتہ رفتہ دوسرے ممالک کو جاتی رہے گی۔ اور پاکستان کے پاس نہ پیسے ہوں گے نہ صنعت و حرفت میں وہ آگے بڑھ سکیں گے۔ لیکن اس سے زیادہ عبرت انگیز وہ ذہنیت ہے جس کا مظاہرہ مرحوم سر عبد اللہ ہارون نے کیا تھا۔ لنکاشائر کے پارچہ بافوں کے وفد سے ملاقات کے بعد آپ نے ۲۵ مئی ۱۹۳۰ء کو شملہ میں حسب ذیل بیان دیا تھا۔

"جہاں تک اعداد و شمار مجھے مل سکے ہیں، یہ امر عیاں ہے کہ ترجیحی چنگی کی تخفیف کے باوجود، پچھلے پانچ برسوں میں لنکاشائر سے ہندوستان کی درآمد ۵۰ فی صدی تک گھٹ گئی ہے۔ لہٰذا یہ ایک قدرتی بات تھی کہ لنکاشائر کا وفد ہندوستان سے اس قدر درآمد کرنے کے لئے کوشاں نہ تھا جو آج سے دس یا پندرہ سال قبل حاصل تھی۔ یعنی ایک ارب بیس کروڑ گز سالانہ، بلکہ اب وہ چالیس کروڑ گز سے کچھ اوپر کی خریداری چاہتا تھا، جو اس کی (لنکاشائر) گزشتہ تین برسوں کی سالانہ اوسط ہے۔ اس کے بدلے میں لنکاشائر ہندوستانی روئی زیادہ مقدار میں خریدنے کے لئے تیار تھا، جیسا کہ گذشتہ تین برسوں سے اس کا قاعدہ رہا ہے۔ لیکن ہندوستانی صنعت پارچہ بافی کے نمائندوں کے خود غرضانہ رویہ کی بنا پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ کیونکہ یہ نمائندے لنکاشائر کو خاطر خواہ ترجیح دینے کے معتبار نہ تھے جس سے لنکاشائر ہندوستانی بازار میں اپنے مال کی ایک مناسب مقدار پہنچا سکتا۔ بہرحال کسی طرح یہ معلوم ہوا کہ اگر لنکاشائر والوں کو اس قدر کپڑا ہندوستان بھیجنے کی اجازت دے دی جاتی جو گزشتہ پانچ برسوں

تیار تھے"۔ بس ان کا اوسط ہاہے تو وہ ہمیں ہماری روئی کی خریداری کا یقین دلانے کے لئے

یعنی آپ کا یہ مطلب ہے کہ اپنی روئی بیچنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ ہم لنکاشائر کا زیادہ سے زیادہ کپڑا خریدیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ لنکاشائر کے ہاتھ دس بیس لاکھ روپے کی روئی بیچ کر چالیس کروڑ گز کپڑا خریدنے کی دانش مندی ہندوستان کے نرتہ پروروں کے سوا کس کو سوجھ سکتی ہے۔ یہاں ناظرین کو مسلم نرتہ پروروں کا وہ شاہکار یاد دلانا چاہتا ہوں جب کہ انھوں نے دہلی میں ایک لیگ مسلم کمپنی اس غرض سے قائم کی تھی کہ کانگریس کے بائیکاٹ کا لنکاشائر پر کوئی اثر نہ پڑے، اور ولایتی مصنوعات کو مسلمانوں میں مقبول بنایا جائے۔

بہرحال آپ کچا مال زیادہ دوسروں پر بیچنے کے لئے تیار شدہ مال خریدتے رہیں گے اور جب تک ممالک غیر سے تیار شدہ مال آتا رہے گا، کوئی ملکی صنعت و حرفت فروغ نہ پا سکے گی، اور یہ چکر چلتا ہی رہے گا، ورنہ یہاں کچا مال رہے گا نہ صنعت و حرفت یہاں تک کہ پاکستان ہمیشہ ایک زراعتی ملک بنا رہے گا، اور اقتصادی طور پر دوسرے ممالک کا غلام رہے گا۔ بڑے بڑے ممالک یہی تو چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا ملک ہاتھ آئے جو کچا مال انھیں سپلائی کرتا رہے، اور ان کا تیار شدہ مال خریدتا رہے گا۔ اور یہ چیزیں انھیں پاکستان میں بدرجہ اتم حاصل ہو سکتی ہیں۔

بہرحال ان تمام پہلوؤں کو مطالعہ کرنے کے بعد ہر ذی ہوش انسان یہی فیصلہ کرے گا کہ ان صوبوں کا فائدہ ہندوستان کے رہنے میں ہے کیونکہ اس طرح وہ ہندوستان کے درخشاں مستقبل کے حصہ دار بن سکتے ہیں۔ آج ہندوستان قدرتی طور پر ایشیا کا لیڈر ہے اور جاپان کے خاتمے کے بعد ایشیا میں ہندوستان ہی وہ ملک ہے جو صنعت و حرفت میں سب سے آگے ہے اور جو اس وقت تمام ایشیائی ممالک اور مشرق قریب کے مسلم ممالک کو کپڑا اور دوسرا سامان بہم پہنچا رہا ہے جب یہ عظیم الشان ملک آزاد ہوگا تو دس سال کے اندر امریکہ اور یورپ کا مقابلہ کر سکے گا۔ اس عمومی ترقی میں ہمارا بھی حصہ ہوگا اور ایک صنعتی آزاد ہندوستان اربوں اور کھربوں روپے جو تعلیم اور دوسرے رفاہ عام پر خرچ کرے گا اس سے مسلم صوبے بھی مستفید ہوں گے اور ایک مشترک ملک میں ہمارے لئے بہ نسبت ایک مفلوک الحال ملک کے ترقی کے زیادہ مواقع ہوں گے اور ہم اس کی عظمت میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

[نوٹ:۔ مسئلہ پاکستان پر انیس الرحمٰن صاحب کے مندرجۂ بالا مضامین آپ کی ایک مبسوط تصنیف کے مختلف ابواب ہیں۔ جو اس مسئلے سے متعلق لکھی جا رہی ہے، یہ تصنیف ہنوز زیر تکمیل ہے، اور امید کی جاتی ہے کہ بہت جلد مکمل ہو کر شائع ہونے والی ہے۔
ایڈیٹر]



سیاسی اور اجتماعی علوم کی چند بہترین کتابیں

کمپنی کی حکومت ۔ از باری ۔ یہ کتاب انگریزوں کی پُر فریب سیاست اور ان کے وحشیانہ مظالم حرص وطمع اور شرافت انسانی سے عاری اخلاق کی بے نقاب تصویر ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے میں انگریزوں نے جو مظالم ڈھائے ہیں انکی شان چنگیز و ہلاکو کی تاریخ میں بھی مشکل سے ملتی ہے (معارف) چوتھے ایڈیشن میں سو صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے ۔ قیمت چار روپے

آزادی کی راہیں :۔ (برٹرینڈ رسل) تحریک آزادی کی داستان بہت پرانی داستان ہے ۔ اس کتاب میں مغربی مفکر برٹرینڈ رسل نے اُن تحریکوں کا ذکر کیا ہے ۔ جن کی گود میں آزادی پلی ہے ترجمہ نہایت شستہ ۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

پاکستان اور اچھوت ۔ چوہدری افضل حق صاحب کی یہ کتاب ہندو مسلم تعلقات کو ایک اچھوتے رنگ میں پیش کرتی ہے ۔ یہ تحریر ہندوستان کے دور بیٹھے ہوئے کسی مفکر کی نہیں بلکہ اُس شخص کے خیالات ہیں جس کی تمام عمر ملک عزیز کی خاطر تکلیفوں میں گزری ۔
قیمت انگریزی ایڈیشن دو روپے چار آنے ۔ اردو ایڈیشن ایک روپیہ چار آنے ۔

مقالات ابوالکلام ۔ (انگریزی) آل پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے مولانا ابوالکلام آزاد پر بڑے بڑے لیڈروں اور ادیبوں سے مضامین لکھوا کر جمع کئے ہیں ۔ ان مضامین کے پڑھنے سے مولانا کی شخصیت کی عظمت نمایاں طور پر اُبھر آتی ہے ۔ اس کے مضامین نگاروں میں جواہر لال نہرو، راجگوپال آچاریہ، مسٹر نائیڈو، جان گنتھر، مہادیو ڈیسائی، یوسف مہر علی، مسٹر آصف علی اور سلیمان ندوی نے کی ہیں ۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ ۔

گاندھی ازم، نیشنلزم، سوشلزم، ہندوستان میں آجکل ان نظریوں کا تصادم ہو رہا ہے ۔ بعض لوگ گاندھی ازم کو نیشنلزم کے ہم معنی خیال کرتے ہیں، اور بعض کے نزدیک نیشنلزم اور سوشلزم مت ہم آہنگ ہندوستان کی سیاسیات جس بحرانی دور سے گزر رہی ہے اس میں اس قسم کا ابہام ناگزیر اور لازمی ہے ۔ لیکن جب تک نظریاتی الجھنیں ختم نہ ہو جائیں صحیح سیاسی اقدام ممکن نہیں ۔ ہندوستان کے مشہور انقلابی رہنما ایم این رائے نے اس کتاب میں جذبات سے بلند ہو کر نظریاتی بحث کی ہے ۔ رائے کی قابلیت کے صرف دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی معترف ہیں ۔ ہندوستان کی تاریخ جدیدہ کے طالب علموں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے ۔ ترجمہ از گوپال　　　قیمت ڈیڑھ روپیہ

کارل مارکس :۔ یہ باری کی تالیف ہے ۔ جس میں کارل مارکس کے حالات اور اُس کے سیاسی و معاشی نظریوں سے بحث کی گئی ہے ۔ مارکس ہی وہ پہلا مفکر ہے جس نے تاجرانہ تہذیب کی اخلاقی کمزوریوں کو طشت از بام کیا ہے ۔ باری صاحب نے جدید ایڈیشن میں پچاس صفحوں کا اضافہ کر دیا ہے ۔ اور اسے ایک مستقل و جامع رسالہ کی حیثیت دے دی ہے ۔
قیمت سوا روپیہ ۔

سوشلزم :۔ یہ کتاب کارل مارکس کے دست راست فریڈرک اینگلز کا شاہکار ہے جس میں سوشلزم کے ہر پہلو پر واضح اور صحت مندانہ بحث کی گئی ہے ۔ نئے ایڈیشن میں پچاس صفحات کا اضافہ کر کے کئی ایک مسائل کو بنیادی اصولوں کی روشنی میں دکھایا گیا ہے ۔ ضخیم مجلدات کے بجائے اس جامع کتابچہ کا مطالعہ کرنا زیادہ مفید ہے ۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

مشین اور مزدور :۔ اس کتاب میں مشینوں کی ایجاد سے قبل مزدور طبقہ کی سماجی حیثیت اور سوشل پوزیشن پر بحث کی گئی ہے اور مشینوں کی ایجاد نے انکی علمی، مالی اور سوشل حیثیت پر جو اثر ڈالا ہے ۔ اُس کو بھی ظاہر کیا گیا ہے ۔ ہندوستان کی مزدور تحریک کی مکمل تاریخ مزدور جماعت کے نظام اور کرنی کا نگار یونینوں کی تشکیل کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے ۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے ۔

سامراج :۔ غیر ملکی سرمایہ دار اپنے اقتدار کے لئے کس طرح غلام ممالک کے خلاف اپنے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں ۔ جدید سیاسیات اور مباحث سے دلچسپی رکھنے والوں اور شہنشاہیت کے اجارہ داروں کی چالیں سمجھنے کے لئے یہ کتابچہ ایک بیش بہا خزانہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ترجمہ ساحر لدھیانوی ۔ زیر طبع ۔

انقلاب فرانس ۔ (باری) تاریخ کیا ہے (باری)، تاریخ یونان (باری)، توزک بابری (باری)

آٹھ آنہ والی کتابوں کا سیاسی سلسلہ :۔ سلطنتِ روما (باری) انقلاب کی تاریخ (گوپال متل)، گورکی کی ڈائری (حسن عباس)، استالین (ٹراٹسکی) عصمت انونود (ثریا مدیان)، ٹراٹسکی (نریندر سیٹھ)، ہمارا لینن (ملیح آبادی)، لینن بحیثیت ایک انسان (کلارا زٹکن)، ہندوستان کے لیڈر (یوسف مہر علی)، سبھاس بوس (گوپال متل)، جواہر لال نہرو (گوپال متل)، گاندھی (گوپال متل)، ابوالکلام آزاد (عبداللہ بٹ)، مارشل ٹیٹو (عبداللہ ابراہیم)، نپولین (ایچ اے فیشر)، فاسزم (عبداللہ ملک)، مہاجن اور کسان (لینارڈ وام شف)، صاحب اور مذہب (لیونارڈ وام شف)، بابو اور مزدور (لیونارڈ وام شف)، سرمایہ داری (عبداللہ ملک)، جاگیردار (عبداللہ ملک)، آمریت (آرام قمر)، عربوں کی قومی تحریک (مسعود علی ندوی)، معیشت زر (ابن الحسن)، سوویت روس کے مزدور (گوپال متل)، سائنس اور دنیا (ایچ ۔ جی ویلز)، رائے کے مضامین (ایم ۔ این رائے)، سامراج (لینن)

ادب لطیف کا سالنامہ جنوری ۱۹۴۶ء میں شائع ہو رہا ہے ۔ ملنے کا پتہ :۔ **مکتبہ اردو لاہور**

دنیا کے بیس کرور غلام مسلمان

ملک	مسلم آبادی	سیاسی نوعیت
۱۔ ہندستان	۸ کرور	محکوم (برطانیہ)
۲۔ سعودی عرب	۳۰۰۰۰۰۰	نیم آزاد (برطانیہ)
۳۔ یمن	۵۰۰۰۰۰	نیم آزاد (برطانیہ)
۴۔ کویت	۵۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۵۔ شیوخ عرب	۱۰۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۶۔ قطار	۲۵۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۷۔ بحرین وغیرہ	۱۲۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۸۔ مصر	۱۲۹۲۹۲۶۰	نیم آزاد (برطانیہ)
۹۔ کنیا	۱۵۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۰۔ زنجبار	۵۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۱۔ برطانوی صومالی لینڈ	۳۴۴۷۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۲۔ جنوبی افریقیہ	۵۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۳۔ نائجیریا	۱ کرور	محکوم (برطانیہ)
۱۴۔ اشانتی	۱۰۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۵۔ سوڈان	۵۰۰۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۶۔ ٹنگن یکا	۲۵۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۷۔ برطانوی بورنیو	۱۵۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۱۸۔ قبرص	۶۴۲۳۸	محکوم (برطانیہ)
۱۹۔ ملایا وفاقی ریاستیں مسلم حکمران	۱۰۰۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۲۰۔ ملایا غیر وفاقی ریاستیں (۵ مسلم حکمران)	۱۰۰۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۲۱۔ فلسطین	۸۵۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۲۲۔ شرق اردن	۲۶۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۲۳۔ عدن حضرموت	۵۰۰۰۰۰	محکوم (برطانیہ)
۲۴۔ عراق	۲۸۰۰۰۰۰	نیم آزاد (برطانیہ)
۲۵۔ مراتش	۲۶۵۰۰	محکوم (برطانیہ و فرانس)
۲۶۔ افغانستان	۱ کروڑ	آزاد
۲۷۔ ایران	۱۰۳۵۰۰۰۰	آزاد
۲۸۔ البانیہ	۶۸۸۲۸۰	محکوم (اطالیہ)
۲۹۔ حبش	۴۰۰۰۰۰۰	نیم آزاد (برطانیہ)
۳۰۔ چین	۲ کرور	آزاد (جاپانی)
۳۱۔ شام وغیرہ	۱۵۱۴۷۵۵	محکوم (فرانس)
۳۲۔ الجزائر	۶۳۰۰۰۰۰	محکوم (فرانس)
۳۳۔ طیونس	۲۱۶۰۰۰۰	محکوم (فرانس)
۳۴۔ فرانسیسی سومالی لینڈ	۱۰۰۰۰	محکوم (فرانس)
۳۵۔ فرانسیسی مغربی افریقہ	۵۰۰۰۰۰۰	محکوم (فرانس)
۳۶۔ اطالوی ارتیریا	۲۵۰۰۰۰۰	محکوم (اطالیہ)
۳۷۔ اطالوی سومالی لینڈ	۵۰۰۰۰۰	محکوم (اطالیہ)
۳۸۔ طربس	۶۲۵۰۰۰	محکوم (اطالیہ)
۳۹۔ مراکش	۵۸۷۴۸۸۸	محکوم (فرانس)
۴۰۔ مراکش	۷۲۵۰۰۰	محکوم (اسپین)
۴۱۔ جاوہ سوماترہ بورنیو سیلبیز وغیرہ	۳½ کرور	محکوم (ڈچ)
۴۲۔ ترکی	۱۳۳۰۰۰۰۰	آزاد
۴۳۔ یوگوسلاویہ	۱۵۶۱۰۰۰	آزاد
۴۴۔ رومانیہ	۲۶۰۰۰۰	آزاد
۴۵۔ سیام	۵۰۰۰۰۰	آزاد
۴۶۔ روس	۱ ۳/۴ کرور	آزاد



کیلیکو کے کپڑوں کو سارے ہندوستان کے نفاست پسند اور شوقین حضرات خریدتے ہیں۔ اُنکی نظر انتخاب صرف کیلیکو پر اسلئے جاتی ہے کہ اس کے کپڑے دیکھنے میں خوشنما، مضبوطی اور بناوٹ و نفاست میں لاجواب اور انتہائی مرغوب رنگوں کے بنے ہوتے ہیں

کیلیکو یعنی وہ دیدہ زیب کپڑے جن کی پائیداری مشہور ہے

کتاب دوم

لکھنے والے

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب

ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب حیدرآبادی

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلمائے ہند

مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری

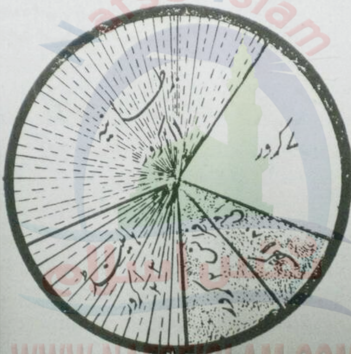
سر آردیشیر دلال رکن مجلس منتظمہ حکومت ہند

پروفیسر عبد المجید خاں فورمین کرسچین کالج لاہور

سید علی ظہیر صاحب بار ایٹ لا صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس

مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیتہ العلمائے ہند

ذیل کے ڈائیگرام سے آپ مسلمانوں کی آزادی اور غلامی کی تعداد معلوم کریں



پاکستان کیا ہے؟

حقیقتِ پاکستان اور اُس کا پسِ منظر

از ——— شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی (مدظلہ) صدر جمعیۃ العلماء ہند و صدر کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

اس زمانہ میں پاکستان کے متعلق بہت زیادہ شور و غوغا ہے۔ اور اس کو اس قدر اہمیت دی جا رہی ہے کہ اُسی کو مدار الکشن قرار دیا جاتا ہے! اور اُسی کے نام پر ووٹ طلب کیا جاتا ہے! اور اُسی کو زعماء لیگ مسلمانان ہند کی جملہ مشکلات کا حل بتلا رہے ہیں۔ اخباروں اور مجلّوں کے صفحات اس کے محاسن اور فوائد سے بھرے جا رہے ہیں۔ پلیٹ فارموں اور جلسوں میں اُس پر دھواں دھار تقریریں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بھی ان ہی وجوہ سے غور و خوض کی ضرورت پیش آئی۔ مگر باوجود جد و جہد بلیغ اس کی نرا فیت سمجھ میں نہیں آئی۔ بلکہ اس کے برعکس پاکستان میں ہم نے مسلم اکثریت والے صوبوں اور مسلم اقلیت والے صوبوں دونوں کے مسلمانوں کے لئے نقصان اور ضرر ہی کو غالب پایا۔ اپنی تفتیش اور اطلاعات کی بموجب جس قدر معلومات حاصل ہوئی ہیں، اُن کو پیش کرنا ضروری سمجھا! ناظرین سے ہماری درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل اُمور پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ محض جذبات کی رو میں نہ بہیں! سب سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کا منبع اور ماخذ تلاش کریں اور اس کے بعد دیگر ضروری اُمور پر نظر ڈالیں۔ لیکن منبع کی سراغ رسانی سے پہلے بطور تمہید ہم چند ضروری باتیں عرض کرنا واجب سمجھتے ہیں۔

(۱) موجودہ دور میں شہنشاہیتوں اور حکومتوں کا مدار بہ نسبت نگہداری حاریات کے اقتصادیات اور اس کے ذرائع و اقسام زراعت، تجارت اور اس کے ذرائع، صنعت اور اس کے شعبے اور ذرائع بہت پیش نظر رہتے ہیں۔ معادن اور اُن کے محاصل و انواع سب سے زیادہ ملحوظ نظر ہوتے ہیں۔

یورپین اقوام اور اُن کے بسروں کی نقل و حرکت اور افریقہ وایشیا وغیرہ میں حکمرانی اور آمد و رفت اسی بنا پر شروع ہوئی اور اب بھی ان ہی اُمور کی بنا پر جگہائے عظیم ظہور پذیر ہوئیں۔ برطانوی اقوام کا ہندوستان میں آنا اور قدم جمانا اسی وسیلہ سے ہوا۔ پہلے پہل تو اُن کی سوداگری پھیری والوں کی طرح رہی پھر رفتہ رفتہ دکانداری کا طریقہ اختیار کیا اور یہ دور ۱۶۰۱ء سے تقریباً ۱۷۰۸ء تک رہا۔ اس کے بعد اُن کی باقاعدہ کمپنی بن گئی اور جو تاجر علٰیحدہ علٰیحدہ کاروبار کرتے تھے اور جن کی مقدار سو تک پہونچی تھی' سب کی مشترک جماعت بنادی گئی "جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اُس نے باقاعدہ مراکز قائم کئے' کوٹھیاں کھولیں' مختلف سواحل پر قلعے بنائے ایجنسیاں قائم کیں' مختلف حیلوں سے نوابوں' راجاؤں' بادشاہوں کے درباروں میں رسوخ حاصل کیا' سنڈیکٹ اور مخصوص تجارتی امتیازات یکے بعد دیگرے حاصل کرتے گئے۔ ایسے ایسے خود غرضی کے قوانین تجارت بنائے کہ جن میں نہ تہذیب تھی نہ انسانیت! اور بقول ولیم ڈگبی انگلینڈ نے ہندوستان پر تجارتی تسلط قائم کردیا اور تجارتی لوٹ کھسوٹ اس طرح جاری کردی کہ ہندوستان ادھموا ہو کر رہ گیا۔

یہ دور ۱۷۰۸ء سے ۱۷۵۷ء تک رہا اس کے بعد پلاسی کی جنگ ہوئی اور خونخوار ڈاکوؤں کی جماعت بلکہ جابرانہ تسلط قائم کردیا اور ہر خزانہ اور دولت پر اپنا قبضہ جما کر انگلستان کو منتقل کردیا۔ اسی زمانہ میں تجارت ظالمانہ سے بھی لوٹ کھسوٹ ہوتی تھی۔ اور حکومت جابرانہ سے بھی برابر ڈاکہ زنی جاری رہی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں علانیہ طور سے ہندوستان سے دولت کے دریا انگلستان کو بہتے رہے جیسے کہ' لارڈ میکالے' کہتا ہے۔

"ہندوستان کے بیشمار خزانے اسی زمانہ میں انگلستان کو منتقل ہوئے"۔

یہ تسلط ۱۷۵۷ء سے ۱۸۳۲ء تک رہا اس کے بعد تسلط بذریعہ پوسٹ قائم کیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی خالص بادشاہ بن گئی۔ اُس نے قانونی بادشاہت قائم کرکے من مانے خود غرضی کے قوانین حکومت ایسے میٹھے الفاظ میں بنائے جن میں خوش معاملگی کا دکھاوا ہوتا رہا اور ہندوستانی قوم اور اُن کے اموال وغیرہ کو ازسرتاپا اپنی اغراض کی بھینٹ چڑھاتا جاری رہا۔ ڈگبی لکھتا ہے!

"مگر اس میں شک نہیں کہ آج بھی ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جارہا ہے۔ جتنا اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا' ہماری حکومت کی باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے۔ کلائیو اور ہیسٹنگس کی لوٹ اُس نکاس کے سامنے ہیچ ہے جو کہ ایک ملک کا خون جان بہا کر دوسرے ملک کو مالا مال کر رہا ہے"۔

اپنے ملک کی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی صنعت کا گلا گھونٹا۔ ہندوستانی تجارت کو فنا کیا۔ معادن پر قبضہ کیا۔ زراعت پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ اپنے ملک کی مصنوعات کو محفوظ کرنے اور ترقی دینے کے لئے انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات پر (آزادی تجارت کا فلسفہ دکھاتے ہوئے) بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ ادھر ہندوستان میں صناعوں اور کاریگروں پر مالی اور جسمانی تشدد عمل میں لائے گئے۔ تاآنکہ ہندوستان کا مال باہر جانا بھی بند ہوگیا! اور صنعت پیشہ قومیں کاروبار چھوڑنے پر مجبور کردی گئیں ایمپورٹ ڈیوٹی کا گیٹ کھولا گیا اور غیر محصول یا نہایت قلیل محصول سے انگلستان کی مصنوعات ہندوستان میں داخل کی گئیں اور ہر ہر منڈی میں ریلوں کے ذریعہ سے انگلستان کا مال پاٹ دیا گیا۔ معمولی معمولی گرانی پر لوگ بھوکے مرنے لگے اسی وجہ سے صرف ایک صدی میں یعنی ۱۸۰۰ء سے ۱۹۰۰ء تک میں ہندوستان میں اکتیس قحط پڑے!! اور تقریباً چار کروڑ ہندوستانی صرف بھوک کی وجہ سے موت کی نذر ہوگئے۔

انگلستان کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان میں ہر ہر بازار میں پٹی ہوئی نظر آنے گیں۔ انگلستان کے باشندے نہ صرف امیر بن گئے بلکہ زراعت وغیرہ چھوڑ کر صنعت اور تجارت میں منہمک ہو گئے۔ انگلستان کی مصنوعات کا فی صدی چونسٹھ (۶۴) حصہ ہندوستان میں کھپنے لگا۔ ۱۹۲۶ء میں صرف کپڑے اور سوت کی قیمت میں اسّی (۸۰) کروڑ روپیہ انگلستان کو گیا۔ الغرض برطانویوں کی عیش پرستی اور خوشحالی کا بڑا مدار ہندوستان میں اُن کی مصنوعات کی کھپت پر ہے۔ یہ تمام دنیا کی منڈیوں میں سب سے بڑی منڈی برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ جرمنی اور جاپان نے جب اس منڈی پر حریصانہ نگاہ ڈالنی شروع کی تو جنگ عظیم کے شعلے لپٹیں مارنے لگے!

علاوہ تجارت پر قبضہ جالینے اور ہندوستانی صنعت و تجارت کو فنا کر دینے کے ہندوستان کے تمام ان عہدوں اور حکومت کے تمام شعبوں کو جن کو انگریز قبول کر سکتا تھا اپنے قبضہ میں کیا گیا اور اُن کی اتنی بھاری بھاری تنخواہیں مقرر کی گئیں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے متمول ملکوں میں کہیں نہیں پائی جاتیں۔ فوج کے اعلیٰ عہدوں سے ہندوستانیوں کو بالکل محروم کر دیا گیا اور اُن انگریزوں کو جو کہ چند دنوں یہاں ملازمت کرتے ہیں وہ وہ تنخواہیں ہندوستان کے خزانہ سے مقرر کی گئیں جو کہ امریکہ، انگلینڈ، جاپان، جرمنی وغیرہ کہیں بھی نہ تھیں حتیٰ کہ معمولی انگریزی سپاہی کے لئے بھی ہندوستان کے خزانہ پر اتنا صرفہ ڈالا گیا جتنا ہندوستانی چار، پانچ سپاہیوں پر بھی نہیں پڑتا۔ مسٹر مانٹیگو نے ۱۹۱۹ء میں ہاؤس آف کامنس میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک ہندوستانی سپاہی پر سالانہ (۴۱۱ للعاتمہ) روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ایک برطانوی سپاہی پر (۱۹۷۱ للعاتمہ) روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ڈیفنس کے لئے کم از کم پچاس، ساٹھ ہزار سپاہی انگلینڈ کے باشندے یعنی گورے لازم قرار دئے گئے الغرض اس طریقہ سے سول اور فوجی ملازمین کی پنشنوں میں بقول "اے۔ جی۔ ولسن آف الیسٹوری ریویو" تین کروڑ پونڈ سالانہ ہندوستان سے وصول ہو کر انگلستان جاتا رہا۔

نیز ہندوستان میں انگریز ملازمین کی تنخواہوں کا یہ اندازہ بقول اگنس اسمیڈے (ماڈرن ریویو) تین کروڑ پونڈ سالانہ یعنی پینتالیس کروڑ روپیہ سالانہ جاتا رہا۔ اسی طرح انڈیا آفس لندن کے مصارف، ہندوستان پر قومی قرضہ کا سود، ریلوں، نہروں، معدنوں، جہازوں، کارخانوں وغیرہ میں جو روپیہ انگریزوں کا لگا ہوا ہے اور جس کی مقدار ۱۹۱۳ء تک پینتیس ارب پونڈ تھی اُس کا سالانہ منافع پینتیس (۳۵) کروڑ پونڈ تھا، یہ اور اس قسم کے دیگر طریقے دولت کھینچنے کے وہ غیر معمولی سیلاب دولت ہیں جن کی نظیر تمام دنیا میں نہیں ملتی! اسی بنا پر منٹگری مارٹن ۱۹۳۸ء میں لکھتا ہے "اگر دولت کا ایسا مسلسل اور روز افزوں سیلان انگلستان سے ہونے لگے تو ایک ہی دن میں وہ بھی محتاج ہو جائے پھر خیال فرمایئے کہ ہندوستان پر اس کا کیا اثر پڑے گا جہاں معمولی مزدور کو دو یا تین پنس روزانہ ملتی ہے!"

ڈبلیو ایس بلنٹ کہتا ہے۔ "میں ہندوستان کے مالیہ کے اسرار۔ بہترین اُستادوں سے حاصل کر رہا ہوں اور یہ اُستاد گورنمنٹ کے سکریٹری اور کمشنر وغیرہ ہیں میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اگر ہم اس طرح ہندوستان کو ترقی دیتے رہے تو ایک دن وہ آئے گا جبکہ ہندوستانی ایک دوسرے کو آپس میں کھانے لگیں گے! کیونکہ اُن کے پاس کھانے کے لئے سوائے اپنے ابنا جنس کے کچھ بھی باقی نہ رہے گا!!"

اس بیشمار لوٹ کھسوٹ سے اگرچہ ہندوستان موت کے گھاٹ اُتر گیا مگر انگلستان کی خوشحالی، عیاشی، سرمایہ داری، روز افزوں ترقی ہی کرتی رہی اور اُس کی سرمایہ اور دولت کی بھوک روز افزوں بڑھتی ہی رہی! جس طرح درندے کے اگر انسانی حقوق مُنہ کو لگ جاتا ہے تو وہ کبھی بھی انسانی خونخواری سے سیر نہیں ہوتا اور ہر کس و ناکس کو دیکھ کر اُس کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ یہی حال برطانویوں کا بہ نسبت ہندوستان ہو گیا۔

ہندے ٹائمز آف لندن (۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء) لکھتا ہے۔ "ہمیں صاف طور پر اس بات کو واضح کر دینا چاہیے کہ انگریز ہندوستان میں بجائے صحت کی غرض سے مقیم نہیں ہیں بلکہ اُن کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے، ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے اس لئے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد و مصلحت کے سراسر خلاف ہے۔ ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا فرض ہے"۔

سرولیم جوائنس ہکس ہوم سکریٹری انگلستان کہتا ہے۔ "ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے فتح نہیں کیا اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں ہیں"۔ (تیج دہلی مورخہ ۵، اکتوبر ۱۹۳۰ء)

الغرض جس لوٹ کھسوٹ کی تاریخ سے انگریز یہاں آئے تھے اور جس کے وہ دو تین صدی سے عادی ہو گئے ہیں اور جس کے بغیر اُن کو مستقبل کی زندگی نہایت بھیانک اور خطرناک معلوم ہو رہی ہے وہ ہندوستان کی آزادی کو ہر وقت انتہائی پریشانیوں میں مبتلا رکھتی ہے اور طرح طرح کی اسکیمیں اپنے مفاد اور مقصد کے لئے تیار کرائی رہتی ہے۔

(۳) روئے زمین پر صرف دو ملک ہندوستان اور چین عظیم الشان تعداد والے ہیں جو کہ اپنا مثل نہیں رکھتے آج جبکہ دس دس، بارہ بارہ کروڑ نفوس والے ملک جرمنی، امریکہ، روس، جو کہ ہندوستان کی تقریباً ایک ایک تہائی یا اس سے کم آبادی والے ممالک ہیں اس قدر قوت والے بن گئے ہیں کہ برطانوی شہنشاہیت کو دھمکاتے رہتے ہیں اور دنیا کو الٹی میٹم اور دعوت جنگ دینے سے نہیں جھجکتے تو یورپین اقوام بالخصوص برطانیہ کو ضرور یہ عظیم الشان خطرہ پیش رہتا ہے کہ اگر چین اور ہندوستان ہر ایک آزاد اور متحدہ قومیت کا مالک اور قوی ہو گیا تو یقیناً تمام روئے زمین پر چھا جائے گا! اور نہ صرف ہماری نو آبادیات پر قابض ہو جائے گا یا اُن کو ہمارے اقتدار سے باہر کر کے آزاد کرا دے گا بلکہ قوی خطرہ ہے کہ وہ ہمارے سابقہ سیاہ کارناموں اور گذشتہ وحشیانہ بربریتوں کا بدلہ بھی لے اور کوشش کرے کہ انگلستان وغیرہ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر بیدست و پا کر دے بالخصوص اس وجہ سے کہ ہر دو جنگ عظیم میں ہندوستانی سپاہیوں کی جفاکشی اور بہادری یورپین اقوام کے مقابلہ میں تمام دول یورپ کے سپاہیوں سے زیادہ اور اعلیٰ ثابت ہوئی۔ جیسا کہ برطانیہ کے بڑے بڑے جرنیلوں اور فوجی اور سول افسروں بلکہ وزراء برطانیہ نے بزور اعتراف کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا ہے۔ خود لارڈ ویول موجودہ وائسرائے کہتے ہیں کہ "ہم نے یہ جنگ ہندوستانی سپاہیوں اور ہندوستان کے مال سے جیتی ہے"۔ اس لئے یہ خطرہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے! اگر ہندوستانی اقوام اور سپاہیوں کو منظم طریقہ پر جملہ اسلحہ جات مل جائیں اور اُن کی فوجی تعلیم مکمل ہو جائے اور قابل جرنیل کے ماتحت باقاعدہ جنگ جاری کی جائے تو کسی یورپین قوم سے ٹکرانے میں کم نہیں رہ سکتے بلکہ ہر مخالف پر غالب آ سکتے ہیں اور یہی بڑی وجہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کو ہر طرح کمزور کرنے کی پالیسی مدتوں سے جاری ہے۔ اور اب بھی امر پیش نظر رہا ہے اور کم از کم یہ خطرہ تو ہر وقت سامنے رہتا ہے کہ ہندوستان کا معمولی سا جذبۂ قومیت ہی ہماری شہنشاہیت کی بربادی کا نہایت زبردست ذریعہ ہے۔

پروفیسر سیلے "اکسپنشن آف انگلینڈ" میں لکھتا ہے۔ "اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ ہی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ بھی ہو بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے تو اُس وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اُس پر فاتحانہ حکمرانی نہیں کر سکتے ہیں اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنا بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے۔ (تنظیم جلد ۶ ۲۸ اگست ۱۹۲۵ء)

اور یہی وجہ ہے کہ حامیان برطانیہ دانستہ یا نادانستہ متحدہ قومیت پر انتہائی درجہ چراغ پا ہو رہے ہیں اور بہت زبردست پروپگنڈہ اس کے خلاف جاری کئے ہوئے ہیں۔ چونکہ برطانوی اقتدار کی بربادی کے لئے یہ "ایٹم بم" یا اس سے بھی زیادہ قوی ہتھیار ہے اس لئے ہر انگریز کو اس کے خلاف پروپگنڈہ کرنا اور کروانا اشد ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ہندوستانی بھائی بالخصوص مسلمان بالکل بھولے بھالے اور سیاسیات سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور وہ لوگ جو سیاسی میدان میں اترے ہوئے بھی ہیں انگریز کے سامنے طفل مکتب ہیں۔ وہ فوری انگریزوں کے پھندے میں بہت جلد آجاتے ہیں، اور کہنے لگتے ہیں کہ مسلمان غیر مسلم اور مشرک کا ہم قوم کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور اس پر طرح طرح کے شرعی اور غیر شرعی، وہمی اور رواجی استدلالات قائم کر کے عوام کو متنفر کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ "سرسید مرحوم" اس بارے میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا تھا "قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان، ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی جو اس ملک کے رہنے والے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں۔ جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدہ میں، جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے، ایک ہونا چاہئے۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھی جائیں۔" (مجموعہ لکچر سرسید صفحہ ۱۶۷)

دوسرے موقعہ پر آپ نے فرمایا! ۔

"جس طرح آریہ قوم کے لوگ ہندو کہلائے جاتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی، ہندو، یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جاتے ہیں۔" (سرسید کے آخری مضامین صفحہ ۵۵)

سفر پنجاب میں ہندوؤں کو خطاب کرتے وقت فرمایا!

"آپ نے جو لفظ اپنے لئے "ہندو" کا استعمال کیا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک شخص ہندوستان کا رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے۔ پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں، ہندو، نہیں کہتے۔"

(سفرنامہ پنجاب سرسید صفحہ ۱۳۹) (روشن مستقبل صفحہ ۲۶۱، ۲۶۲)

پس بقول سرسید احمد مرحوم اگر قوم بمعنی نیشن لیا جائے جو کہ اہل یورپ کی اصطلاح ہے تو یقینی طور پر تمام ہندوستان کے باشندے ایک قوم ہیں۔ ہندوستانیت کا وصف سب میں مشترک ہے، مفاد بھی سب کا مشترک ہے، غیر ہندوستانی جہاں بھی ہیں ان تمام ہندوستانیوں کو اپنے سے غیر اور اجنبی محسوس کرتے ہیں۔ خواہ ہندوستانی مسلمان ہو یا سکھ یا ہندو یا پارسی۔ سیاحان ممالک اور واردین ہندوستان امریکنوں، جاپانیوں، چینیوں، انگریزوں، فرانسیسیوں وغیرہ سے پوچھو اور دیکھو۔ وہ مذہبی تفرقہ کو محسوس بھی نہیں کرتے۔ بلکہ سب کو "ہندوستانی قوم" سمجھتے اور کہتے ہیں۔

اور اگر عربی، فارسی اصطلاح و عرف کو دیکھیں، یا قرآنی شہادتیں ملاحظہ کریں تو اسباب قومیت صرف مذہب میں منحصر نہیں ہوتے۔ کبھی متحدہ قومیت جغرافیائی حدود اور وطنیت سے ہوتی ہے تو کبھی نسل کی حیثیت سے، کبھی پیشہ کی حیثیت سے اور کبھی رنگت وغیرہ وغیرہ سے، قرآن شریف میں نسلی یا وطنی اسباب کی بنا پر بار بار کفار کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہم قوم قرار دیا گیا ہے۔ بہرحال یہ تین اور مذکورہ بالا برطانیوں اور بالخصوص لیڈروں کو ہمیشہ ہندوستان کی آزادی سے پریشان رکھتے ہیں۔ انگریز اگرچہ سب کے سب اپنی قوم اور شہنشاہیت کے خیر خواہ اور فدائی ہیں مگر ان میں نیک دل اور انصاف پسند بھی ہیں۔ جو کہ وعدوں کو وفا کرنا، بندگان خداوندی کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کرنا، سب کے ساتھ حتی الوسع انصاف کرنا، اور ان کو فطری

حقوق دینا' وغیرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر تمام قوم برطانیہ میں سب سے گرے ہوئے اور اپنی اغراض کے دیوانے اور دوسری اقوام کی حق تلفی کے حریص 'دیگوں' اپنی شہنشاہیت کے ہر جائز اور ناجائز قول اور عمل کے شدید ترین حامی 'ٹوری' ہیں۔ یہ کنسرویٹو پارٹی (قدامت پسندوں) سے بھی زیادہ گرے ہوئے لوگ ہیں۔ ان کا ہمیشہ سے نظریہ یہی رہا ہے کہ ہندوستان کو ذرہ برابر بھی آزادی نہ دی جائے اور ذمہ داران برطانیہ نے بین الاقوامی (انٹرنیشنل) یا سیاسی (پولیٹیکل) یا انصافی مجبوریوں سے جو جو اعلانات مختلف اوقات میں آزادی کامل یا نیم آزادی یا انسانی اور فطری حقوق کے متعلق ہندوستانیوں کے لئے کئے ہیں اُن کو کبھی بھی بروئے کار نہ آنے دیں اور جس طرح بھی ممکن ہو ٹال مٹول کرتے ہوئے اپنے استبداد اور جبروت و تشدد سے ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ ـــــ قائم اور جاری رکھیں اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے گڑھتے رہیں۔ کوئن وکٹوریہ اور دیگر ذمہ داران برطانیہ کے اعلانات اور وعدوں کو نئے نئے لباس میں ڈھالتے ہوئے آج تک برطانیہ نے سامراج اُن ہی کی بدولت قائم رکھا۔ کنیڈا' آسٹریلیا' ساؤتھ افریقہ' کیپ کالونی' آئرلینڈ ماریشیس' نجی' نیوزی لینڈ' وغیرہ وغیرہ کو حقوق وکٹوریہ کے اعلان کے بعد اور پہلے دیئے گئے اور دئے جاتے رہے ہیں مگر ایک ہندوستان ہے کہ تقریباً تمام انسانی حقوق سے آج تک محروم ہے اور جو کچھ معمولی حقوق دئے بھی گئے ہیں وہ نہایت ناقص اور نکمے ہیں! مگر عرصہ سے چونکہ ہندوستانیوں میں روز بروز بیداری پیدا ہوتی جاتی ہے ادھر ہندوستانی مظلومیت کا آوازہ امریکہ' روس' جاپان' چین اور دیگر ممالک میں بکثرت پھیل چکا ہے اس لئے اُن کو نظر آنے لگا ہے کہ اب ہندوستان مثل سابق غلام نہیں رہ سکتا لہٰذا ہندوستانی خون چوسنے اور اپنے ہر ہر مفاد کو قائم رکھنے اور جاری کرنے کے لئے نئی نئی صورتیں اور نئی نئی اسکیمیں عرصہ سے سوچی گئیں اور سوچی جارہی ہیں' اُنھیں میں سے یہ اسکیم' پاکستان' بھی ہے جس کا سرچشمہ اور منبع وہی برطانوی ڈپلومیسی کی جھیل ہے۔

۱۹۳۱ء میں جبکہ ہندوستانی ڈیلی گیٹ انگلستان میں دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں گئے ہوئے تھے یا جانے والے تھے مسلم نمائندوں وغیرہ کے دماغ میں ٹوریوں نے بھی ندی ڈالی ہے اور وہ زمانہ میں آکسفورڈ اور کیمبرج میں شائع ہو کر ہندوستانی اسٹوڈنٹ کو کور کرتی ہے۔

مسلمانوں کے وہ نمائندے جو کہ لیگ اور مسلم کانفرنس کی نمائندگی کے واسطے سے بھیجے گئے تھے اُن ٹوری جادوگروں سے مسحور ہو کر اُن کے دامن میں پناہ گزین ہوتے ہیں اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا کر بیٹھے ہیں۔ اور مسلمانانِ ہند کو ان ٹوری جادوگروں کے قدموں پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

چنانچہ مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ نمبر ۹ میں لکھتا ہے:

"لیکن ان سب سے زیادہ مکروہ طرز عمل ان نمائندگانِ کرام کا یہ تھا کہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں کے چودہ کے چودہ مطالبات منظور کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تو ان احمق اور فریب خوردہ حضرات نے اچھوتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا حالانکہ ہندوستان سے وہ صرف یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل کرائیں گے۔ اُن سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اچھوتوں کے حقوق کے محافظ بھی بن جائیں۔ اُن کا دعویٰ حقوق مسلمین کے تحفظ کا تھا اور اُن کا ہرگز یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے کمزور اور بودے کندھوں پر دنیا بھر کی اقوام کے تحفظ کا بوجھ بار کریں۔ اس کے معنی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ اُنھوں نے دانستہ اسلامی حقوق کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ اس احمقانہ طرزِ عمل کی جو قیمت اُن کو ملی وہ اُن کے طرز سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔ وہ یورپینوں کے ہاتھوں پر بک گئے اور ایک ایسے محضرِ غلامی پر دستخط کر دئے جس میں اپنے مطالبات کا تو گلا گھونٹ ہی دیا گیا تھا مقصد آزادیٔ وطن کو بھی پامال کر دیا۔ اور غیر ملکیوں کو تجارتی استیلاء اور زائد از زائد حقوق آبادی دئے گئے تھے اور مسلمانوں کے لئے چند نشستیں' چند ملازمتیں اور چند اعزاز قبول کرلئے۔ اور بابِ حقوق کا

طرز عمل شروع سے آخر تک عدم تدبر، تنگ نظری، غیر سیاست دانی، دل و دماغ کی بے مائیگی اور خلاف ورزی عہد و مسلک کی ایک نہایت المناک مثال پیش کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل شہادتیں ملاحظہ ہوں!۔

(مدینہ بجنور ۹؍ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۶ صفحہ ۲)

• ہم کو اسٹیٹسمین، پاینیر، اور دوسرے خالص اسلامی جرائد نے یہ بشارت کبریٰ سنائی ہے کہ دس کروڑ کے خالص اسلامی سرمایہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کی گئی ہے جو ہندوستان کی تجارتی مصالح کو ترقی دے گی۔ اس کمپنی کا نام ایسٹ انڈیا کارپوریشن لمیٹیڈ ہے۔ صدر دفتر دہلی ہے۔ اسٹیٹسمین اور دیگر اینگلو انڈین اخبارات اس کمپنی کا نہایت شاندار الفاظ میں خیر مقدم کر چکے ہیں!۔ اس کے بعد کی دوسری شہادت ملاحظہ ہو!

(مدینہ بجنور ۲۱؍ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۹ صفحہ ۴)

"گذشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہز ہائینس سر آغا خاں ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے بدیشی پارچہ کو فروغ دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں۔ اخبار 'الامان' سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف ہز ہائینس سر آغا خاں نے بلکہ ملا سیف الدین طاہر صاحب۔ بوہرا قوم کے مقتدا، اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے دس کروڑ روپے کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی ہے جس کا صدر دفتر دہلی ہوگا۔ اس کمپنی کے قیام کے اصل محرک کون ہیں؟ اور اس کے اصلی مقاصد کیا ہیں؟ اس کے صحیح حالات اب تک صیغہ راز میں ہیں۔ تاہم اس کے قیام پر اس خط سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے جو سٹر لیو ڈن زج ممالک متحدہ نے کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا اور اتفاقاً سنڈے گرافک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا۔ اور اسی غرض سے ہم اس خط کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مدت سے ہندوستان کی صورت حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے۔ ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسران کے بغیر نہیں چل سکتی۔ برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے۔ سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈنے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملیگا۔ میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اُسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لئے ۲۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا!

ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے اُسے ہمیں مالیہ معاف کر دینا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں۔ یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورت حالات ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیے جائیں۔ اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لئے ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے۔ اب برطانوی حکومت کے پرانے طریق کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں! اب ہم دور ماضی کو قائم نہیں کر سکتے۔ نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے ——— کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم ہیں۔ اب اُسے ایسا طرز حکومت دیدو جو اس کے لئے موزوں اور قدرتی ہو۔ لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے۔ ہمیں 'تحریک مقاطعہ' کو پورے زور سے روکنا چاہئے۔ خونریزی کو روکنے اور "دقیانوسی ہندو سسٹم" کا سد باب کرنے کے لئے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہئے! جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم طاقت قائم ہو گی۔ ہم خواہ کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا!۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اُسے جلد از جلد معرض عمل میں نہ لائیں۔ اور

اُس کے ساتھ سب سے پہلے تجارتی تعلقات کیوں نہ قائم کریں۔ جب بحیرہ فرزین اور بحیرہ روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال جائے تو بڑے بڑے امکانات نظر آتے ہیں!

مدینہ بجنور ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹ نے بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن کا مقالہ مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا گیا۔

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان' اور 'مسلم ہندوستان' میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے!

مسز جان گنتھر امریکن "کامن سینس" امریکی اخبار میں طویل مقالہ لکھتی ہے جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

"اس برطانوی جلاج بازی کمیل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو علحدہ خیالی ریاستوں کا نام ہے جن کے درمیان باقی تمام ہندوستان پولینڈ کے کاریڈور (ملانے والے راستے) کی طرح رہیگا۔ ابھی تک تو ذمہ دار مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے لیکن اگر اس اسکیم پر عمل کیا گیا تو ہندوستان میں بھی بلقان' بن جائے گا جہاں خانہ جنگیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

(مدینہ مورخہ ۹ رجون ۱۹۴۲ء نمبر ۴۳ جلد ۳۲)

مندرجہ بالا شہادتوں سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(الف) پاکستان' اور تقسیم ہندوستان (مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان) لاہور کے لیگ کے اجلاس ۱۹۴۰ء کی پیداوار نہیں ہے بلکہ ۱۹۳۱ء یا اس سے پہلے کی پیداوار ہے۔ ہاں! ہندوستان میں اس کی شہرت لیگ کے اس اجلاس سے ہوئی ہے!

(ب) چودھری رحمت علی صاحب جنھوں نے ۱۹۳۳ء میں پاکستان کے متعلق بنام 'پاکستان' نیشنل موومنٹ' اور ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدرآبادی اور دوسرے مصنفین سب کے سب اُسی چشمہ سے مستفید ہونے والے ہیں جن کا منبع ٹوری انگریزوں نے ۱۹۳۱ء میں یا اس سے پہلے بنایا تھا! اور جسکو اواخر ۱۹۳۱ء میں لندن میں نشوونما کی نوبت آئی۔

(ج) یہ اسکیم 'تقسیم ہندوستان' اور علاقہ جات ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کسی مسلمان ہندوستانی کے دماغ سے نہیں ہوئی ہے اور نہ لیگی دماغ سے اس کا ظہور ہوا ہے بلکہ اس کا ظہور برطانوی اور ٹوری برطانوی دماغوں کا رہین منت ہے!

کار زلف تست مشک افشانی! اما عاشقاں
از غلط تہمت با ہوئے ختن نہادہ اند

(د) یہ ہندوستان کی تقسیم صرف برطانوی مفاد کی غرض سے کی گئی ہے۔ کیونکہ ہندو برطانوی مصنوعات اس کی تجارت کا بائیکاٹ اور مقاطعہ کر رہا تھا اور اس اسکیم کو حسب قوت زیادہ تر موثر بنانا چاہتا تھا۔ تاآنکہ اس کی نیت یہ ہے کہ پردیسی مصنوعات کو ایک قلم ہندوستان میں نہ آنے دے اور بمبئی، مدراس وغیرہ سے ایسی مصنوعات کا داخلہ اور تجارت بند کر دے یا اُن پر اتنا بھاری ٹیکس لگا دے جو باہر کے مصنوعات کو ہندوستانی مصنوعات سے بہت زیادہ گراں کر دے جیسا کہ انگلستان نے ہندوستانی مصنوعات اور تجارت سے کیا تھا۔ یہ اسکیم یقیناً ہندوستان کے عوام کی زندگی اور بھلائی کے لئے اشد ضروری ہے۔

(ھ) ۱۹۳۱ء میں مسلم نمائندوں کے لندن میں جانے سے پہلے یا بعد میں کوئی خفیہ پیکٹ ہوا ہے یا ہونا قرار پایا ہے جس میں مسلم نمائندوں کی طرف سے اطمینان حاصل کیا گیا ہے کہ وہ مسلم ہندوستان (پاکستان) میں برطانوی مصنوعات اور اُن کی تجارت کو برقرار رکھیں گے اور اپنے ساحلی بندروں "کراچی اور کلکتہ" کو برطانیہ کی تجارت گاہ بنائیں گے اور دہلی اُس کا مرکز ہوگا۔ (اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۹۱ میں ہے)

"لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کرلی تھی جن میں ممتاز ٹوری لیڈر، لارڈ لائڈ، لارڈ ہیڈ فورڈ، اور لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے۔"

(نیز ریوٹر یکم نومبر ۱۹۳۱ء کو تار دیتا ہے)

"معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے یہ خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرالیں گے۔ جو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے۔ اور کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گے۔"

(مدینہ بجنور ۵ر نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲ نمبر ۸۹)

نیز اخبار بمبئی کرانیکل کا خاص نامہ نگار مقیم لندن خبر دیتا ہے۔

"شہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ انھوں نے مسلمان مندوبین کو اس لئے متحد کیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کو ناکام کردیں۔"

(مدینہ بجنور ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۷۹)

(و) پاکستان کا بنانا اور اس کی تجویز کانگریسی حکومت کے قیام اور اس کے مظالم مشہورہ سے پہلے ہی قرار پاچکی ہے۔ مظالم کانگریس کو اس کا باعث قرار دینا محض عوام کو بھڑکانے کے لئے ہے۔ کانگریس کی حکومت ۱۹۳۷ء کے اواخر میں شروع ہوتی ہے اور پاکستان کی پیدائش ۱۹۳۱ء یا اُس سے پہلے ہوتی ہے اور اُس کا ظہور بلکہ اُس کا پروپگنڈہ ۱۹۳۲ء سے جاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سپلمنٹ نمبر ۴ صفحہ ۱۸۴ ایڈیشن ۱۹۳۸ء مقالہ (ایس۔ وی۔ پاکستان) میں ہے۔

"پاکستان صوبوں کے اسماء سے حروف تہجی لیکر بنایا گیا ہے۔ پنجاب سے 'پ' شمالی مغربی صوبوں سے (جس کے رہنے والے خصوصاً افغان ہیں) 'الف' کشمیر سے 'ک' سندھ سے 'س' اور بلوچستان سے 'تان'!! ان خطوں کا نام ۱۹۳۳ء میں چودھری رحمت علی بانیٔ پاکستان نیشنل موومنٹ نے 'پاکستان' تجویز کیا۔ الخ"

اور اس پر لاہور ٹریبون ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۵ء اور لاہور ایسٹرن ٹائمز ۲۰ر جون ۱۹۳۴ء اور اسٹیٹسمین دہلی مورخہ ۳ر اگست ۱۹۳۳ء اور ۱۷ر اگست ۱۹۳۳ء میں مفصل بحث اور تنقید ہوئی اور اس تجویز کو حکومت برطانیہ اور ان صوبوں کے ہندوؤں کے لئے خطرناک دکھلایا گیا۔

(ز) مسلم اقلیت کے صوبوں کے مظالم کو اس کا سبب قرار دینا۔ (دیکھو انسائیکلوپیڈیا مذکور) اگر وہ پایۂ ثبوت کو پہونچیں بھی تو بھی خلاف عقل اور خلاف سیاست ہے! (اولاً) اگر ان مظالم کے سبب سے پاکستان بنایا جارہا ہے تو انہیں صوبوں میں مستقبل کے تحفظ کی کوئی راہ نکال

7A جاتی منہ یہ کہ وہ صوبہ اس کی وجہ سے اور خطرہ میں ڈال دئے جائیں اور مسلم اکثریت والے صوبوں کے تحفظ پر زور دیا جائے (ثانیاً) اگر واقع میں یہ اسباب ہوسکتے ہیں تو یہ امر گذشتہ بعد الوقوع ہے پاکستان کی اسکیم تو پہلے ہی سے بن چکی ہے اور اپنے نہج سے روانہ ہوکر ہمارا لیگ اور مسلم کانفرنس کے قلوب میں جاگزیں ہوچکی تھی۔ (ثالثاً) یہ مظالم بطور ڈھونگ فرضی بنائے گئے ہیں یا قصداً اُن کو اٹھوایا گیا ہے تاکہ عوام کے جذبات کو اُبھارا جائے اور اپنی سابقہ غداری یا غلطی پر پردہ ڈال دیا جائے اور کانگریس کو بدنام کیا جائے اور لوگوں میں تنفر پیدا ہو۔ ان مظالم کے اثبات کے لئے بابو راجندر پرشاد' مولانا ابوالکلام آزاد' پنڈت جواہرلال نہرو' اثبات و تحقیق کا مطالبہ بذریعہ چیف جسٹس اور جان فیڈرل کورٹ وغیرہ بار بار کرچکے ہیں مگر مسٹر جناح وغیرہ نے رائل کمیشن پر ہی تحول کردیا اور پھر اس کیلئے کوئی وزنی اور موثر عمل کرنے سے قاصر رہے!۔

مسز جان گنتھر' اپنے آرٹیکل میں لکھتی ہے۔

"۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے میں اور میرے شوہر مسٹر جان گنتھر دونوں ہندوستان میں مسلم لیگ کے لیڈر مسٹر جناح سے پنج کے موقع پر تین گھنٹہ تک گفتگو کی۔ ہم نے اُن سے پوچھا کہ آپ ہمیں کوئی واضح اور قطعی مثال ان شکایتوں کی بتلائے جو مسلمانوں کو انڈین نیشنل کانگریس سے ہیں؟ مگر وہ کوئی مثال پیش نہیں کرسکے۔ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس نے بھی اُن سے یہی سوال کیا لیکن اُس وقت اُنھوں نے جواب دیا اور ایک شکایت بیان کی۔ کرپس صاحب نے ذاتی طور پر تحقیق کرنے کا اظہار کیا تھا مگر بعد کو اُنھوں نے نیویارک میں اس کی اطلاع دی تو اُس میں اُنھیں کوئی اصلیت نظر نہیں آئی۔ اس کے بعد ستمبر ۱۹۴۲ء میں ہربرٹ میتھوز نے لکھا کہ مسلم لیڈر (اُنھوں نے مسٹر جناح کا نام نہیں لیا) کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں سے نکلے ہیں۔ جناح' انتہائی چالاک اور خشک قانون داں آدمی ہیں۔ کبھی وہ انڈین نیشنل کانگریس کے سرگرم رکن قسم کے ممبر تھے مگر پھر اُنھیں اپنی نجی خواہشات اور حوصلہ مندیوں کے لئے برطانویوں کے پیش کردہ مواقع میں بہ نسبت ایثار پیشہ کانگریس کے زیادہ ترقی نظر آئی۔ مگر پان اسلام ازم کی تمام بحث و گفتگو کے باوجود وہ ایک اچھے ہندوستانی قوم پرور اور محب وطن انسان ہیں۔ اگر برطانوی اُن کے ساتھ کھیل کھیلتے ہیں تو وہ بھی برطانویوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں"

(مدینہ بجنور ۹ جون ۱۹۴۳ء)

پروفیسر کیپلنڈ' جن کو اکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۴۱ء میں ہندوستانی مسائل کی تحقیق کے لئے بھیجا گیا تھا اور وہ تحقیقات ختم کرنے کے بعد سر اسٹیفورڈ کرپس کے مشیران کے رکن ہوگئے تھے۔ اپنی یادداشت کے ساتویں باب ڈیڈ لاک اور ڈیمونین میں لکھتے ہیں۔

"پیرپور رپورٹ میں مندرجہ اور دیگر داستانہائے مظالم جو کانگریس وزارتوں کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ میں نے مسٹر جناح سے ان کے سلسلہ میں جس قدر گفتگو کی میں سمجھتا ہوں کہ وہ ان کو یا کانگریس کی اسلام دشمنی روش کو نہیں ثابت کرسکے!"

(۳) یہ اسکیم اس لئے بنائی گئی ہے کہ برطانوی اقتدار ہمیشہ ہندوستان پر یا کم از کم مسلم ہندوستان (پاکستان) پر قائم رہے۔ ہمیشہ سے یہی اصول برطانیہ کا ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کام کرتا ہے اور یہی اُصول اب تک اُس کی حکومت کے بقا میں کارآمد ہوا۔ یعنی ڈیوائڈ اینڈ رول' "لڑاؤ اور حکومت کرو" اگر ہندوستان کے دو ٹکڑے ہوجائیں گے تو برطانیہ کو آپس میں لڑانے اور پھر چودھری بن کر اُن کے تحفظ کے بہانہ سے حکومت کرنے اور دولت کے دریا انگلستان کی طرف بہانے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ مگر ایک فیڈریشن ہونے کے وقت میں ہندوستان برطانیہ سے بالکل بے نیاز ہوگا۔ جس سے صلح کرے گا یا جنگ کرے گا وہ بیرونی طاقت ہوگی اُس میں برطانیہ کی چودھراہٹ کی ضرورت نہ ہوگی نہ امن و امان کے بہانہ سے اُس کو مداخلت کرنے کا موقعہ ہوگا۔

ڈاکٹر سر اقبال مرحوم اپنے خطبہ اجلاس لاہور ۱۹۳۲ء میں فرماتے ہیں۔

"لیکن حکومت برطانیہ کا موجودہ رویہ مظہر ہے کہ وہ ہندوستان میں غیر جانبدار ثالث کی حیثیت سے عامل رہنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور بالواسطہ گویا ہندوستانی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قسم کی خانہ جنگی کی طرف لے جا رہی ہے جو محض اس غرض سے انگریزوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو سہولت کے ساتھ قائم رکھ سکیں"

چنانچہ مسٹر جینا کا مندرجہ ذیل بیان اس پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے!

نئی دہلی۔ ۲۹ فروری ۱۹۴۴ء نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر مسٹر جینا نے پاکستان کے مسئلہ پر مندرجہ ذیل بیان دیا ہے!

"اگر یہ برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہو جائینگے۔

اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے۔

اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے۔

آج بھی اصولاً ۵ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں مسلم لیگ کے ماتحت قائم ہیں اور ہندو وزیر اُن میں کام کر رہے ہیں۔ پاکستان کی قائمی میں ۲/۳ ملک ہندوؤں کے زیر اثر ہوگا اور ۱/۴ مسلمانوں کے نیز پاکستان کے قائم ہونے سے دائمی امن کی اُمید ہے:"

(مدینہ بجنور نمبر ۷ جلد ۳۳ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۴ء)

اس بیان پر ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب حیدرآبادی جو کہ پاکستان کے بہت بڑے حامی اور اس کے متعلق مفصل کتاب لکھنے والے اور ایک عرصہ تک لیگ کے ذمہ دار عہدہ دار رہے ہیں' فرماتے ہیں!

"حیدرآباد۔ ۴ مارچ ۱۹۴۴ء ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب نے مسٹر جینا کے اُس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے جو انھوں نے نیوز کرانیکل کے نمائندہ کو دیا ہے فرمایا کہ

"اب مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ اُن کے قائد اعظم اُن کو کدھر لے جا رہے ہیں میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جینا پاکستان کیلئے سنجیدہ نہیں ہیں! اب اُنھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ قطعی آزاد پاکستان کے خواہشمند نہیں ہیں!۔ وہ دائمی ملک کے بغیر ایک ایسی ریاست کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ زیر سایۂ برطانیہ ایک طویل مدت میں یہ علاقے مصر کی حقیقت تک پہونچ جائیں جو قانونی طور پر تو آزاد ہے مگر اپنے ہر کام میں برطانیہ کے چشم و ابرو کا منتظر ہے۔ اُنھوں نے کراچی میں تقسیم کرو اور ہندوستان سے چلے جاؤ کا نعرہ لگایا تھا مگر اب وہ کہہ رہے ہیں کہ اس سے اُن کا مقصد تقسیم کرو اور رہو' تھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ برطانوی طاقت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ رہے اور دفاع' اور خارجی مسائل کی مالک بنی رہے۔ یہ ہے مسٹر جینا کی آئینی ترقی سے متعلق نظریہ۔ کیا کوئی انگریز اس کے لئے اُن کا شکریہ ادا کرے گا؟ میرے خیال میں برطانوی رجعت پسند بھی اس پالیسی پر افسوس ظاہر کریں گے۔ برطانیہ نے کرپس اسکیم کی رو سے وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو متحدہ طور پر یا علاقوں کی تقسیم کے بعد مکمل آزادی حاصل ہو جائیگی۔ بجائے اس کے کہ مسٹر جینا اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جماعتوں سے اتحاد کرتے وہ موجودہ غلامی پر ہی قانع ہیں! کیا مسلم لیگ کے عام ممبران اس روش کی تائید کرینگے! (اجمل بمبئی جلد ۶-۱ ۱۷ مارچ ۱۹۴۴ء)

مسٹر جناح نے اپنے اس بیان میں وہ بات کہی ہے جو رجعت پسند انگریز بھی میں کم از کم اپنے منہ سے نہیں کہتا خواہ اس کی نیت میں کتنا ہی فتور کیوں نہ ہو۔ ایسی حالت میں ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب یہ کہنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ مسٹر جناح کی اس روش کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ پاکستان کے بارے میں کبھی سنجیدہ تھے ہی نہیں وہ جو چیز چاہتے تھے یا ان کا دماغ جو اسلامی ریاست یا اسی کے ساتھ جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے۔ غیر پاکستانی علاقوں کی آزاد ہندوستانی ریاست نہ تھی بلکہ وہ انگریزی غلامی میں ایسی ریاستوں کا خواب دیکھ رہے ہیں جن کی حیثیت تقریباً وہی ہو جو ہندوستانی ریاستوں کی ہے اور ایک مدت مدید کے بعد بھی (جس کا فیصلہ یاد رہے کہ انگریز ہی کریگا) ان کی حیثیت مصر کی ہو جائے جسے باوجود اپنی آزادی کے ہر کام میں برطانیہ کے اشارہ چشم و ابرو کا منتظر رہنا پڑتا ہے۔

بہر حال ایک لحاظ سے بہت اچھا ہوا کہ مسٹر جناح نے سالہا سال کے بعد پہلی بار صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ "پاکستان" کے متعلق ان کا اپنا تخیل کیا ہے؟ اب مسلمانوں کو عام طور پر اور ان مسلم لیگی حضرات کو خاص کر جو مسٹر جناح کی ہر بات پر "آمنا و صدقنا" کا نعرہ بلند کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ سوچنا چاہئے کہ مسٹر جناح انہیں کدھر لے جا رہے ہیں! کیا یہی وہ چیز ہے جو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا منتہائے نظر ہونا چاہئے؟ اور کیا مسلم لیگ کی وہ "نشاۃ ثانیہ" جس کے راگ الاپتے مسلم لیگی حضرات کی زبانیں نہیں تھکتیں اسی مقصد عظیم کے لئے ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو ہمیں اس پوری تنظیم اور اس کے مقصد دونوں پر فاتحہ پڑھ دینا چاہئے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دینا چاہئے کہ اگر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اب بھی اسی چکر میں رہیں جس میں مسٹر جناح اور ان کے ساتھی انہیں رکھنا چاہتے ہیں تو ان کا بس اللہ ہی حافظ ہے کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان خود بھی برطانیہ کا غلام بنا رہے اور اپنے ساتھ اپنے دوسرے کروڑوں ہم وطنوں کو بھی غلامی پر مجبور کرے!!

ہمیں امید ہے کہ مسلم لیگیوں کا سنجیدہ طبقہ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرے گا اور سوچے گا وہ آخر ان چیزوں کو کب تک برداشت کریں گے؟

غیر مسلم لیگی خواہ کچھ سوچیں اور کچھ کریں ہمیں تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مسلمانان ہند کی زندگی میں وہ نفسیاتی گھڑی اب قریب آتی جاتی ہے جب حالات انھیں اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں اور اس میں تبدیلی کریں۔

(ط) برطانیہ کے یہ توری حضرات اس طریقہ سے ہندوستان کو کمزور کر دینا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اس میں اتنی طاقت نہ پیدا ہو کہ وہ انگلستان اور دیگر یورپین ممالک کو آنکھیں دکھانے لگے اور ان کا حریف بن جائے۔ تقسیم کی شکل میں اول تو اس کو داخلی جھگڑوں میں مبتلا ہونا پڑے گا اور پھر دونوں ٹکڑوں (پاکستان اور ہندوستان) کے آپس کے جھگڑوں میں پھنس جانا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں انتہا درجہ کمزور ملک بن جانا پڑے گا۔ ہاں اگر اس کا مرکز صرف ایک ہی ہو جائے تو یقیناً تھوڑی ہی مدت میں وہ ایسی عظیم الشان طاقت بن سکتا ہے جس کا مقابلہ بآسانی کوئی یورپین طاقت بھی نہ کر سکے گی۔

چنانچہ نیوز کرانیکل لندن کے نمائندے نے اپنے سوالات میں مندرجۂ ذیل الفاظ کہے تھے۔

"س" لیکن یہ کس طرح ایک پسندیدہ صورت ہو سکتی ہے کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کمزور کر دیا جائے جس سے وہ بیرونی حملوں کا شکار ہو؟ نیز ایک سوال حسب ذیل تھا۔

"لیکن خانہ جنگی ہونا یقینی ہے۔ آپ ایک ہندوستانی السٹر قائم کریں گے جس پر آگے چل کر ہندو لوگ متحدہ ہندوستان کے نام پر ممکن ہے کہ حملہ کریں"

نیز ایک سوال یہ تھا۔

مسٹر جینا اور ڈاکٹر عبد اللطیف کے اس بیان سے متعلق مدینہ لکھتا ہے۔

"مسٹر جینا کے پاکستان کی آزادی کا تصور بقول ڈاکٹر عبد اللطیف اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ رفتہ رفتہ وہ مصر کی موجودہ حیثیت کو پہنچ جائے اور مصر کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟ مسٹر ولکی جیسے ہوشمند اور باخبر مدبر اور سیاست داں کی زبان سے سنئے۔ آپ نے اپنی مشہور اور تازہ ترین "ایک دنیا" میں لکھا ہے کہ مصر تمام عملی اغراض کے لئے برطانوی سفیر سر مائلس لیمپسن کا محتاج ہے۔ اس کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ مسٹر جینا چاہتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان بھی ان بالادستی کے نعمت سے بہرہ مند ہوں۔" (مدینہ ۱۳ مارچ ۱۹۴۴ء نمبر ۱۹ جلد نمبر ۳۳)

اجیت بمبئی مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۴ء میں اپنے ایڈیٹوریل میں حسب ذیل بیان دیتا ہے!

مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ! مسلم لیگ کے قائد اعظم مسٹر جینا نے لندنی اخبار نیوز کرانیکل کے نمائندہ کو جو رجعت پسندانہ بیان دیا ہے۔ ہم اس سے قبل تبصرہ کرچکے ہیں۔ اس بیان میں پاکستان کے بارہ میں مسٹر جینا اور انھیں کے ساتھ پوری مسلم لیگ کی (کیونکہ اس کے کرتا دھرتا مسٹر جینا ہی ہیں) پوزیشن کو حد درجہ مضحکہ خیز بنادیا ہے۔ اور درحقیقت انھیں بے نقاب کردیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اس بیان پر ڈاکٹر عبد اللطیف کی تنقید ہے جو انھوں نے اسی بیان سے متاثر ہو کر کی ہے۔ ڈاکٹر عبد اللطیف ان لوگوں میں نہیں ہیں جنھیں پاکستان کا مخالف کہا جاسکے۔ بلکہ وہ تو اس بات کے مدعی بھی ہیں کہ پاکستان کا خیال انھیں نے پہلے پیش کیا۔ اور کلچرل یا تہذیبی منطقوں میں ہندوستان کے متعلق ایک اسکیم کے وہ مرتب بھی ہیں۔ جسے انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں پیش بھی کیا ہے جب ایک ایسا شخص بھی مسٹر جینا کے طرز عمل پر اتنی سخت تنقید کرتا ہے جتنی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کی ہے تو اسے محض سیاسی مخالفت کی بنا پر قرار دیکر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب نے جو باتیں کہی ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ انھوں نے جو اعتراضات مسٹر جینا پر کئے ہیں وہ مسٹر جینا کے بیان کی روشنی میں حرف بہ حرف صحیح ہیں۔ ڈاکٹر عبد اللطیف کہتے ہیں کہ۔۔

مسٹر جینا نے کراچی میں نہایت بلند آہنگی سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انگریز ہندوستان کو تقسیم کرکے یہاں سے چلے جائیں مگر اس سے ان کا مقصد نہیں تھا جو ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان کا مقصد اس کے خلاف یہ تھا کہ انگریز ہندوستان کو ہندو مسلمانوں میں تقسیم کریں اور پھر بھی یہاں رہیں اور رہیں بھی تو اس طرح پر کہ مسٹر جینا اور ان کی لیگ کے مجوزہ پاکستان اور ہندوؤں کے قبضہ کے ہندوستان دونوں پر انگریزی مسلط رہیں کیونکہ فوج اور امور خارجہ پالیسی کا قبضہ رہے۔ نیز ان دونوں ریاستوں کے جنھیں ممکن ہے مسٹر جینا اور ان کے ساتھی اپنا جی خوش کرنے کے لئے آزاد بتائیں، چودھری بنے رہیں اور جب تک ان دونوں ریاستوں کے آپسی تعلقات اس طرح پر طے نہ پا جائیں جس سے انگریز بھی مطمئن ہوں انگریزوں کی ہندوستان میں مداخلت کا سلسلہ جاری رہے۔

یہ باتیں ڈاکٹر لطیف نے اپنی طرف سے مسٹر جینا کی طرف منسوب نہیں کی ہیں اور نہ ہم اس میں کچھ اضافہ اپنی طرف سے کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ باتیں پوری وضاحت کے ساتھ مسٹر جینا کے بیان میں صاف الفاظ میں موجود ہیں۔ اس بیان نے واضح کردیا کہ مسٹر جینا کے ذہن میں ہندوستان کی آزادی کا یا تو سرے سے تصور ہی نہیں ہے یا اگر ہے تو وہ ایسی آزادی ہے جس سے کوئی خوددار ہندوستانی خواہ وہ متحدہ ہندوستان کا حامی ہو خواہ تقسیم ہند یعنی پاکستان کا یہی نہیں کہ مطمئن نہیں ہوسکتا بلکہ بلاشک وشبہہ مضطرب اور پریشان ہوگا۔

"۳۔ اگر اس وقت انگریزوں نے یہ عذر کر کے ہندوستان کو چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر اچھے نہیں ہیں کہ وہ ہمسایہ کے طور پر رہ سکیں تو پھر کیا ہوگا؟

نمایندہ "نیوز کرانیکل" کے سوالات میں یہ تینوں سوالات واقعات کی روشنی میں ہیں اور نہایت صحیح ہیں۔ مسٹر جینا کے جوابات ہرگز اطمینان بخش نہیں ہیں اور نہ واقعات اور حقایق پر مبنی ہیں۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ ہندوستان کو جبری طور پر متحد رکھ کر زیادہ محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں اس کے بیرونی حملوں کا شکار ہونے کے زیادہ امکانات ہیں کیونکہ ہندو مسلمان کبھی ایک نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دست بگریباں رہیں گے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا مجموعہ ناممکن ہے جس سے مسلمان ہندوؤں کا ساتھ بطور ایک وحدت کے یا ایک وفاق کے اندر رہنے پر تیار ہو سکیں، نیو فاؤنڈ لینڈ سے مکمل آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر یہ مختصر سا ملک کناڈا کے قریب میں ہوتے ہوئے بھی علیحدہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے تو یقیناً پاکستان بھی جس کی آبادی سات آٹھ کروڑ یعنی برطانیہ کی آبادی سے دوگنی ہے تنہا ترقی کی منزل پر آگے بڑھ سکتا ہے۔" (انجام بمبئی ۲ر مارچ ۱۹۴۶ء)

تعجب کی بات ہے کہ مسٹر جینا کس طرح اس جواب میں تاریخ اور واقعات اور صحیح امکانات پر دھول ڈال رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے! کس طرح قرناً قرنِ ان میں خونریزی اور دشمنی کے انتہائی درجہ کے مظاہرات ہوتے رہے ہیں مگر کیا برطانیہ اور امریکہ میں یہودی قوم اپنے اعلیٰ پیمانہ کے سرمایہ اور خوش حالی کے ساتھ "کامن ویلتھ" میں بسر نہیں کر رہی ہے، اور کیا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کر کے "فائنینگو" اور "ریڈنگ" وغیرہ کی صورت میں برٹش ایمپائر کی امداد و اعانت نہیں کر رہی ہے؟ نیز کینیڈا اور جنوبی امریکہ کے بسنے والے، کیا مختلف نسلوں و مختلف اقوام و مذاہب والے نہیں ہیں؟ اگر یہ سب ایک وفاق میں شریک ہو سکتے ہیں، حالانکہ زمانہائے سابقہ اور لاحقہ میں ان میں سخت عداوتیں ظہور پذیر رہی ہیں تو کیا ہندوستان کے باشندے مستقبل قریب میں ہندوستانی کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) کے اجزا نہیں ہو سکتے؟!!

سرکیسا اور تفقازیہ کے جو الکہ جاریہ کے "داغستانی" وغیرہ اور صحرائے روس اور سائبیریا کے "ترق" (کالک) اور شہروں کے بسنے والے "فارسوانی" یہ وہ بہادر مسلمان قومیں ہیں جن کی اور صرف انھیں کی مدد سے متحدہ روس کو جرمن کے مقابلہ میں کامیابی ہوئی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے صوبوں کی داخلی آزادی کے ساتھ ساتھ روسی کامن ویلتھ اور متحدہ حکومت میں داخل اور شریک ہیں حالانکہ زمانہائے سابقہ میں جو جو خونریزیاں اور جنگ و جدال آپس میں پیش آئے ہیں۔ ان سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں! خود ہندوستان میں انگریزوں سے پہلے مغلیہ دولت مشترکہ اور وفاق میں اور ہندو اور مسلمان ریاستوں میں ہر دو قومیں انتہائی اتفاق و اتحاد کے ساتھ ساتھ صدیوں تک گزر بسر کرتی رہی ہیں، "ڈبلیو ایم ٹارانس" اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت" میں لکھتا ہے:۔

سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے، لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخل ہونا شروع کیا ان کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا نام تک نہ تھا جس طرح انگلستان اور یورپ کے تقریباً سب حصوں میں مخلوق کو تباہ کر رکھا جاتا تھا، جب آئرلینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنے بزرگوں کی

جاگیر کا حقدار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہو سکتا تھا! جبکہ سوئڈن میں سوائے لوتھر کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی شخص ملازم نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹھیک اُس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں اور ایک دوسرے سے بازی لیجانے میں آزاد تھے۔"

لارڈ ولیم بنگ انگلستان میں ایک کمیٹی کے روبرو ۱۸۳۱ء میں بیان دیتے ہوئے کہتا ہے۔

"بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر تھیں۔ مسلمان اُس ملک میں آباد ہوگئے جسے اُنھوں نے فتح کیا تھا' وہ ہندوستانی باشندوں میں گھل مل گئے' اُن میں شادی بیاہ کرنے لگے۔ مسلمانوں نے ہندوستانی غیر مسلموں کو ہر قسم کے حقوق دئے اور فاتح اور مفتوح کے مذاق دلچسپی' اور ہمدردی میں یکسانیت تھی کہ کوئی فرق نہ تھا۔ بخلاف اس کے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے' اب سرد مہری' خود غرضی اور بے پروائی ہے جس میں ایک طرف تو قوت کا آہنی پنجہ حکمراں ہے اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے اور ہندوستانیوں کو کوئی دخل نہیں۔"

(الانصار جلد ۲۲ نمبر ۲ مورخہ ۱۶ رجون ۱۹۳۹ء ماخوذ از فارورڈ کلکتہ)

اسی طرح 'سرجان مینارڈ' اور دوسرے مورخ لکھتے ہیں۔ یہ منافرت انگریزوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور اُن ہی کی خواہش اور پالیسی کے موافق لیگ بھی پرزور کوشش کر رہی ہے۔ یقیناً اگر انگریزی راج کا یہاں سے خاتمہ ہو جائے اور زعماء لیگ اپنی اس غلط پالیسی کو چھوڑ کر اتحاد و اتفاق کی دن اور رات کوشش کرنے لگیں تو حالت بہت جلد بدل سکتی ہے جیسا کہ تحریک خلافت' کے وقت میں مشاہدہ ہو رہا تھا۔ اگر گورنمنٹی طاقتیں اپنی باطنی قوتوں کا استعمال نہ کریں تو یقیناً نہایت زیادہ ہم آہنگی اور خوش گواری قائم ہو جاتی۔ اور اگر واقعیت وہی تسلیم کر لی جائے جو کہ مسٹر جینا ارشاد فرماتے ہیں تو پھر پاکستان کے ہر دو حصوں میں بھی کبھی امن و سکون نہ ہوگا اور نہ وہاں مسلم حکومت قائم رہ سکیگی! وہاں کی فی صدی چالیس بلکہ اس سے زیادہ غیر مسلم آبادی مسلمانوں سے ہمیشہ دست گریباں رہیگی اور حکومت کو نگمّی سے ناچ نچایا کرتی رہیگی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ سرمایہ دار' زمیندار اور عام مسلمانوں سے بہت منظم اور تعلیمیافتہ ہے۔ مسلمان عموماً مفلوک الحال اور ہندوؤں اور سکھوں کے مقروض و محتاج اور رعایا ہیں اور حسب تصریح 'تنظیم' امرتسر ۱۴ رجون ۱۹۳۹ء اُن پر قرضہ نوّے کروڑ روپیہ ہے جس کا سود تقریباً ۱۵ کروڑ روپیہ اُن کو دینا پڑتا ہے۔ قرضہ کا سب سے بڑا حصّہ کاشتکار مسلمانوں ہی پر ہے اور قرضخواہ عموماً غیر مسلم مہاجن ہیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں مسٹر جینا ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ نئے آئین کے تحت مختلف پیدا ہونے والے معاملات کو سلجھانے اور طے کرنے کے لئے ایک درمیانی دور ہوگا۔ جس کے دوران میں اُمور خارجہ اور فوجی معاملات برطانیہ کے ہاتھ میں رہیں گے۔ اس درمیانی دور کی مدت کیا ہوگی! اس کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ کس رفتار سے ہندو اور مسلمان نیز انگریز اپنے کو نئے آئین کے مطابق ڈھالتے رہیں۔ بالآخر ہندو اور مسلمان دونوں برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کریں گے جس طرح مصر نے اپنی آزادی حاصل کرنے کے بعد برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔"

(اجمل بمبئی ۲ رمارچ ۱۹۴۳ء)

اس جواب میں جو غلط کاری مسٹر جناح نے کی ہے اُس کی تفصیل ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے بیان اور اجمل بمبئی اور مدینہ بجنور کی توضیحات میں آچکی ہے مگر ہم ایک اور واضح چیز یہاں 'انصاری' دہلی روزانہ مورخہ ۹ رمارچ ۱۹۴۳ء کے ایڈیٹوریل سے نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اس درمیانی دور میں برطانیہ ہندوستان کے ان دونوں حصوں کو کیوں نہ ایسی پوزیشن میں ڈال دیگا کہ وہ کبھی بھی آزاد نظام حکومت کو سنبھالنے کے قابل نہ ہو سکیں؟ اگر اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو گویا مسٹر جناح کی اس تجویز کا مطلب برطانیہ کو یہ صلاح دینا نہیں ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے متحد ہو کر ہندوستان کی آزادی کی تحریک اُٹھانے کے امکانات کو پاش پاش کر ڈالنے کے لئے ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرے اور الگ الگ اُن کی پوزیشن کو کمزور کر کے ہندوستان کو قیامت تک غلام بنائے رکھے؟ نیوز کرانیکل کے نامہ نگار کو بھی مسٹر جناح کی اس تجویز کو سن کر یہی بات سوجھی تھی جو ہم نے واضح کی ہے۔ چنانچہ اس نے مسٹر جناح سے دریافت کیا کہ اگر اُس وقت انگریز یہ غور کر کے ہندوستان کو چھوڑنے سے انکار کر دے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر اچھے نہیں ہیں کہ وہ ہمسایگی حیثیت سے اچھی طرح رہ سکیں تو پھر کیا ہوگا؟ مسٹر جناح کو اس کی کچھ فکر نہیں ہے کہ اُس وقت کیا ہوگا اور برطانیہ ہندو اور مسلمانوں کو الگ الگ غلامی کے پھندے میں لٹکائے رہیگا۔ اُنھیں تو صرف یہ فکر ہے کہ کسی طرح مسلم صوبوں پر مسلم لیگیوں کا راج ہو جائے۔"

اخبار مذکور کا یہ کہنا بالکل واقعی اور صحیح ہے۔ برطانوی قوم بالخصوص ٹوریوں اور قدامت پسندوں کی ذہنیت اور اُن کے آئے دن کے بیانات اور ارادے اور اعمال اسی کی شہادت دیتی ہیں۔ سابقہ تجربات صراحتاً اس کے دلائل اور براہین قویہ ہیں۔

تیسرے سوال کا جواب مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا ہے!

"ایسا ہو سکتا ہے لیکن اس کا امکان نہیں ہے۔ بہرحال اس صورت میں بھی اس سے زیادہ آزادی حاصل رہیگی جو اس وقت ہے۔ ایک جداگانہ قوم اور ایک ڈومنین کی حیثیت سے ہمارے لئے موجودہ تعطل کے مقابلہ میں اُس وقت تک اس کے زیادہ مواقع وامکانات ہوں گے کہ ہم میں اور برطانوی حکومت میں معاہدہ ہو جائے۔"

مسٹر جناح نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ اس کا امکان نہیں ہے مگر اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں فرمائی! انگریزوں کے اس قسم کے کارنامے تاریخی صفحات پر اس قدر مرقوم ہیں کہ اُن کے گنوانے کے لئے دفاتر چاہئیں۔ تعجب ہے کہ مسٹر جناح اُن تمام معاملات سے چشم پوشی فرما رہے ہیں۔ ایڈورڈ گرے، لائڈ جارج، مسٹر چرچل اور دیگر وزرا برطانیہ کی تاریخیں دیکھئے اور مسٹر جناح کی واقفیت یا نسیان کی داد دیجئے۔

اس قسم کی ڈپلومیسیاں ساحرین برطانیہ کے بائیں ہاتھ کے کھیلوں میں سے ہیں۔ ہم کو اس وقت مولانا محمد علی مرحوم کا مقالہ یاد آتا ہے۔ اُنھوں نے متعدد مرتبہ ذکر فرمایا کہ جبکہ وہ خلافت ڈیپوٹیشن میں انگلستان کو جا رہے تھے تو پیرس میں بھی گذرے اور وہاں کے ایک مشہور ومعروف سیاسی شخص سے ملاقات کی۔ اثناء ذکر میں انگریزوں کی ڈپلومیسی اور فریب کا تذکرہ آیا تو اس نے کہا کہ میں اور میری قوم (فرنچ) ہمیشہ یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ انگریزوں کے فریب میں نہ آئیں گے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں اور میری قوم دیکھتے ہیں کہ پھر اُن کے فریب میں پھنس گئے ہیں!

تعجب ہے کہ دنیا کی آزمودہ کار پالیٹکس کی ماہرین قومیں تو ان کے دجل اور فریب کا اتنے زور شور سے اقرار کریں اور مسٹر جناح جو صرف قانون کے نہایت خشک ماہر ہیں (بقول مسز جان گنتھر) اسکے امکان کا بلا دلیل انکار کریں۔ جسے کیرہارڈی تو کہتا ہے کہ جبتک دنیا میں ڈپلومیٹک آفس موجود ہے دنیا میں امن وامان قائم نہیں ہو سکتا اور مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ اسکا امکان نہیں ہے! اٹلانٹک چارٹر اور ایسی ایسی سینکڑوں چیزیں موجود ہیں اور مسٹر جناح صاحب سے چشم پوشی فرما رہے ہیں یا دانستہ سب کی آنکھوں میں دھول ڈال رہے ہیں۔ اُن کی دوسری باتوں کا جواب ڈاکٹر عبداللطیف

اور اجل کے آرٹیکل میں آچکا ہے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ روزنامہ انصاری مورخہ ۹ / مارچ ۱۹۴۳ء کہتا ہے اور صحیح کہتا ہے کہ مسٹر جینا کو نہ تو ہندوستان کی آزادی کی پرواہ ہے اور نہ آپکو مسلمانوں کی آزادی کی فکر ہے۔ بلکہ اس وقت تو آپکو صرف اس بات کی دُھن ہے کہ کسی نہ کسی طرح انگریز ہندوستان کے دو ٹکڑے کرکے ایک ٹکڑے پر مسلم لیگ کا راج قائم کرادیں اور اپنی سنگینوں سے اس مسلم لیگی راج کی حفاظت کرتے رہیں۔ مسلمانوں کو مسٹر جینا کے اس تازہ اظہار خیال کی روشنی میں مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کے سیاسی ڈھونگ کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ یہ ان کی آزادی کا مطالبہ ہے یا اُنھیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غلام بنوانے' اور ہندوستان کی دوسری قوموں سے برسرپیکار رکھنے کی ترکیب ہے!"

(ی) مسٹر بلوڈن کے خط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ملعون مفادات اور منحوس خود غرضیوں کی بنا پر ٹوری اور رجعت پسند انگریزوں نے مصمم ارادہ تقسیم ہندوستان کرکے مسلم لیگی اور مسلم کانفرنسی لیڈروں سے بحث وپز کرلی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خواہ ہم کچھ کریں یہ ہوکر رہیگا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرض عمل میں نہ لائیں اور اُس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات کیوں نہ قائم کریں۔ یہ قول صاف اس امر پر روشنی ڈالتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ تقسیم ہندوستان صرف انگریزوں کا نکالا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کیا جارہا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انگریز اسکی تائید اور حمایت میں پورا زور لگارہے ہیں۔

مسٹر چمن لال سیتلواڈ کا وہ بیان جو کہ انھوں نے امریکہ سے واپسی پر ۱۵ / جنوری ۱۹۴۵ء میں کراچی میں دیا تھا اس امر پر پوری روشنی ڈالتا ہے۔ اس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"امریکہ کا برطانوی سفارتخانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں پمفلٹ وغیرہ لٹریچر چھپواتا ہے اور اُسے ہوائی جہازوں کے ذریعہ امریکہ میں مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے اسکے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے مسٹر احمد اُسکے انچارج ہیں۔ برطانوی سفارت خانہ کی طرف سے انھیں تنخواہ دی جاتی ہے۔۔۔۔۔"

(ملاپ لاہور روزنامہ مورخہ ۱۶ / جنوری ۱۹۴۵ء جلد ۲۲ نمبر ۲۴۳ از رپورٹر)

ہندوستان میں برطانوی حکام کی لیگ کی غیر معمولی حمایت اور سرپرستی اسکی شہادت عادلہ ہیں جو کہ ہر ایک غور کرنیوالے پر مخفی نہیں ہیں۔

نیو اسٹیٹسمین اینڈ نیشن لندن' مورخہ ۱۴ / دسمبر ۱۹۴۰ء لکھتا ہے'

"یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ لارڈ لنلتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا۔ مسلم لیگ ایک طاقتور جماعت ہے اور اسکو مسٹر جینا کی رہنمائی حاصل ہے جو ایک قابل اور سرگرم لیڈر ہیں لیکن اس کو پنجاب' سندھ' اور سرحد کے صوبوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے کوئی مقبولیت حاصل نہیں! اور اگر اس وقت کچھ ہو بھی گئی ہے تو کل تک نہیں تھی۔ صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم حلقہ ہائے انتخاب سے جو ممبر منتخب ہوکر آئے اُن میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونیوالوں کی تعداد چوتھائی سے بھی کم تھی! اور اب اس کا دعویٰ ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اسکے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وائسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بنگئی ہے۔ ہم نے مسٹر جینا کی انتہا پسندانہ روش کو ہندوستان کی مسلمان آبادی جسکو ہم تسلیم کرتے ہیں اصل رائے سمجھنا شروع کردیا ہے اور مسٹر جینا اور دوسری

ہندوستانی جماعتوں کے نظریوں میں، جن میں دوسری مسلم جماعتیں بھی شامل ہیں اُنکی اتحاد و اتفاق کا ہونا ممکن نہیں۔"

(مدینہ بجنور نمبر ۱۵ جلد ۳۰ مورخہ ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء)

اسی بیان میں وہ آگے چل کر کہتا ہے۔

"یہ پیشکش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات عطا کر دیا جائیگا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔ لیکن اگر ہم مسٹر جناح کو محض اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت جھوٹے اور ناکارہ عہدنامہ کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تو ہم ایسا نہیں کرینگے اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے اُن کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو کا پُرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اُسکے معنی یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب ہی میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول رہے ہیں۔"

بہرحال یہ پاکستان کا ڈھونگ برطانیہ کی منحوس تجویز ہے جو کہ ٹوریوں کے دماغوں کی جھیل 'مان سرور' سے بطور چشمہ نکلتی ہے اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بڑھ کر موجیں مارنے والے دریا کی صورت ۱۹۴۰ء سے اختیار کر لیتی ہے جس میں فریب دیکر ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ لوٹنا اور برباد کرنا اور ہر طرح سے اپنا اُلّو بنانا مقصود ہے۔ اور جسکو نہایت چالاکی کے ساتھ بہت ہی خوش رنگ، میٹھے شربت کی صورت میں زہر ہلاہل کو پلایا جا رہا ہے۔

۵ یہ فتنہ آدمی کی خانہ بربادی کو کیا کم ہے..
ہوئے تم دوست جس کے اسکا دشمن آسماں کیوں ہو؟

لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول وغیرہ کا اس تقسیم کے خلاف کرنا اگر دانستہ ہے (اور یقیناً ایسا ہی ہے) تو یہ بھی انگریزی سیاسی چال ہے۔ جس سے ہندوستان مسلمانوں کا اصرار روز افزوں ترقی کرے گا۔ "الانسان حریص فی ما منع" اور آخر میں خود انگریز اپنے عظیم الشان احسانوں کو جتلاتے ہوئے مسلمانوں سے کہے گا کہ ہم تو نہیں چاہتے تھے مگر کیا کریں تم لوگ مجبور کر رہے ہو تو ہم تمکو یہ چیز دیتے ہیں اور ہندو سے کہیگا کہ ہم تو ہندوستان کی تقسیم کے خلاف ہی ہیں، ہم تو متحدہ ہندوستان ہی کو تم سبھوں کے لئے مناسب سمجھتے تھے مگر تمہارے وطنی بھائی مسلمانوں نے ہم کو مجبور کر دیا ہے، ہم کو تم سبھوں کی خاطرداری کرنی ہے، بادل نخواستہ ہم اس تقسیم ملک کو منظور کرتے ہیں، تم کو اپنے وطنی بھائیوں کی ہٹ اور اُن کی خواہشوں کا احترام کرنا چاہئے۔ اسکو ٹھکرانا نہ چاہئے۔ امریکہ اور روس وغیرہ دیگر ممالک کے سامنے بھی اپنی معصومیت کا اظہار کریگا کہ ہم کیا کریں، ہم نے تو بہت سمجھایا مگر مسلمان نہ مانے۔ اسلئے بمجبوری ہم نے تقسیم کر دیا۔ اس طرح سب کو خوش کرکے اپنی اغراض مکمل طور سے پوری حاصل کی جائے گی اور بوجھ مسلمانوں کے سر پر رکھدیا جائیگا۔ ایسے اعمال انگریزی سیاست اور اسکی چالوں میں روزانہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ آج نیا کھیل نہیں ہے۔ مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے۔ اور ممکن ہے کہ لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول کی یہ مخالفت نادانستہ ہو اور وہ ان کارروائیوں سے جو ٹوری اور قدامت پسند کنسرویٹو پارٹی نے یہاں پہلے سے جاری کیں ہیں اُن سے واقف نہوں۔ بہرحال مسلمانوں کو اپنے مستقبل پر اور انگریزی مفاد پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ضروری ہے۔

تقسیم ہندوستان میں اجمالی طور پر خطرات کا ہجوم

ہم اس جگہ اُن خطرات کو اجمالی طور پر اس تقسیم کے متعلق ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو کہ خود لیگ کے ایک ذمہ دار سمجھدار ممبر نے وفاق عرب پر روشنی ڈالتے ہوئے ذکر کئے ہیں اور جنکو اجمل بمبئی نے نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ خطرات نہ تو معمولی ہیں اور نہ صرف رائے اور وہمیات ہیں بلکہ واقعات ہیں جنکو غور و خوض کے ساتھ دیکھنا۔ اشد ضروری ہے۔

(روزنامہ اجمل بمبئی مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۴۴ء)

"مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی بنگال کے ایک ممتاز مسلم لیگی لیڈر ہیں وہ انگریزی زبان کا ایک مسلم لیگی روزنامہ 'مارننگ نیوز' نکالتے ہیں۔ اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۶ر جولائی میں 'اتحاد عرب' پر تبصرہ کرتے ہوئے صدیقی صاحب ایک عجیب بات لکھ گئے ہیں جسے آج ہم ناظرین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہی لوگ جو محض ہندوؤں کی ضد میں 'پاکستان' یا تقسیم ہند کے قائل ہیں خود اپنے دل کی گہرائیوں میں تقسیم یا اتحاد کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ صدیقی صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر چھوٹی اور کمزور قومیں بڑی اور طاقتور قوموں کی دراز دستیوں سے بچنا چاہتی ہیں تو اُن کو آپس میں ضم ہو کر بڑے گروہ یا وفاق بنانا ہوں گے۔ نسل، مذہب، یا جغرافیائی حدود کی بنا پر تقسیم کا خیال انیسویں صدی کے یورپ کے سیاسی فلسفہ کی تخلیق ہے اور اب یہ تجربہ کی بنا پر تباہ کن ثابت ہو چکا ہے۔ بلجیم، اپنی کمزوری کا مزہ چکھ چکا ہے، 'زیکوسلاویکیہ' خوشحالی سے دور رہا اور یوگوسلافیہ بھی امن حاصل نہ کر سکا۔ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ چھوٹی قومیں ظلم اور دراز دستیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں"

یہ ہے مسلم لیگ کے ایک ممتاز رکن اور لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک سابق ممبر کا خیال! "مارننگ نیوز" کی یہ رائے ضرور اس قابل ہے کہ اس پر مسلم لیگی حضرات غور کریں۔ اسلئے کہ اس میں ایک ایسے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو جوش کی دھاندلی میں مسلمان قوم کو غلط راستہ پہ لئے جا رہا ہے اور جس پر چل کے قوم بڑے مصائب میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ پاکستان اور اسلامی حکومت کے نعرے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ دو اسلامی حکومتوں کے قیام کا تخیل عام مسلمانوں میں ایک خاص قسم کا سرور اور جوش پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی سچ سہی کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کافی اختلافات ہیں مگر اسکے باوجود بھی یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ محض ہندوؤں کی تنگ دلی سے شاکی ہو کر ہم ایسی غلطی کر بیٹھیں جو مستقبل میں ہمارے لئے تباہ کن اور ملت کیلئے باعث بربادی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ بنگال اور پنجاب کی حکومتیں اتنی طاقتور نہیں ہوں گی کہ وہ بیرونی حکومتوں کے ساز و باز اور انکی دراز دستیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اسلئے یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ہندوؤں سے تو مفروضہ آزادی حاصل کر لیں۔ مگر اس مفروضہ آزادی کے بدلے میں غیر ملکی حکومتوں کی ویسی ہی غلامی میں مبتلا ہو جائیں جیسی کہ آج ہمارے سروں پر نافذ ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بدترین بدقسمتی ہوگی! اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم معاملات کو محض ہندو دشمنی کی عینک سے نہ دیکھیں بلکہ پاکستان کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ آیا یہ پاکستانی حکومتیں خود ہمارے لئے باعث رحمت ثابت ہو سکیں گی یا نہیں! آیا یہ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کر سکیں گی یا نہیں! آیا یہ اتنی طاقتور ہوں گی یا نہیں کہ بین الاقوامی سیاست میں اپنا وقار قائم رکھ سکیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دانائی کا اقتضا یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے لئے مابقی اختیارات حاصل کر کے متحدہ ہندوستانی وفاق میں

شامل رکھا جائے اور بجائے علیحدہ ہوکر دوسروں کے غلام بننے کے ہندوؤں سے مل کر نہ صرف اپنی آزادی باقی رکھی جائے بلکہ متحدہ ہندوستان کے وسائل سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خود ملت اسلامیہ کی اس طرح اندرونی اصلاح کی جائے کہ وہ زندہ اور طاقتور قوم محسوس ہونے لگے۔ 'مارننگ نیوز' کا یہ بیان صحیح ہے کہ اب دنیا کی تقسیم اور علیحدگی کی حمل سیاسی پالیسی کو چھوڑتی جارہی ہے۔ اس نئے مسلسل تجربات نے ثابت کردیا ہے کہ اس 'تنازع البقاء' کی دُنیا میں صرف طاقتور زندہ رہ سکتے ہیں۔ کمزور چاہے وہ کیوں کتنے ہی حق پر کیوں نہوں 'زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

مان لیجئے کہ قیام پاکستان کے لئے اچھے دلائل موجود ہیں مگر یہ اچھے اور خوبصورت دلائل جاپان کو بنگال پر اور روس کو پنجاب و سرحد پر ریشہ نگاہیں ڈالنے سے باز نہیں رکھ سکتے ہیں۔ کیا آزادی و انصاف کے تمام الفاظ ملک گیری کے آرزومندوں کو پاکستان کے کمزور ممالک کی تسخیر کے ارادوں سے باز رکھ سکتے ہیں! اگر کوئی اس معاملہ میں دیانتداری کا ذرا بھی شبہہ رکھتا ہے تو وہ بیوقوفوں کی جنت کا ساکن ہے اس دنیا میں جہاں حق کے مقابلہ میں طاقت کا راج ہے' پاکستانی حکومتیں محض اس بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتیں کہ مسلمانوں کو آزاد رہنے کا حق ہے اور بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے اُن کو ضرور آزاد رہنا چاہیئے۔ مسلم لیگ مذہب کی بنیادوں پر عمل تقسیم کا طالب ہے، تمدن، تہذیب اور زبان کو بنیادوں پر تقسیم کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے ورنہ جہاں تک تہذیب و تمدن کا تعلق ہے اگر اسکی بنیادوں پر ہندوستان کو تقسیم کیا جائے تو ہندوستان بیشمار ٹکڑوں میں منقسم ہوکر رہ جائیگا۔ کیونسٹ حضرات جس تقسیم کے قائل ہیں وہ تہذیب و تمدن اور زبان کی بنیادوں پر ہوگی گر مسلم لیگ اسکی طالب نہیں ہے وہ مذہب کی بنیاد پر تقسیم کی طالب ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان علاقوں کیلئے حق علیحدگی طلب کرتی ہے جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔

' مارننگ نیوز' نے اپنے مذکورہ مضمون میں سچ کہا ہے کہ اس وقت جبکہ اقوام عالم کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے' قوموں کی گروہ بندی ۲

"پاکستان" پر ایک نظر

از ——— حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حفظ الرحمن صاحب، ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ النبی الامی الکریم

پاکستان سیاست حاضرہ کا اہم ترین نقطۂ بحث ہے اور ایک بے پناہ منظم پروپگنڈے نے اس کو جذبات مسلم کا محور بنا دیا ہے۔ اس کے خلاف کچھ لکھنا ایک گویا طوفان کی لہروں سے کھیلنا ہے! لیکن حق و انصاف، دیانت اور صداقت، استقلال و ثبات کبھی بھی طوفان باطل سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔ اس کا تقاضہ ہمیشہ یکساں رہتا ہے اور بااحساس، صاحبِ دیانت انسان کو حق گوئی اور صاف گوئی پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوا کہ حقیقت حال کی وضاحت کے لئے پارٹی فیلنگ سے بالاتر ہو کر محض اس لئے کچھ لکھا جائے کہ مسئلہ زیر بحث ہندوستان میں مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے لئے کیا واقعی نسخہ کیمیا ہے یا سیاسی کیمیاگروں کا محض ایک کیمیاوی فریب ہے جو محض ذاتی اقتدار یا پارٹی اقتدار کی خاطر ایک جماعت کو شکست دینے کے لئے حکومت کے اشارے سے عالم وجود میں آیا ہے اس لئے اسلام اور مسلم مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم کو کسی جماعت کی مخالفت یا موافقت کو نظر انداز کر کے صرف اسی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر بحث کرنی چاہئے کہ یہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے لئے مفید ہے یا مضر کیونکہ یہ ایک مسلمہ عقلی نظریہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کی اصل حقیقت اور اس کی حقیقی حیثیت سے قطع نظر کر کے اس کو دوسروں کی مخالفت کے جذبہ کے ساتھ سوچا جاتا ہے تو اکثر و بیشتر اس کے نتائج و ثمرات بجائے بہتر ثابت ہونے کے بدتر ظاہر ہوتے ہیں اور اس میں افادیت کی جگہ ضرر ہاتھ آتا ہے اور اس کا نتیجہ پرائے شگون میں اپنی ناک کٹانا ہو جاتا ہے جو مضامین اس مسئلہ سے متعلق اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے افسوس کہ ان میں دلائل کی جگہ بیشتر جذبات کی فراوانی اپنے خیال کے مخالفوں پر طعن و تشنیع، غلط حوالوں سے غلط نتائج کا اختراع، اور ان تمام باتوں کے علاوہ دانستہ یا نادانستہ غلط بیانی بکثرت پائی جاتی ہے۔

بتقاضائے حسن ظن مضمون نگاروں کے صدق نیت اور اخلاص کے باوجود ان کی یہ لغزشیں غالباً اسی پارٹی فیلنگ کی رہین منت ہیں جس نے اصل حقیقت کے فہم و ادراک سے بے نیاز کر کے آجکل دماغوں کو مفلوج بنا رکھا ہے۔

پاکستان کے حامیوں کے مضامین میں سب سے بڑی خامی جو مسئلہ کو کسی طرح صاف نہیں ہونے دیتی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک اہم قانونی اور کانسٹی ٹیوشنل مسئلہ کو ہندوؤں کی تنگ نظری اور ان کی فرقہ پرستانہ ذہنیت کی پیداوار کہہ کر مخالفانہ جذبات کی رو میں گم ہو جاتے ہیں اور اس مسئلہ کے مفید ہونے کے دلائل پیش کرنے کے بجائے محض دفاعی سوال و جواب پر بحث کر کے مسئلہ کو ختم کر دیتے ہیں اور اس کی بنیادی تفاصیل کی تشریح کے جواب میں بھی صرف اسی قسم کا جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے

ہیں جیسا کہ پادری فنڈر نے تثلیث کے اعتقاد پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ "ایک کس طرح تین اور تین کس طرح ایک ہو سکتے ہیں" "میزان الحق" میں یہ کہہ دیا کہ "یہ مسئلہ اگرچہ بنیادی ہے مگر اس کی تشریح اس دنیا میں ناممکن ہے مگر اس پر اعتقاد ضروری ہے"۔

عام طور پر قوم پرور مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ کے اظہار کے لئے اس مسئلہ کو صرف عنوان بنایا جاتا ہے۔ اس کی اصل حقیقت پر بحث کرنا مقصد نہیں ہوتا ورنہ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں کہ "ہندوؤں کی عام ذہنیت ہمیشہ سے تنگ نظری سے ملوث ہے اور وہ ناپ تول کی زندگی کے عادی ہونے کی وجہ سے سیاسیات میں بھی سخت تنگ دل واقع ہوئے ہیں" قوم پرور مسلمانوں اور فرقہ پرست مسلمانوں' یا 'پاکستانی' و 'غیر پاکستانی مسلمانوں کے درمیان کبھی بھی دو رائیں نہیں رہیں۔ ہمیشہ اختلاف اس میں رہا ہے کہ ان کے ان خصائل کے باوجود اس ملک میں اپنی آزاد حیات اجتماعی کو واپس لانے' اس کو برقرار رکھنے اور ملک کی غلامی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے! اس لئے ہندوؤں کی پیدائشی تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے یقین کے باوجود بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا صحیح علاج 'پاکستان' ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دو باتیں لازم و ملزوم نہیں ہیں! 'ہو سکتا ہے' (اور ہے) کہ اس کا علاج پاکستان کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ پر کیا جائے اور یہی وہ دوسرا طریقہ ہے جس کو آزاد مسلم کانفرنس اور جمعیۃ علماء ہند اپنے اجلاسوں میں واضح کر چکی ہے اور دوسری مسلم جماعتوں خصوصاً مسلم لیگ کو دعوت دے چکی ہے کہ وہ باہم جمع ہو کر اس اسکیم اور پاکستانی اسکیم دونوں پر غور کر کے ایک متحدہ آواز اٹھائیں مگر اس کا جواب مسلم لیگ کی جانب سے بجز نفی کے اور کچھ نہیں دیا گیا۔

ممکن ہے جذباتی نوجوانوں کے نزدیک الہامی اور اسلامی طریقہ کار وہی ہو جو مسلم لیگ نے اختیار کیا ہے تاہم ضرورت اس کی ہے کہ مسئلہ 'پاکستان' اور اس کی نعم البدل اسکیم پر سیر حاصل بحث کی جائے تاکہ لوگوں کی توجہ اتہامی طعن و تشنیع سے الگ ہو سکے اور اسلام کے قدیم اصول بحث پر حقیقت حال منکشف ہو سکے۔

مسلم لیگ کے نقطۂ نظر سے پاکستان کی ضرورت

مسلم لیگ پاکستان کیوں چاہتی ہے؟ اس کے جواب میں عامیانہ نقطۂ نظر سے آج تک جس قدر کہا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "ایسے ملک میں جہاں مسلمان مستقل قوم کی حیثیت میں موجود ہوں اور وہاں مختلف اقوام میں سے ایک قوم ایسی بھی آباد ہو جو اس ملک کے مجموعہ کے لحاظ سے اکثریت میں کہی جا سکے تو ایسی حالت میں مسلمان آزاد ہندوستان میں ہرگز ایسی پوزیشن میں نہیں رہنا چاہتے کہ وہ ملک کی اقلیت کہلائیں کیونکہ وہ درحقیقت اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک مستقل قوم ہیں اور چونکہ آبادی کے لحاظ سے بعض حصص ملک ایسے موجود ہیں جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ لہٰذا ان حصوں کو ملک کے ان حصوں سے الگ کر دیا جائے جن میں ہندو اکثریت ہے تاکہ اپنے حصص ملک میں مسلمان اپنی مرضی سے آزادی کا فائدہ اٹھا سکیں۔ کیونکہ اگر وہ کسی صورت میں بھی مجموعہ ہندوستان کا جز یا حصہ رہیں گے تو وہ اکثریت کے ماتحت ہوں گے اور مستقل حیثیت حاصل نہ کر سکیں گے اور ہمیشہ اقلیت و اکثریت کی جنگ جاری رہے گی اور ملک میں کبھی اطمینان و امن پیدا نہ ہو سکے گا۔" یہی وہ نظریہ ہے جو مسٹر جناح سے لیکر اُن کے تمام معتقدین کی زبان و قلم کے ذریعہ یکساں طور پر ظاہر کیا جا رہا ہے اور اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہترین طریق کار 'پاکستان' تجویز کیا گیا ہے۔

پاکستان؟

پاکستان کس نظام حکومت یا طرز حکومت کا نام ہے اس کیلئے لاہور ریزولیوشن کی رو سے اس وقت تک مسلم لیگ کے قائد اعظم اور اُن کے پیروؤں

نے بذریعہ الہام جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "دو قوم کی تعبیری مان کر ایک چوتھائی ہندوستان اس طرح مسلمانوں کو دیا جائے کہ وہ برٹش کا من ویلتھ کے زیر سایہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک سلطنت حکومت قائم کریں اور بنگال و آسام کے مسلم اکثریت رکھنے والے چند اضلاع کو ملا کر دوسرا سلطنت حکومت بنا لیں اور پھر ان دونوں کا ایک فیڈریشن ہو جو اپنے معاملات میں باقی ہندوستان کی حکومت سے قطعاً آزاد ہو اور اپنی مرضی سے تین چوتھائی ہندو ہندوستان کا حلیف بنے یا حریف رہے ——— لہٰذا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس پر غور کرے کہ آزاد ہندوستان میں مسلم لیگ کے ناخداؤں نے جو "الہامی اسکیم" تجویز فرمائی ہے وہ کہاں تک اس مقصد کو پورا کر سکتی ہے جس غرض سے یہ تجویز بقول قائد اعظم "مسلمانوں کا دین و ایمان" بن چکی ہے۔

پاکستان کی حقیقت

جس پاکستان کا مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے ظاہر ہے کہ وہ اسلامی حکومت کا دوسرا نام نہیں ہے جیسا کہ خود مسٹر جینا اور دوسرے حامیان پاکستان نے اس کو صاف صاف تسلیم کر لیا ہے اگرچہ قوم پرور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے مسلم لیگ کے ذمہ دار قائدین آیات قرآنی اور احادیث پڑھ پڑھ کر اس افتراء سے بھی نہیں چوکتے کہ وہ پاکستان کہہ کر خالص اسلامی حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں!! پاکستان کس طرح اسلامی حکومت کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہو کہ اس نظام حکومت میں غیر مسلم اقوام کو تناسب آبادی کے لحاظ سے حکومت کے ہر شعبہ میں خصوصاً مجلس قانون ساز اور کیبنٹ (کابینہ، وزارت) میں حصہ دار بنایا جائے گا جیسا کہ یورپین جمہوری نظام کا تقاضہ ہے حالانکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم صرف ایک ذمی کی حیثیت میں امن و اطمینان اور عدل و انصاف کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ لیکن نظام حکومت کے کارفرما شعبوں میں مطلق ان کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا اور مجلس وضع قوانین کا تو وہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح مسلم لیگ کے قائد اعظم نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ پاکستان ایسے طرز حکومت کا نام نہیں ہوگا جس میں یہ شرط ہو کہ مسلم حکومت میں ایک بھی غیر مسلم آباد نہ رہے اور ہندو ہندوستان میں کوئی مسلمان سکونت پذیر نہ رہے اور دونوں قوموں کے درمیان تبادلۂ آبادی کے اصول پر "ہجرت" کا اصول کارفرما ہو اور عملاً یہ کیسے ممکن ہے جبکہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کے مشاہد، مقابر، مساجد، آثار اور ثقافت و تمدن مسلم اکثریت کے صوبوں سے کم نہیں بلکہ زائد ہیں اور مسلمان کسی حالت میں بھی ان کو نہیں چھوڑ سکتے!!!

تو اب تیسری صورت یہ باقی رہ جاتی ہے کہ "پاکستان" ایسی حکومت کا نام ہوگا جو مسلم اکثریت کی پوزیشن کے ساتھ یورپین جمہوری نظام کے قالب میں ڈھلا ہوا ہو یعنی قانون ساز جماعتوں (اسمبلیوں اور کونسلوں) اور کیبنٹ (کابینہ وزارت) میں اقلیت بھی بحصہ تناسب آبادی حقدار ہوگی اور مسلم و غیر مسلم عناصر کے اجتماع اور یکجہتی کے اصول پر اس کی ترتیب قرار پائیگی۔

بس اگر اسی اصول پر پاکستان عمل میں آئے گا تو قوم پرور مسلمانوں کو شکست دینے اور شخصی یا پارٹی اقتدار حاصل کرنے کے لئے "پاکستان" کو یہ کہنا کہ ہم اسلامی حکومت بنا رہے ہیں ایک بہت بڑا سیاسی فریب ہے جو ایسے نازک وقت میں اور زیادہ قابل نفرت ہو جاتا ہے جبکہ مسلمانوں کے لئے اس کی سخت ضرورت ہو کہ مسلم مفکرین اور ارباب سیاست ان مختلف اسکیموں پر غور و خوض کریں جو ہندوستان میں مسلمانوں کو اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے ہندوؤں کے مساوی آزاد رہنے کا حق دیتی ہوں اور پھر تبادلۂ خیالات کے بعد کسی ایک اسکیم اور فارمولے کو وضع کر کے حکومت اور کانگریس دونوں کے سامنے متحدہ آواز کے ساتھ پیش کر سکیں، ایسے وقت میں کسی ایک سیاسی نظریہ یا اسکیم کو مذہب اور ایمان بنا کر عوام فریبی سے کام لینا معلوم نہیں ایمانیات

کا کونسا درجہ رکھتا ہے اور "الہام سیاسی" کی کونسی قسم میں داخل ہے خصوصاً جبکہ دوسری متعدد اسلامی جماعتیں اور اُن کے معزز رہنما مسلم لیگ کے نامداؤں کو بار بار دعوت دیتے ہوں کہ متحدہ آواز پیدا کرنے کے لئے ایک مرتبہ تم کو یا ہم کو اس اسکیم پر اس لئے غور کر لینا ضروری ہے کہ ہم سب اس بارے میں متفق ہیں کہ مستقبل کے آئین میں مسلمان ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں مساوی قوم کی حیثیت میں ہوں۔

الحاصل پاکستان کی اس آخری صورت میں کہ جو مسٹر جناح کی نظر میں صحیح پاکستان ہے ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے اجزاء کی تحلیل کر کے یہ معلوم کریں کہ جس غرض اور جس مقصد کی خاطر یہ الہامی اسکیم منصۂ شہود پر آئی ہے کیا وہ واقعی اس مقصد کو پورا کرتی ہے یا نہیں کرتی؟

پاکستان سیاسی نقطۂ نظر سے

ہندوستان میں صوبوں کی جو تقسیم آج موجود ہے اور جن کی نئے سرے سے تقسیم کو اربابِ لیگ بھی پسند نہیں فرماتے اِن میں مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان، شمال مغرب میں اور بنگال مشرق میں متعین ہیں۔ اور بنگال میں آسام کے اُن چند اضلاع کو بھی شمار کر لینا چاہئے جن میں مسلمانوں کی خاصی اکثریت پائی جاتی ہے۔ ان صوبوں میں مسلم لیگ کی پاکستانی اسکیم کے مطابق شمال مغرب کے صوبوں کا ایک منطقہ ہوگا یا یوں کہئے کہ مسلم حکومت ہوگی۔ اور بنگال اور چند اضلاع آسام کا دوسرا منطقہ ہوگا اور دوسری مسلم حکومت قرار پائیگی اور ہندو ہندوستان کے دو صوبوں (یو۔پی اور بہار) پر سے جست کر کے دونوں حکومتوں کا ایک فیڈریشن بنایا جائیگا اور دونوں کو ملا کر ایک مستقل آزاد حکومت قائم کی جائیگی۔ تو اب ہم اس اسکیم کو پیش نظر رکھ کر جب غور سے کام لیتے ہیں اور جذبات سے بالاتر ہو کر عقلِ سلیم اور فکرِ قویم کو رہنما بناتے ہیں تو ان دونوں منطقوں کی سیاسی پوزیشن جن اجزاء ترکیبی سے مرکب ہوتی ہے ان کی کل آبادی اور مسلم آبادی کے اعداد و شمار اور تناسب فی صدی حسب ذیل ہے۔ یہ اعداد و شمار اور تناسب فی صدی لیگ کے اُردو ترجمان "روزنامہ منشور" مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ منشور میں غلطی سے آسام کی مسلم آبادی بجائے چونتیس لاکھ بیالیس ہزار چار سو اُناسی کے تین لاکھ چوالیس ہزار چار سو اُناسی شائع ہوئی ہے اور سندھ کی فی صدی نسبت بیان نہیں کی۔ نیز صوبوں کی کل آبادی منشور میں شائع نہیں کی گئی۔ ہم نے کل آبادی کے اعداد چودھری رحیم علی صاحب کے تبصرہ سے اخذ کئے ہیں جس کو انجمن ترقی اُردو ہند نے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری پر ایک جامع تبصرہ کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

صوبے	کل آبادی	مسلمان	فی صدی تناسب
پنجاب	۲,۸۴,۱۸,۸۱۹	۱,۶۲,۱۷,۲۴۲	۵۷
سرحد	۳۰,۳۸,۰۶۷	۲۷,۸۸,۷۹۷	۹۱
سندھ	۴۵,۳۵,۰۰۸	۳۲,۰۸,۳۲۵	۷۳
بلوچستان	۵,۰۱,۶۳۱	۴,۳۸,۹۲۳	۸۷
بنگال	۶,۰۳,۰۶,۵۲۵	۳,۳۰,۰۵,۴۳۴	۵۴
آسام	۱,۰۲,۰۴,۷۳۳	۳۴,۸۲,۴۷۹	۳۳

پاکستانی صوبوں کی کل مردم شماری۔ دس کروڑ ستر لاکھ چار ہزار سات سو تراسی۔

کل مسلمان۔ پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ایک ہزار دو سو ستانوے۔

غیر مسلم۔ چار کروڑ اناسی لاکھ تین ہزار چار سو چھیاسی۔

یعنی دس کروڑ ستر لاکھ کے مجموعہ میں مسلمان غیر مسلم سے صرف ایک کروڑ گیارہ لاکھ ستانوے ہزار آٹھ سو گیارہ زائد ہیں یعنی دس فیصدی مجموعی حیثیت سے۔

ساٹھ فی صدی مسلمان اور چالیس فی صدی غیر مسلم

جن میں سکھ پنجاب میں اور عیسائی بنگال میں وہ اقلیتیں ہیں جو ہمیشہ اپنے تناسب آبادی سے زیادہ نمائندگی حاصل کرتی رہیں۔

اسکے برخلاف ہندو ہندوستان میں صوبہ مدراس میں ۹ء۷ فیصدی، بمبئی میں ۹ء۲ فیصدی یو۔پی میں ۲ء۱۵ فیصدی، بہار میں ۱۳ فیصدی سی پی میں ۷ء۴ فیصدی، اڑیسہ میں ۷ء۱ فیصدی۔

مختصر یہ کہ ہندو ہندوستان میں مجموعہ آبادی تقریباً تیس کروڑ ہے جس میں مسلمان تقریباً پونے تین کروڑ یعنی دس فی صدی سے بھی کم اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک جانب ہم نے تقریباً تینتیس فی صدی مسلمانوں کو ہندو ہندوستان میں ایک غیر مؤثر اقلیت بنا کر مسلم لیگ اور قائداعظم کے تسلیم کردہ اصول کے مطابق ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا منظور کر لیا اور دوسری جانب مسلم اکثریت کے صوبوں میں دو ایسی پاکستانی حکومتیں اور ایک ایسی پاکستانی فیڈرل حکومت قائم کی جس میں غیر مسلم اقلیت (جو تعداد میں چالیس فیصدی اور اثر و قوت میں بہت طاقتور ہے) موجود رہی اور یہ ظاہر ہے کہ یوروپین جمہوری نظام کے اصول پر جو بہر حال دونوں قسم کے ہندوستان میں جاری ہوگا کسی حکومت کا اُس وقت تک چلنا ناممکن ہے جب تک وہ اس قدر مؤثر اقلیت کو کلی طور پر مطمئن اور راضی کر کے حکومت نہ کرے خصوصاً جبکہ وہ اقلیت سیاسی اور اقتصادی دونوں حیثیت سے مسلّمہ طور پر مسلمانوں سے زیادہ قوی ہو اسکے برعکس ہندوستان میں بارہ فیصدی یا مختلف صوبوں میں بارہ، چودہ فی صدی اور کم ہو کر چار یا تین فیصدی وہ اقلیت ہے جو غیر مؤثر اور ہر وقت نظر انداز ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ وہ اقلیت مالی اور سیاسی دونوں حیثیت میں غیر مسلم اقوام سے پیچھے ہو۔

پاکستان کا یہ کس قدر افسوسناک پہلو ہے کہ تقریباً دس کروڑ مسلمان جو ایک ہی ملک میں اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہیں دو حصوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ جس مقصد اور غرض کے لئے ایسا کیا جا رہا ہے وہ بھی پورا نہیں ہوتا اور تقریباً ۱/۳ مسلم آبادی مسلم لیگ کے اصول کے مطابق ہندوؤں کی اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جاتی ہے اور ۲/۳ کے لئے ایسی حکومت وضع کی جاتی ہے جس میں اگرچہ تناسب عددی کے لحاظ سے وہ اکثریت میں رہتے ہیں مگر ایسی اکثریت جو یوروپین جمہوری نظام کے پیش نظر مؤثر اور معتدبہ غیر مسلم اقلیت کی رضا کی ہر وقت محتاج رہیگی اور اسکے برعکس ہندو ہندوستان میں ہندوؤں کو ایسی مضبوط حکومت بنا دینے پر اصرار ہے جسمیں مسلمان غیر مؤثر اقلیت بنکر رہ جاتے ہیں۔

لیکن اس مقام پر پہونچ کر ہر ایک پاکستانی دلائل و اسباب سے جُدا ہو کر محض جذباتی بنجاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ ہماری حکومت قائم تو ہوجائے پھر ہم مسلم اقلیت کے صوبوں میں بھی اپنی حکومت کا دباؤ ڈالکر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرینگے اور اپنی معمولی سی اکثریت کے باوجود مؤثر اور معتدبہ اقلیت کو قابو میں رکھ سکیں گے۔

مگر یہ حضرات ایسا کہہ کر خود فریبی یا ابلہ فریبی میں مبتلا ہونے کا ثبوت دیتے ہیں یا بقول شخصے "بیوقوفوں کی جنت کا خواب دیکھتے ہیں"۔

کیا کوئی عاقل اور ذی ہوش انسان یہ مان سکتا ہے کہ اگر ایک حکومت میں دوسری قوم کے حقوق کو پامال کیا جا رہا ہو تو اسکا صحیح مداوا یہ ہوسکتا ہے کہ اس حکمران قوم کے جو افراد دوسری قوم کی حکومت میں آباد ہوں اُن کا انتقام اُن سے لے؟

کیا یوپی اور بہار کے مظلوم مسلمانوں کا انتقام پنجاب اور بنگال کے ہندوؤں سے لینا مذہب یا اخلاق یا قانون و آئین کے کسی نظریہ سے بھی صحیح ہوسکتا ہے؟ اور اگر صحیح بھی ہو تو کیا یہ عقلاً ممکن ہے؟ بیشک جو حضرات آئینی حکومتوں اور اُن کی ذمہ داریوں سے ناآشنا "بعض برات عاشقاں بر شاخ آہو" کی طرح صرف خیالی دنیا میں بسر کرنے کے عادی ہیں وہی صرف ایسا کہہ سکتے ہیں ورنہ اس سے زیادہ طفلانہ خیال دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا خصوصاً پاکستانی حکومت میں تو یہ قطعاً ناممکن ہے اسلئے کہ اسکا تو یہ مطلب ہوگا کہ ایک جانب یوپی اور بہار میں مسلم اقلیت ستائی جا رہی ہوگی اور دوسری جانب مسلم حکومت جب ان کے انتقام کے لئے اپنی سدبہ اور موثر اقلیت کو ستائیگی تو اُن کے احتجاج اور پروٹسٹ بلکہ ڈیڈلاک کی بدولت خود اپنی حکومت میں اضمحلال پیدا کر رہی ہوگی یا ہندو حکومت پر کسی معروضہ پیکٹ کی خلاف ورزی کا الزام لگا کر بیکسی کا اظہار کرتی نظر آئے گی اور یا جنگ کا الٹی میٹم دینے پر مجبور ہوگی۔ اور اگر اس پر اصرار کیا جائے تو ان حضرات کو ٹرکی اور فلسطین کے حالیہ واقعات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ٹرکی ایک مضبوط اور آزاد حکومت ہے۔ فلسطین جنگ عظیم سے پہلے اسی کا صوبہ تھا۔ مگر اس کے ہاتھ سے نکل جانے اور برطانیہ کے انتداب کے تحت آجانے کے بعد جو کچھ اس پر گزرا اور ٹرکی میں اسکے خلاف غم و غصہ کے باوجود جو کچھ عمل میں آیا وہ سب کیلئے لئے قابل عبرت ہے اور یہ اسلئے نہیں ہوا کہ ٹرکی کو فلسطین کے مسلمانوں سے محبت نہ تھی (اور ہم کو ہندو ہندوستان کے مسلمانوں سے محبت رہے گی) بلکہ یہ طاقت اور آئین کا مسئلہ ہے جس نے ٹرکی کو کچھ نہ کرنے پر مجبور کر دیا اور اس سے بھی زیادہ ایران، عراق، مصر، ٹرکی کے میثاق سعد آباد کو اور پھر موجودہ حالات میں ٹرکی کی بیکسی کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اور جو حضرات ان معاملات سے صحیح نتیجہ نکالکر عبرت حاصل کرنے کی بجائے بیجا بحث کے لئے آمادہ ہوں ان کو کسی حقیقت تک پہونچانا بلاشبہ مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے اور یہ پوزیشن کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ مسٹر جناح نے علی گڑھ کی تقریر میں جس خدشہ کی خاطر ⅔ مسلمانوں کا پاکستان بنانے کے لئے ⅓ مسلمانوں کی رسم قربانی ادا فرمائی تھی اقلیت و اکثریت کا وہ خدشہ اور مناقشہ جوں کا توں ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان دونوں میں موجود رہا اور انگریز کے لئے پاکستان کے نام سے ایک "بفر اسٹیٹ" (BUFFER STATE.) رجعانی حکومت بنجانے کے سوا غریب مسلمانوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا!!!

معلوم نہیں کہ پاکستانی مسلمانوں میں وہ کون سے شجاعانہ اور تہورانہ عزائم ہیں جو آج کے ہندوستان میں تو ہندو کے غلبہ کے خوف سے بزدلی، جُبن، خود اعتمادی کے فقدان کی راکھ سے ڈھکے ہوئے ہیں لیکن ایک معمولی سی آئینی اکثریت کے حاصل ہوتے ہی سُلگتی ہوئی چنگاری کی طرح نکل کر شعلہ جوالہ بن جائیں گے اور ⅓ مسلم اقلیت کو بھی سنبھال لیں گے!! اور مسلمان علاقوں میں بھی معتد بہ غیر مسلم اقلیت کو نظرانداز کر کے "فردوس بریں" بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ اس بات سے میرا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ یورپین جمہوری نظام کے پیش نظر کسی قوم کی آئینی اکثریت خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو بے معنی ہے! بلکہ میرا مطلب تو یہ ہے کہ قومی اور مذہبی منافرت پیدا کر کے جس طرح "پاکستان" کے نام سے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرانے کی سعی کی جا رہی ہے اور جس کی بدولت خود مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے یہ طریقہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سربلندی کے لئے مفید ہے یا وہ طریقہ کار جو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس لاہور و سہارنپور میں ظاہر کیا گیا اور جسکو ہم عنقریب تفصیل کے ساتھ پیش کرینگے۔

کیا ہمارے سامنے ہندوستان میں کانگریسی حکومت کے زمانہ کا وہ نقشہ نہیں ہے جبکہ کانگریس نے وزارتوں کی ترتیب کو نیشن گورنمنٹ کے اصول

کو ترک کر کے پارٹی گورنمنٹ کے اصول پر کی تھی تو اس کے خلاف ایک عرصہ تک مسلم لیگ اور اسکے قائد اعظم کانگریس کے سامنے بھیک کا ہاتھ اس طرح پھیلائے رہے کہ مدت دراز تک کسی نے ان ہاتھوں کو گرتے اور جھکتے نہیں دیکھا کہ کسی طرح کانگریس ہائی کمانڈ ان پر رحم کھا کر انکو بھی شامل وزارت کرے حتیٰ کہ مجبور ہو کر اس ہاتھ کا رُخ حکومت کی طرف پھیر دیا اور ان داتاؤں کی طرف دست سوال دراز کیا کہ وہ ہی رحم فرمائیں مگر اڑیسہ کے مسلم لیگی وفد کو گورنر اڑیسہ نے یہ کہہ کر کچھ دیئے بغیر ناکام واپس کر دیا کہ جہاں تک مسلم حقوق کی حفاظت کا تعلق ہے میں اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ محفوظ ہیں اور جہاں تک وزارت وزارت ہے تو وہ وزیر اعظم (پریمیر) کے ہاتھ میں ہے" جو قلمدان وزارت کا مالک ہے اور اس سے بھی زیادہ قابل صد ہزار عبرت کانگریس منسٹری کا وہ پورا دور ہے جس میں مسلم لیگ کے اقوال کے مطابق مسلمانوں پر مظالم کئے گئے مگر لیگ اور اُن کے قائد اعظم کو بجز کوسنے اور بُرا بھلا کہنے اور رونے بسورنے کے یہ جرأت نہ ہو سکی کہ کانگریس حکومتوں میں ڈیڈ لاک اور جمود پیدا کر دیتے یا سد رجہ ایجی ٹیشن کرتے کہ وہ مجبور ہو کر استعفےٰ دیدے، بلکہ اسمبلی اور کونسل کے ان بھکاریوں سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ پروٹسٹ کے طور پر ان کا بائیکاٹ ہی کر دیتے تاکہ انگریز کو آئین معطل کر دینے کا بہانہ ہاتھ آجاتا اور مسلم لیگ کانگریس کو اس متکبرانہ رویہ کا مزہ چکھا دیتی مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کانگریس کے مقرر کردہ آنریری مجسٹریٹوں، گرام سدھار کے معین کردہ چیرمینوں اور مسلم ملازمتوں پر مقرر کردہ افراد کے لئے سب سے زیادہ پیش پیش یہی بھکاری تھے جو مسلمان پبلک میں ہندو مسلم اتحاد کے خلاف اور کانگریس کے خلاف زہر چکاں کرتے تھے اور کانگریسی وزیروں کے پاس حاضر ہو کر مجسٹریٹی، چیرمینی اور ملازمت کی بھیک مانگتے تھے اور ان میں مسلم لیگ کے نمایاں اور باعظمت لیڈر تک شامل ہیں۔ چنانچہ آنریری مجسٹریٹوں، عہدوں اور چند ملازمتوں میں قوم پرور مسلمانوں کے بجائے فی صدی پچھتر فی صد جانبدار (؟) اور خانصاحبوں اور مسلم لیگی ممبران اسمبلی و کونسل کے عزیزوں اور رشتہ داروں کا تقرر اسکی زندہ شہادت ہے۔

میرٹھ میں جناب نواب اسماعیل خاں صاحب اور بلند شہر میں جناب نواب احمد سعید خاں صاحب آف چھتاری بالقابہ کانگریس دور حکومت ہی میں کانگریس کی جانب سے گرام سدھار کے چیرمین تھے۔

بہرحال قائد اعظم اور مسلم لیگ کا تمام ادارہ بجز ہائے وائے کے اور کچھ نہ کر سکا لیکن جب کانگریس نے ۱۹۳۹ء میں جنگ کے مسئلہ پر وزارتوں سے استعفےٰ دیدیئے اور تمام کانگریس وزیر بیک جنبش قلم ان کو ٹھوکر مار کر الگ کھڑے ہو گئے تو فطری و طبعی بہادر اور شجیع مسلمان کو بزدل اور خائف بنا دینے کے بعد قائد اعظم نے مسلمانوں سے اس بہادری کا مطالبہ فرمایا کہ وہ کانگریسی حکومتوں کے ختم ہو جانے پر یوم نجات منائیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

کیا اسوقت پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کی حکومتیں موجود نہیں تھیں؟ اور کیا بار بار بہادران لیگ کے انتقام لینے کے نعروں میں سے کوئی نعرہ بھی شرمندۂ معنی ہوا؟ کیوں؟ صرف اسلئے کہ مسلمان اقلیت کے صوبوں میں غیر مؤثر اقلیت تھے اور اکثریت کے صوبوں میں کمزور اکثریت کے مالک اور معتدبہ اور مؤثر اقلیت سے دوچار اور اگر یہ کہا جائے کہ آئین ناقص تھا اور آزادی کامل نصیب نہ تھی تو یہ تو مسٹر جناح خود نیوز کرانیکل (لندن) کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے تسلیم کر چکے ہیں کہ آزادی پاکستان کے معنی یہ ہوں گے کہ مصر جیسی خود مختار حکومت ہمارے لئے ہو جو ۱۹۳۵ء کے معاہدہ کی رُو سے اندرونی طور پر اسکو حاصل ہوئی ہے (مدینہ ۵ مارچ ۱۹۴۶ء) (ہندوستان ٹائمز ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء)

بہرحال اس نیم آزادی کی بنا پر یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ اس قسم کی اسکیم جو مسلمانان ہند کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک جگہ غیر مؤثر اقلیت بناتی ہو اور دوسری جگہ غیر مؤثر اکثریت، مسلمانوں کے لئے ہلاکت اور قعر مذلت میں ڈالنے کے مرادف ہے، اور اگر ذاتی پالیٹکس اقتدار یا کسی

جماعت کے مقابلہ میں غم وغصہ سے انتقام لینے کے لئے بنائی گئی ہے جیسا کہ قائد اعظم کے متعلق ہمارا یقین ہے تو یہ مسلمانوں کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے!!! کیا مسلمان اسوقت کو فراموش کر دیں گے جبکہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس مسلم لیگ پیکٹ میں ان ہی مسٹر جینا اور ان کی طرح کے دوسرے مسلمان لیڈروں نے یو۔پی اور دوسرے مسلم اقلیت کے صوبوں میں اپنی لیڈرشپ کے اقتدار کو قائم رکھنے اور اپنی لیڈرانہ اغراض کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پنجاب اور بنگال کی آئینی اکثریت کو مسلم اقلیت کے صوبوں میں ویٹج (ریانگ) کے بدلہ میں فروخت کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں گول میز کانفرنس میں پورا زور لگا دینے کے باوجود بھی وزیر اعظم کے فرقہ وارانہ فیصلہ میں ہم اس آئینی اکثریت کو حاصل نہ کرسکے اور آج اسکے لئے پریشان و حیران ہیں! اس وقت بھی قوم پرور مسلمانوں نے اسکے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی اور علماء حق میں سے حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت علامہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اسکے خلاف احتجاج کیا تھا جو اخبارات کے کالموں میں آجتک محفوظ ہے مگر مسلم لیگ کے خوش اعتقاد حضرات نے اُس وقت بھی اسکو سیاسی الہام سمجھ کر اور احتجاج کی آواز کو سیاست سے ناآشنا "قل اعوذی" مولویوں کی آواز قرار دے کر لیگ کے فیصلہ کو ربانی فیصلہ باور کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے، چنانچہ آج پھر وہی نازک وقت ہے اور جس طرح حکومت برطانیہ کے ہندوستان میں قدم جمانے کے وقت علماء حق کے خلاف ایک مستقل محاذ مسلمانوں اور اسلام ہی کے نام پر قائم کر دیا گیا تھا اور تعلیم و ترقی کے نام سے انکو تنگ نظر قرار دے کر ان کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات انگریزی برتری کے لئے عام کر کے ذمہ داریوں حکومت کی سیاست کو مسلمانوں کے لئے تریاق ظاہر کیا گیا تھا اسی طرح آج ہندوستان میں انگریزی اقتدار پر ضرب کاری لگتے دیکھ کر اسکے اشارہ سے وہی حربہ دوبارہ استعمال کیا جا رہا ہے اور مسلم لیگ کی سیاست کی اساس علماء حق کو علماء سو کہہ کر ان کی حقارت و تذلیل پر قائم کی جا رہی ہے اور جس طرح اسوقت بھی بہت سے حضرات بڑھتے ہوئے سیلاب سے مرعوب ہو کر اس سیاست کی ہمنوائی کرتے نظر آتے تھے اسی طرح آج بھی بہت سے جذباتی حضرات اس بڑھتے ہوئے سیلاب سے مرعوب ہو کر اس سیاست کی ہمنوائی کر رہے ہیں اور اسکو الہامی اور ربانی کہہ کہہ کر صحافتی ادبیت کی داد دے رہے ہیں۔

مگر جس طرح لارڈ کرزن کی معرفت تقسیم بنگالہ کی اسکیم کے اعلان نے نواب وقار الملک مرحوم اور نواب سمیع اللہ خاں آف ڈھاکہ مرحوم کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اُن کے سامنے اصل حقیقت آشکارا ہو گئی تھی اسی طرح جب انگریز اپنی مرضی کے مطابق پاکستان بنا کر ہندوستان سے الگ اسکو اپنی مرضی کا آلۂ کار بنا لیگا اس وقت ان نیک نیت حضرات کی بھی آنکھیں کھل جائیں گی جو اپنی سادہ لوحی سے سیاست کے عملی اقدامات سے دور گوشہ عافیت میں بیٹھے پاکستان کی داد دے رہے تھے۔ اور اسکو ڈاکٹر اقبال مرحوم اور مسٹر جینا کا "سیاسی الہام" سمجھ رہے ہیں۔

بلاشبہ پاکستان کا یہ تخیل "سیاسی الہام" ہے مگر "ربانی الہام" نہیں ہے بلکہ قصر بکنگھم کا الہام ہے جو کہ ڈاکٹر اقبال کو بھی جب ہی ہوا تھا جب وہ لندن سے قریب ہی زمانہ میں واپس تشریف لائے تھے اور وہ الہام دوبارہ اس وقت پھر ہوا جبکہ مسلم لیگ کے دفعتے جو کہ بسرگرمی چودھری خلیق الزماں مصر اور لندن کا حج کرنے گیا تھا" ہندوستان واپس آکر بمبئی اُترنے کے ساتھ ہی پہلے انٹرویو میں اس چیز کو ظاہر کر دیا تھا اور جسکو عرصہ کے بعد مسٹر جینا نے اپنایا اور لاہور میں پیش کرنے کی اجازت دی بہت سے لیگی حضرات اپنی سادہ لوحی سے جذبات کے جوش میں بڑے زور سے فرماتے ہیں کہ پاکستان بنکر رہے گا اسلئے کہ وہ مسلمانوں کے دل کی آواز ہے اور یہ کہہ کر شاید وہ قوم پرور مسلمانوں کا مضحکہ اڑانا چاہتے ہیں۔ مگر ان بیچاروں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ ضرور بنکر رہیگا اسلئے نہیں کہ وہ مسلمانوں کی آواز ہے بلکہ بقول حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسلئے کہ حکومت طے کر چکی ہے کہ اب جبکہ ہندوستان

میں آزادی کا جذبہ آخری حدود تک پہونچ چکا ہے اور اسکے لئے کانگریس جان و مال کی بازی لگا چکی ہے تو سخت ضرورت ہے کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرا دیا جائے تاکہ ترازو کی طرح جب جیسا موقعہ ہو ایک حصہ کو دوسرے کا مقابل بنا کر اپنا اقتدار بہر نوع مضبوط اور مستحکم بنایا جا سکے۔

پاکستان اقتصادی نقطۂ نظر سے

پاکستان کا یہ وہ پہلو تھا جو سیاسی کہا جاتا ہے۔ اب مناسب ہے کہ تھوڑا سا وقت اسکے اقتصادی پہلو پر بھی صرف کریں۔

یہ حقیقت مسلم بلکہ شاہد ہے کہ حکومتوں کی ترقی کا مدار آج کی دنیا میں صرف اقتصادیات کی برتری پر قائم ہے اور اقتصادی برتری میں جسقدر معدنیات کا نین، اثر انداز ہیں اسی قدر دوسری کوئی شے نہیں ہے کیونکہ تجارت، صنعت و حرفت، اور حکومت کی مشینری کا قیام دوسرے ذرائع کے مقابلہ میں اس ذریعہ پر بڑی حد تک قائم ہے اور یہ بھی ظاہر من الشمس ہے کہ جن صوبوں میں پاکستان بننے والا ہے ان میں کانیں جو باہر نکلی ہوئی ہوں بہت ہی کم ہیں پنجاب میں نمک اور لوہے کی ایک کان اور بنگال میں کوئلہ کی چند کانیں اور لوہے، ٹین کی غالباً ایک ایک کان ہے باقی صفر ہے۔ اور جواہرات، سونا، چاندی، تانبا، المونیم، فولاد، ابرق، کوئلہ اور پٹرول کی بڑی بڑی کانیں سب ہندو ہندوستان میں واقع ہیں جسکا اکثر حصہ بہار، مدراس اور سی پی میں ہے۔ اب اگر پاکستان اس طریقہ پر بنایا جائیگا جو مسلم لیگ اور اسکے قائد اعظم کا تجویز کردہ ہے اور جسکی بنیاد ہی قومی اور مذہبی منافرت پر قائم کیجارہی ہے تو ہندو ہندوستان، کہ جس میں ہندو سرمایہ دار خود بہت کافی ہیں، جس درجہ عجلت کے ساتھ ترقی کر کے پاکستان کے لئے خطرہ بن سکتا ہے اسکو کونسی طاقت روک دیگی؟ نیز نظام حکومت کے تمام شعبوں میں جسقدر زبردست ترقی ان کو حاصل ہوگی اور سرمایہ سے محروم مسلم اقلیت کو اگر ہندو سرمایہ دار قوانین اقتصادیات کے پردہ میں ان سے محروم کردے تو وہ کونسی طاقت ہے جو اُن کا حق دلائیگی آپ زیادہ سے زیادہ یہ کرینگے کہ پاکستان میں اسکے مقابلہ کا قانون بنا کر پاکستانی ہندوؤں کو اس سے محروم کر دینگے تو یہ جواب جیسا رکیک ہے ہر ایک عاقل جانتا ہے اور اگر آپ پاکستانی حکومت کے اُن پوشیدہ معدنیات کو نکالنے کے لئے پیش قدمی کرینگے جو سرحد، سندھ، بنگال وغیرہ میں ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ ایک ایک کان کھودنے اور برآمد کرنے میں کروڑوں روپے صرف ہوتے ہیں وہ کہاں سے آئینگے؟ جبکہ ان مسلم منطقوں کو اپنے نظام حکومت کے شعبوں کے چلانے ہی میں بمشکل حکومت کی آمدنی کفایت کر سکے گی کیونکہ آج سندھ اور سرحد مرکزی حکومت کے بل پر چل رہے ہیں اور بلوچستان کا بھی یہی حال ہے اور ان تینوں کا بار پنجاب پر پڑ جائیگا اور اسی طرح آسام کے اضلاع بنگال کی حکومت پر جہاں ذرائع آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے۔

ایک لیگی فاضل نے اس جگہ بڑی کاوش کے ساتھ ادیبانہ انداز میں یہ اقتصادی حل تجویز فرمایا ہے۔ کانگریس حکومت کی طرح پاکستان میں بھی تنخواہیں کم کر دی جائینگی اور اس سے حاصل شدہ روپیہ اس پر صرف کیا جائیگا اور دوسری ترکیب یہ ہوگی کہ ہندو ہندوستان کے ہندو سرمایہ داروں کو دعوت دی جائیگی کہ وہ اپنا روپیہ لگا کر کمپنیاں قائم کریں اور معدنیات کو نکالیں تاکہ حکومت کا مایہ وافر ہو اور اسکی اقتصادی پوزیشن مضبوط ہو، مگر یہ حل محض بے خبری اور اقتصادی مسائل سے ناآشنا ہونے کی بنیاد پر ہے ورنہ ان پر یہ واضح رہنا چاہئے تھا اگر پاکستان کے صوبوں میں اور فیڈرل حکومت میں مشاہروں اور تنخواہوں کو کم کیا گیا۔ اور فوجی فضول اخراجات سے بھی روپیہ محفوظ رہ کر پس انداز ہو تب ہی جا کر کہیں ان دونوں منطقوں کے نظام حکومت کے شعبے چل سکینگے ورنہ ان کا تو چلنا ہی دشوار ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ سرحد پر جو فوجی اخراجات عمل میں آتے ہیں اُن کا بار حکومت سرحد کے بجٹ پر نہیں ہے بلکہ مرکزی حکومت پر ہے جس کے متعلق متعدد مرتبہ اسمبلی میں

قوم پرور مسلمان اور ہندو اعتراض کرچکے ہیں اور بعض صاحب بھائی ہندو فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے بھی اس اعتراض کو حکومت کے سامنے رکھ چکے ہیں کہ مرکزی حکومت کا روپیہ کیوں اسقدر کثیر تعداد میں سرحد پر خرچ ہوتا ہے۔ اور اگر کچھ پس انداز ہو بھی جائیگا تو وہ ایک کان کی معقول برآمد کیلئے بھی کافی نہوگا بلکہ جس وقت اور جس زمانہ میں ہندو ہندوستان ان مستقل شدہ اور برآمد شدہ کانوں کے فائدے سے دنیا کی طاقتور حکومت میں شمار ہورہا ہوگا اُس وقت ہم بمشکل رینگتے ہوئے ایک دو، کان برآمد کرسکینگے اور موجودہ ضروریات حکومت کے اہم فوائد سے بڑی حد تک محروم ہوں گے۔

رہا ہندو سرمایہ دار کمپنیوں کا معاملہ تو یہ بات کہکر تو فاضل محترم نے افسوسناک حد تک موجودہ مسائل سے بےخبری کا ثبوت بہم پہونچایا ہے۔ اسلئے کہ اگر اُن کو یہ معلوم ہوتا کہ موجودہ دور میں کسی حکومت کو مفلوج کرنے اور اسکو آہستہ آہستہ غلام بنانے کا کوئی بہترین طریقہ ہے تو وہ یہی ہے کہ ملک اپنی اقتصادی حالت کو ترقی دینے کے لئے دوسرے ملکوں کی سرمایہ دار کمپنیوں کو دعوت دے خواہ اس میں تھوڑے بہت سرمایہ سے خود بھی شریک کیوں نہ ہو۔ تیل کے چشموں کو حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے اجنبی سرمایہ دار کمپنیوں ہی نے زمین ہموار کی تھی! ایران کے اس حصہ پر تسلط جو تیل کے چشموں کا ذخیرہ ہے، رضا شاہ کی حکومت سے قبل آہستہ آہستہ برطانیہ کی سرمایہ دار کمپنیوں ہی کے ذریعہ ہوا تھا۔

جدید ترکی نے اس حقیقت کو سامنے رکھ کر آہستہ آہستہ دوسرے ممالک کی کمپنیوں سے نجات حاصل کی ہے اور کر رہا ہے۔

حجاز میں ابن سعود نے اٹلی اور امریکہ کی کمپنیوں ہی سے اول معدنیات نکالنے کا کام لیا تھا مگر اسکو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ اسکا حشر کیا ہونیوالا ہے اور اسلئے اس نے اُن سے معاہدہ فسخ کردیا اور اس طرح بروقت نجات حاصل کرلی۔

کہا جاسکتا ہے کہ ہم سرمایہ دار کمپنیوں سے ایسے معاہدات کرینگے جنکے بعد اس قسم کے خطرات پیدا نہوں، تو ایسے معاہدات تو ہر ایک حکومت کرتی ہے مگر نتیجہ وہی ہوتا ہے جو مذکورہ بالا حکومتوں میں نکلا اسی بنا پر آج تک کوئی طاقتور اور بیدار حکومت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ اسکے ملک میں دوسرے ممالک کے سرمایہ دار اپنا روپیہ لگاکر آہستہ آہستہ اقتصادی اور معاشی غلبہ حاصل کرسکیں مشینی طاقت کا یہ معاملہ خوف اور دہشت کے لئے نہیں ہے بلکہ واقعات اور حقائق کو پیش نظر لانے کے لئے ہے تاکہ مسلمان اپنی اجتماعی زندگی کے لئے جو کچھ کریں وہ غور و خوض کے بعد کریں!!

پاکستان کی معاشی و اقتصادی حالت کو بہتر ثابت کرنے کے سلسلے میں بلوچستان میں معدنیات کے ذخائر کا ذکر بڑے پرجوش اور جذباتی الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ یہ بات بسر و چشم، لیکن افسوس ہے کہ ان حضرات نے ان اقتصادی مشکلات پر توجہ کرنے کی بجائے جنکی وجہ سے آج تک سندھ میں وہ ذخائر برآمد نہیں ہوسکے اور پھر ان معاشی مشکلات کو اس بات کے ذریعہ حل کرنے کی بجائے جذبات سے حل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اگر جذبات سے ہی ایسے مسائل حل ہوسکتے ہیں تو میرے خیال میں مسلمانوں کے لئے تمام عالم میں اسلامی حکومت کے قیام کے فوری وقوع پذیر ہونے سے بہتر کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہے خواہ ظاہری اسباب مساعد ہوں یا نامساعد۔ افسوس یہ حضرات افغانستان، ایران، حجاز، یمن وغیرہ کی موجودہ مثالوں سے قطعاً چشم پوشی کرلیتے ہیں۔ کیا ان ممالک میں بیشمار قیمتی معادن موجود نہیں ہیں؟ مگر افسوس وہ سب بیکار ہیں کیونکہ موجودہ ملکی اُن کی ضروریات کا تکفل بھی بمشکل کرتی ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے کچھ ترقی کی تھی مگر برطانیہ کے ایک اشارہ ابرو نے سب کچھ ختم کردیا۔ امان اللہ خاں کی دردبھری داستان ابھی مسلمانوں کے حافظے سے محو نہوئی ہوگی۔ الحاصل پاکستان اسکیم ایک جانب ہندو ہندوستان کے عظیم الشان سلسلے میں مسلمانوں کو ہندوستان کے طبعی وسائل و ذخائر معاشی سے محروم کرنے کے سامان مہیا کرتی ہے اور دوسری جانب مسلم ہندوستان میں وہ بھی

سرمایہ دار ہندوؤں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ بقول فاضل مذکور پیدائشی تنگ نظری اور فرقہ پرستی کو دل میں لئے ہوئے "کمپنیوں کی صورت میں مسلم ہندوستان کے معاشی اور طبعی ذخائر پر بھی قابض ہو جائیں اور یورپ کے یہودی سرمایہ داروں کی طرح حکومت کے صلح و جنگ کے بالا بالا مالک بن جائیں اور یا پھر انگریزوں ہی سے رجوع کریں کہ وہ اس معاشی اور اقتصادی گتھی کو اپنے سرمایہ سے حل کرنے کے لئے ہمارے آگے بھی طرح حاکم اور آقا بنے رہیں جس طرح آج ہیں۔ اور اس کے برعکس ہندو ہندوستان بلا شرکت غیرے تہی مایہ مسلم اقلیت کو نظر انداز کرکے جاپان کی طرح ایشیا میں امریکہ اور برطانیہ و جرمنی کا مقابلہ کرنے لگے اور صنعت و حرفت اور تجارت کی راہ سے استحکام حکومت کے ذرائع کی من مانی طاقت بنا سکے۔

پاکستان ملکی اور قومی نقطۂ نظر سے

بقول مولانا ابوالکلام صاحب آزاد اس مسئلہ میں تو دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں کہ مسلمان اور ہندو بلحاظ مذہب کلچر اور ثقافت دو جدا جدا قومیں ہیں اور رہیں گی لیکن اپنے ملک کو آزاد کرنے اور اجنبی حکومت کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے جو ڈیفنس یا دفاع انڈین نیشنل کانگریس کی جانب سے بصورت پُرامن جنگ جاری ہے اس نقطۂ نظر سے بلاشبہ ملک کی مختلف المذاہب اقوام سب ایک قوم ہیں اور اس "دفاعی قوت متحدہ" کو کانگریس قوم کہتی ہے اور اگر وہ نہ بھی کہے تو بھی آزادی خواہ مسلمان اس مسئلہ کی صرف اتنی ہی حقیقت سمجھتے ہیں۔

اور یہی حاصل تھا کلکتہ کی اس تقریر کا جو جواہر لال نہرو نے کی تھی اور کہا تھا کہ ہندوستان میں دو ہی جماعتیں ہیں ایک حکومت اور دوسری کانگریس یعنی ایک جانب اجنبی حکمران اور اسکے وہ تمام وفادار عناصر ہیں جو مذہبی اور قومی اعتبار سے خواہ مختلف ہوں مگر انگریزی کی غلامی ہی کو سعادت سمجھتے ہیں اور دوسری جانب کانگریس ہے جس میں ہندو، مسلمان، اور دوسری اقوام کے وہ تمام افراد شامل ہیں جو انگریزی غلامی کو لعنت سمجھ کر اپنے ملک کی آزادی کے لئے برسرپیکار ہیں۔

جواہر لال صاحب ادھری اور لامذہب ہوں یا کٹر ہندو، وہ اپنے ذاتی خیالات کے اعتبار سے ہندوستان کے تمام باشندوں کو لامذہب دیکھنا چاہتے ہوں یا کسی نئے تمدن میں ڈھال کر ایک قوم کو دیکھنا چاہتے ہوں لیکن اگر اسلام کی تعلیم ہر حال میں سچائی اور صداقت کے اقرار کا حکم دیتی ہے اور افترا و بہتان کو مشرک و کافر کے حق میں بھی گناہ بتاتی ہے تو میں بلاخوف لومۃ لائم یہ کہنے کو تیار ہوں کہ انڈین نیشنل کانگریس کے ایک ذمہ دار رکن ہونے کی حیثیت سے کلکتہ کی جواہر لال کی تقریر" جو انگریزوں کی سامراجیت کے خلاف ہوئی تھی ہندوستان کی مختلف المذاہب اور مختلف اقوام کے باہمی تقابل کے سلسلہ میں یقیناً مسطورہ بالا معنی ہی میں تھی۔ مگر قائد اعظم مسٹر جناح نے سیاسی حربہ کے طور پر یا کسی اشارہ سے اس کو اُچک لیا اور جواہر لال کی تقریری اسپرٹ کو انگریزوں کے مقابلہ سے ہٹا کر مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا اور مسلم لیگ کے لئے ایک مستقل موضوع بحث ہاتھ آگیا اور بلاواسطہ یا بالواسطہ اس طرح حکومت برطانیہ کے چیلنج کو مسلمانوں کے لئے چیلنج قرار دے کر حکومت کے مقصد کو کامیاب بنایا اور اسکو بروقت قوت پہونچادی!! اور پھر اس مسئلہ کو اپنی مذموم اغراض کے لئے اس طرح استعمال کیا کہ محدث عصر اور مجاہد یگانہ حسین احمد مدنی مدظلہ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے درمیان مغالطہ آمیز بحث برپا کردی اور جب اصل حقیقت معلوم ہونے پر ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مولانائے موصوف کے مقابلہ میں اپنے اختلاف کو واپس لے لیا اور غلط فہمی دور ہونے پر اس کو اخبارات میں بھی شائع کرا دیا تب بھی پنجاب کے بعض فتنہ جو مفسدوں نے اس بحث کو ختم ہونے نہ دیا اور بستر مرگ پر مفتریانہ خبریں دیکر حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے خلاف جو رباعی ڈاکٹر صاحب سے لکھوائی تھی اور جسکو انھوں نے غلط فہمی دور

ہونے کے بعد شائع کرنے سے منع فرمایا تھا اسکو اُن کے انتقال کے بعد شائع کرکے افتراق بین المسلمین کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور اسکے باوجود کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنے رسالہ "متحدہ قومیت" میں زیر عنوان "قومیت متحدہ کے مجوزہ معنی" یہ تصریح فرما چکے تھے کہ ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے جسکی بنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی۔ یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستان اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کرکے اپنے حقوق حاصل کریں کوئی مذہب والا کسی دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے بلکہ ہندوستان میں بسنے والی تمام قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد رہیں، اپنے مذہبی رسم و رواج، مذہبی اعمال و اخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہو امن و امان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشر و اشاعت بھی کرتے رہیں، اپنے اپنے پرسنل لا اور کلچر (تہذیب) کو محفوظ رکھیں نہ کوئی اقلیت کسی دوسری اقلیت یا اکثریت سے ان امور میں دست و گریباں ہو اور نہ اکثریت اس کی جدوجہد کرے کہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کرے (متحدہ قومیت مطبوعہ ہلال پریس صفحہ ۵۲ و ۵۳)

اسکے بعد جونپور کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں جمعیۃ العلماء ہند کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا نے تصریح فرما دی تھی کہ

> ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں جو کہ اختلاف مذہب و اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلافات، ذاتوں اور صنفوں کے بنا پر رنگتوں اور قامتوں کے اختلافات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات اس وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں، ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اسکے لئے جدوجہد مسلمانوں کا بھی اُسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا۔ اسکے لئے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی از بس ضروری ہے۔ اگر آگ لگنے کے وقت گاؤں کے تمام باشندے ملکر آگ نہ بجھائیں گے، سیلاب آنے کے وقت گاؤں کے تمام بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام گاؤں برباد ہو جائیگا اور سبھی کے لئے زندگی وبال ہو جائیگی۔ اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی، کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اسکے دور کرنے کی جدوجہد کریں اس اشتراک وطنی کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوتے ہیں، مذہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی، ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر ایسے فرائض کو انجام دے سکتا ہے یہی اشتراک میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے ہیں اور اسکو ضروری سمجھتے ہیں، یہی معنی اس جگہ متحدہ قومیت کے ہیں اسکے علاوہ دوسرے معنی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں! اسی معنی کی بنا پر کانگریس نے فنڈامنٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان اور رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے۔ دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور بیوقوفوں کی بات پر نہ جانا چاہئے۔ اسکے خلاف یوروپین لوگ جو "قومیت متحدہ" کے معنی مراد لیتے ہوں اور جو

کانگریسی افراد انفرادی طور پر کانگریس کے نیشنلسٹ بنیادی اصول کے خلاف معانی بیان کرتے ہوں اُن سے یقیناً جمعیۃ العلماء بیزار ہے اور بری کرنے والی ہے۔

بہرحال متحدہ قومیت کا یہ مسئلہ برابر جمعیۃ العلماء ہند کے پلیٹ فارم پر اپنے اصول خدوخال کے ساتھ پیش ہوتا اور معترضوں کا جواب دیا جاتا رہا ہے اور اگر قوم پرور مسلمان بھی آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک مستقل قوم نہ سمجھتے تو آزاد مسلم کانفرنس میں یہ تجاویز کیوں متفقہ طور پر پاس کی جاتیں کہ نمائندہ اسمبلی کا جو مطالبہ کانگریس کر رہی ہے اسکے انتخاب میں مسلمان جداگانہ انتخابات سے منتخب ہوکر آئینگے "تاکہ کسی فرقہ پرست مسلمان کو بھی یہ خطرہ نہ ہو کہ مشترکہ انتخابات سے آنیوالے مسلمان ہندوؤں کے نقطہ نظر کے حامی ہوں گے۔ نیز یہ بھی طے ہوا کہ آئین سے متعلق جو رائے بھی مسلمانوں کی اکثریت کی ہوگی (خواہ وہ پاکستان ہی کیوں نہ ہو) وہی مطالبہ سمجھا جائیگا پس یہ باتیں تب ہی صحیح ہو سکتی ہیں کہ ان تجاویز کو پاس کرنیوالی جماعت آزاد ہندوستان میں (خواہ وہ ڈومینین اسٹیٹس کے درجہ ہی کی آزادی کیوں نہ ہو) مسلمانوں کو مستقل قوم سمجھتی ہے، مگر افسوس ہے کہ مسٹر جناح نے اس معاملے میں بھی حکومت ہی کا ساتھ دیا اور آزاد مسلم کانفرنس کی ان تجاویز کو کانگریس کے منظور کرلینے اور اعلان کردینے کے باوجود بھی آزادئ ہند کیلئے نمائندہ اسمبلی سے اختلاف کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس طرح اگرچہ مسلمان اپنے معاملات میں ہندوؤں اور انگریزوں دونوں کی دست برد سے محفوظ رہ کر آزاد ہندوستان کے آئین بنانے میں حصہ دار ہو جائیگا، مگر ہندو مسلم منافرت اور برٹش حکومت کی حمایت پر ان کی لیڈرشپ اور ذاتی اقتدار کا جو مستحکم قلعہ تعمیر ہوا ہے وہ منہدم ہوکر رہ جائیگا!!

لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ "دو قوم کی تھیوری سے" جو نتیجہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے ارکان نکالتے ہیں یعنی "پاکستان" یہ نہ جمعیۃ العلماء ہند کے نزدیک صحیح نتیجہ ہے اور نہ قوم پرور مسلمانوں کے نزدیک اور نہ اُن غیر جانبدار مسلم سیاستدانوں کے نزدیک جو کسی جماعت سے بھی متعلق نہیں، اسلئے وہ یقین رکھتے ہیں کہ ملکی اور قومی دونوں اعتبار سے مسلمانوں کے لئے یہ نتیجہ سخت مضر اور نقصان رساں ہے کیونکہ ان کے سامنے سابق جنگ عظیم کا وہ نقشہ موجود ہے جبکہ انگریزوں اور اتحادیوں نے جنگ جیتنے کیلئے عربوں کو یہ حکم دے کر ترکوں کے خلاف آمادۂ بغاوت کیا تھا کہ عرب ایک مستقل قوم ہیں، جو صدیوں سے ترکوں کی غلامی میں گرفتار ہیں اور بدقسمتی سے خود بعض عرب لیڈروں میں بھی عرصہ سے یہ فلسفہ کام کر رہا تھا اور وہ ترکوں سے نفرت کرنے اور اپنی مستقل حکومت قائم کرنے کے خواہشمند تھے چنانچہ 'میکموہن' نے اسی سے فائدہ اُٹھا کر اُن سے وہ وعدہ لے لئے جو جنگ عظیم کے بعد نذر تغافل ہو گئے۔ اور عرب ترکوں کی غلامی سے نجات پاکر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی 'پاک غلامی' میں داخل ہو گئے۔ میری اس پیش کردہ نظیر میں اس بحث کو کوئی دخل نہیں ہے کہ عربوں کے اتحاد مذہب کے باوجود ترکوں کے مقابلہ میں مستقل قوم ہونے کا دعویٰ غلط تھا اور مسلمانوں کا ہندوؤں کے مقابلہ میں دعویٰ صحیح ہے۔ بلکہ میں پاکستانی حضرات کے سامنے سیاسی دنیا کے اسٹیج کا وہ نقشہ لانا چاہتا ہوں جو ہم کو یہ سبق دیتا ہے کہ کسی ملک، خصوصاً وسیع اور مضبوط ملک، کو غلام بنانے یا مستقل طور پر چنگل میں دبائے رکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس میں رہنے والی مختلف اقوام کے درمیان جذبات منافرت پیدا کرکے اس حد تک پہونچا دیا جائے کہ وہ آزادی کی تڑپ اور آزادی کے عشق کے باوجود اس ملک کی تقسیم کو اپنا دین و ایمان بنالیں۔ اور اسی کے اندر سیاسی اور معاشی نجات تصور کرنے لگیں چنانچہ عرب لیڈروں نے اسی سے کم دلائل میں سے الگ 'آزاد عرب اسٹیٹ' بنانے میں پیش نہیں کئے جسقدر آج ہندوستان میں پاکستان کے حق میں پیش کئے جا رہے ہیں، پھر نتیجہ جو کچھ نکلا وہ اظہر من الشمس ہے!! یونان، ہنگری، زیکوسلوکیا اور ریاستہائے بلقان وغیرہ نے یورپین حکومتوں کے اشارہ پر 'قومیت' کے نام پر علم بغاوت بلند کرکے اگرچہ خود کو بظاہر آزاد کرا لیا مگر ترکی کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ اُن کا بھی جو کچھ حشر ہوا وہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور 'مرد بیمار' ترکی آج بھی بہادر مرد کی طرح زندہ ہے!!

کیا پاکستانی حضرات کے لئے یہ مسئلہ باعث صد ہزار عبرت نہیں ہے کہ آج مسلم لیگ اور مسٹر جناح کی حیثیت برٹش حکومت کی نگاہ میں صرف اتنی ہے کہ جن جن مواقع میں اسکو کانگریس کی تحریک آزادی کو شکست دینی ہے اُن میں وزیر اعظم اور پارلیمنٹ سے لیکر وائسرائے تک کی زبان و قلم پر مسلم لیگ کا نام بار بار آتا اور اسکی اہمیت اور نمائندگی کو سراہا جاتا ہے۔ لیکن جب وہی مسٹر جناح کانگریس سے خفا ہوکر کاسہ گدائی کو حکومت کی جانب پھیر دیتے ہیں اور بار بار کبھی پیار و محبت اور دعائیہ کلمات کے ساتھ اور کبھی خفگی آمیز ناز و ادا کے ساتھ اُس سے الحاح وزاری کرتے ہیں کہ وہ کانگریس کو نظر انداز کرکے حکومت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دیدے تو وہی حکومت پیچھے پھر کر بھی بھکاری کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھتی!!

کیا جو حکومت آٹھ صوبوں میں ہر قسم کی ناراضیوں اور بے چینیوں کے باوجود مسلم لیگ کو نظر انداز کرکے کانگریس کو حکومت کی مشین حوالہ کرسکتی ہے کہ جسکو ختم ہونے پر "یوم نجات" جیسا عظیم الشان کارنامہ کیا گیا وہ حکومت، کانگریس کو ذلیل کرنے کے لئے یا مسلم لیگ کو عزت بخشنے کے لئے مسٹر جناح کے سوال کو پورا نہیں کرسکتی؟ ضرور کرسکتی ہے۔ مگر کرتی کیوں نہیں؟ صرف اسلئے کہ وہ جانتی ہے کہ مسلم لیگ اور اسکا قائد اعظم اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے کہ وہ ہماری اغراض کا آلہ کار بنتے ہیں اور انکی وہ دھمکیاں جو کبھی کبھی دبانی طور پر حکومت کو دیجاتی رہی ہیں انکا آلہ کار بننے میں اور زیادہ ممد و معاون ثابت ہوں کہ موجودہ بدوگمنٹ کے زمانہ میں یہ بھی ایک مفید طریقہ ہے!!

میں کسی کی نیت پر حملہ کرنا نہیں چاہتا البتہ حق و انصاف کے نام پر صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قائد اعظم کی اس "الہامی سیاست" کا نتیجہ عملاً حکومت کی ہمنوائی اور اسکے استحکام کے آلہ کار بننے کے سوا اب تک کیا نکلا؟ کیا کرپس مشن کے زمانہ میں جو حضرات دہلی کے حالات سے باخبر تھے وہ اس حقیقت کو فراموش کرسکتے ہیں کہ اس ایک بات کے ماسوا کہ حکومت "پاکستان" کو جس طرح اپنے آئندہ اقتدار ہند کیلئے مفید سمجھتی ہے اس کے اصول کو اسکیم میں درج کرکے مسٹر جناح کو کانگریس کے مقابلہ میں "تبسم" فرمانیکا موقعہ مرحمت فرمایا اور کسی مسئلہ میں بھی اُن کو کوئی حیثیت نہیں دی اور پورے قیام کے زمانہ میں کرپس مشن صرف اسی کوشش میں لگا رہا کہ کسی نہ کسی طرح کانگریس کو راضی کرکے ایک مفلوج نیشنل گورنمنٹ قائم کرنے میں کامیاب ہوجائے اور اسی لئے خود مسلم لیگ کو الہ آباد میں ایک ایسا ریزولیوشن بنانا پڑا جو بقول "اسٹیٹسمین" اجلاس ختم ہونے پر بھی اُس وقت تک شائع نہ ہوسکا کہ نہ معلوم حکومت اور کانگریس کے درمیان کس قسم کا سمجھوتہ ہو یا قطعاً نہ ہو تو صدر اُسوقت مختار کل ہونگے کہ جس طرح چاہیں اُس تجویز کی شکل بدلکر شائع فرمادیں گے اور بالآخر جب کرپس اور کانگریس کی بات چیت ٹوٹ گئی تو اب وقت آیا کہ مسلم لیگ کو استعمال کیا جاوے چنانچہ فوراً ہی وہ مسٹر جناح سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے اور اُس وقت مسلم لیگ کا ریزولیوشن بھی شائع ہوگیا جس میں کرپس مشن سے بظاہر ناراضی کا اظہار تھا مگر "پاکستان" کا اصول منظور کرلینے کے نام سے حکومت کا شکریہ بھی ساتھ ہی منسلک تھا!! تاکہ بے عملی کی شکایت میں جو ہاتھ حکومت کی جانب بھیک کیلئے پھیلا ہوا ہے اسکے جواز کی صورت باقی رہے۔ پھر کرپس نے بمبئی جاکر وہ تاریخی تقریر کی جو مسلم لیگ کو بہت پسند آئی اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے اسکو خوب سراہا۔

حالانکہ جو کرپس صاحب بمبئی میں ہندو مسلم منافرت کی تقریر کرکے اپنی مشن کی ناکامی سے متعلق مفتریانہ بیان دے کر گئے اُن ہی کرپس صاحب نے جب یہ دیکھا کہ وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے مخالفانہ رویئے نے میری وار کیبنٹ کو میرے خلاف ہموار کرلیا ہے اور مجھکو اسلئے ناکام جانا پڑیگا کہ ایک طرف گورنر جنرل اپنے اختیارات خصوصی اور اپنی ویٹو پاور (VETO POWER) ترک کرنے پر آمادہ نہیں اور دوسری جانب کانگریس کا یہ اصرار ہے کہ نیشنل گورنمنٹ صحیح معنی میں نیشنل گورنمنٹ ہو اور ڈیفنس کے متعلق کانگریس کے مطالبات سب پورے ہوں تو سر اسٹیفورڈ کرپس نے مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو کے سامنے آخری پیشکش یہ کی کہ اگر وہ اس وقت گورنر جنرل کے مقابلہ میں اختیارات کی آزادی اور ڈیفنس سے متعلق چند مطالبات پر نہ اڑیں تو میں اس مسئلہ کیلئے آمادہ ہوں کہ تقسیم ہند سے متعلق جو حصہ میری اسکیم کا ہے اسکو حذف کردوں اور یقیناً میں وائسرائے اور کیبنٹ دونوں کو اس پر آمادہ کرسکتا ہوں اور ساتھ

ہی یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ تھوڑے عرصہ کے بعد ہی آپ اس اسٹیج کو بھی حاصل کریں گے بشرطیکہ اس وقت آپ میرے مشن کو کامیاب بنادیں۔

مگر پنڈت نہرو کی موجودگی میں صدر کانگریس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص انداز بیان کے ساتھ پُرجوش الفاظ میں فرمایا کہ مجھے اسکی ضرورت مطلق نہیں ہے کہ آپکی تقسیم ہند کے حصہ کو کہ جسکو آپ ہندو مسلم منافرت کے لئے اپنی اسکیم میں شامل کرلئے ہیں خارج کرائیں۔ آپ ہمارے مطالبات کو مکمل طور پر مان لیجئے اور حکومت ہند اور برٹش حکومت سے منوا لیجئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتہ نہ کرادوں اور مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو راضی نہ کروں تو بلاشبہ کانگریس نا اہل ثابت ہوگی اور یقیناً اسکو کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے متعلق ایک لفظ بھی آئندہ زبان سے نکالے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مولانا آزاد کی صدارت میں کانگریس کا رویہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق کیا ہے مگر وہ مسٹر جناح کے نزدیک قابل گردن زدنی ہیں اور نام نہاد غمخواران اسلام کے نزدیک سخت مجرم۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے موجودہ اختلافات کے درمیان مسلم لیگ کے قائداعظم کا حضرت مولانا آزاد کے ساتھ جو غیر اسلامی اور غیر شریفانہ رویہ رہا ہے اور اس پر حضرت مولانا آزاد نے جس صبر اور ضبط وتحمل کا ثبوت دیکر مسلسل یہ کوشش جاری رکھی ہے کہ کسی طرح مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان معقول سمجھوتہ ہوجائے اس سے ایک انصاف پسند نگاہ میں دو رہنماؤں کے باہم پستیٔ اخلاق اور بلندیٔ اخلاق اور فساد و صلح کے دو متضاد نقشے سامنے آجاتے ہیں۔

غرض حکومت نے مسلم لیگ کی پوزیشن یہ طے کرلی ہے کہ وہ کانگریس کی جنگ آزادی کے بساط پر ایک ایسا مہرہ ہے جو شہ دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یعنی جس حدتک حکومت کانگریس کی جد وجہد سے مجبور ہوکر اسکو راضی رکھنا چاہتی ہے اُس حدتک مسلم لیگ کو نظرانداز کردیتی ہے اور جن حدود تک اسکی جد وجہد اور مطالبات کو رد کرنا ضروری سمجھتی ہے اُن میں مسلم لیگ کو آگے کردیتی ہے اور کانگریس کو حتی الامکان شکست دینے کیلئے جس طرح اُس نے مسٹر جناح کے ذریعے شملہ کی چوٹی پر بعض مسلمان لیڈروں کو بُلا کر جداگانہ انتخاب کا "الہام" کیا تھا جسکی تفصیلات ایک باخبر علیگ نے کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں واضح کردی ہیں اور وہ آج لیگی مسلمانوں کا جزو ایمان بنا ہوا ہے! اسی طرح آج کی سیاست میں اُس نے "پاکستان کا الہام" کیا ہے، جسکو وہ جب اور جس طرح مفید سمجھے گی اپنے سامنے لاتی رہے گی۔

رہا قائداعظم کے جھنڈے کے نیچے مسلم لیگی سورماؤں کا اس "الہام" پر کانگریس کی برابر حکومت کے مقابلہ میں جنگ کرنا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شیر قالین کو شیر نیستان یقین کرلینا! جو رہنما صاف الفاظ میں لکھنؤ کے سالانہ اجلاس میں یہ کہہ چکا ہو کہ حکومت کے مقابلہ میں کسی قسم کی بھی سول نافرمانی کرنا خودکشی کے مترادف ہے، اسکے اقدامات کا حکومت کو خود مسلمانوں سے زیادہ صحیح اندازہ ہے۔

جو حضرت لارڈ ولنگڈن کے پرانے اختلاف کی بناء پر انکی وائسرائیلٹی کی پوری مدت میں خوف کی وجہ سے لندن کو ہجرت کرچکے ہوں اور انکی ختم مدت پر رونق وہ ہندوستان ہوئے ہوں' اور جو بزرگ خلافت عظمیٰ کی تباہی اور مسلمانوں کی اجتماعی بربادی کے زمانہ میں اور اسی طرح کے دوسرے اہم معاملات اسلامی میں پیٹ فارم سے راہ فرار اختیار کرچکے ہوں وہ آج اگر خوش فہم اور بےخبر سادہ لوح مسلمانوں کی نگاہ میں مولانا آزاد اور مولانا حسین احمد سے زیادہ "اسلامی درد" کے حامل اور "الہامی سیاست" کے قائد ہیں تو اس قوم کا خدا ہی نگہبان ہے۔

مجھے یہ حالات دیکھ کر مجاہد اکبر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ یاد آتا ہے۔ کسی شخص نے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی پستی اور انگریز دوستی کا ذکر کیا تو فرمانے لگے "ابھی کیا ہے، وہ وقت بھی آنیوالا ہے جب مسلمان انگریز دوستی کی بنا پر اس سے بھی زیادہ ذلیل و رسوا ہونگے اور اسکے بعد پھر خدا اُن کو سمجھ دیگا اور وہ اپنی اس روش سے متنفر ہوکر اپنی اجتماعی عزت کیلئے کوشاں ہوں گے۔

ہر حال ملکی اور قومی نقطۂ نظر سے بھی مسلمانوں کے لئے "پاکستانی" اسکیم مہلک اثر رکھتی ہے اور جبکہ موجودہ دور میں برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس جیسی حکومتیں یہ غور کر رہی ہیں کہ اگر وہ چند بڑی بڑی حکومتوں کو ایک فیڈرل حکومت میں تبدیل کر کے زندگی بسر نہیں کرینگی تو ان کا دشمنوں کے مقابلہ میں زندہ رہنا مشکل ہے، اور جبکہ ایران، افغانستان، ترکی کا وہ میثاق سعد آباد جو ۱۹۳۷ء میں خلافت عظمیٰ کا نمونہ قرار دیا جا رہا تھا ۱۹۳۹ء کی جنگ شروع ہوتے ہی "گاؤ خورد" ہو گیا تھا کہ کوئی ایک دوسرے کی امداد کا نام تک بھی نہ لے سکا! اس وقت ہمارے ہمدرد و غمخوار ہندوؤں کی تنگ نظری سے خائف ہو کر ہندوستان کے حصے بخرے کرنے ہی میں مسلمانوں کی عزت و ترقی سمجھتے ہیں اور اسکو "الہامی اسکیم" یقین فرماتے ہیں۔ ان ھذا لشئ عجیب!!

حضرت شیخ الہند قدس سرہ جب اپنی انقلابی اسکیم لیکر حجاز پہونچے اور عرصے کے بعد ان کے اور انور پاشا مرحوم اور جمال پاشا مرحوم کے درمیان مدینہ طیبہ میں رازدارانہ گفتگو ہوئی تو طویل گفت و شنید کے بعد انور پاشا نے حضرت شیخ سے فرمایا کہ مولانا! اب وہ وقت گیا جب ترکی یا کسی مسلم حکومت سے یہ توقع کیجا سکتی تھی کہ وہ ہندوستان پر چڑھائی کر کے اسکو آزاد کرا دینگے اگر آپ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں تو ہندوستان ہی واپس تشریف لے جائیں اور بڑی مصیبت سے بچنے کی خاطر چھوٹی مصیبت کو اختیار کرلیں اور وہ یہ کہ وہاں کے تمام مختلف المذاہب لوگوں کو اجنبی حکومت کی غلامی سے آزاد کرنے اور ایک مشترک حکومت قائم کر کے غلامی سے نجات پانے کا تصور پیدا کریں اور اسی کیلئے ہر قسم کی جد و جہد سے کام لیں۔ اگر آپ ایسا کرینگے اور برٹش حکومت کی موجودہ طاقت کو نیشنل گورنمنٹ میں منتقل کر کے کمزور بنا دینگے تو یہ نہ صرف خود اپنے اوپر احسان ہوگا بلکہ دنیائے اسلام کی غلامی اور نیم غلامی بھی صحیح آزادی سے دوچار ہو سکے گی!

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عملی انسانوں کی نگاہ میں اجنبی اقتدار کی کیا حیثیت ہے اور بے عملی کو شاہراہ بنا کر اور منفی پہلوؤں پر زندگی کی اساس قائم کرنیوالے حضرات کے نزدیک کیا ہے! درحقیقت یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جو قوم پرور مسلمانوں اور جمعیۃ العلماء اور دوسری ترقی پسند مسلم جماعتوں کے اور پاکستان و مسلم لیگی مسلمانوں کے درمیان اختلافی ہے باقی سب اسکی شاخیں اور برگ و بار ہیں قوم پرور مسلمان سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کی ہر قسم کی تنگ نظری اور تعصب کے باوجود ان کے مقابلہ میں انگریزی حکومت کا شاہنشاہانہ اقتدار ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے بھی اور دنیائے اسلام کے غلام اور نیم غلام بلکہ آزاد حکومتوں کے لئے بھی زیادہ خطرناک اور ہلاکت آفریں ہے اسلئے کسی حال میں بھی ہندو اور دوسری غیر مسلم اقوام ہند کو نظر انداز کر کے انگریزوں کی جانب نگاہ اٹھائے رکھنا، اور مختلف مقدس عنوانوں کے ساتھ ان کے اقتدار کے استحکام کا آلہ کار بننا، ہلاکت مول لینا اور اسلام کی عظمت کو خاک میں ملانا ہے! اسکے برعکس پاکستانی اور لیگی مسلمان یہ یقین کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی یہ مصیبت انگریزوں کے اقتدار کے مقابلہ میں بہت زیادہ خطرناک ہے اور انگریزوں کی غلامی ہزار درجہ قابل ترجیح اور قابل قبول ہے اور جب وہ اس نظریہ کو آزادی کے خلاف سمجھ کر اور اسکی غیر معقولیت سے شرما کر اس جذبہ کو معقول بنانا چاہتے ہیں تو یہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر آزادی کامل فوراً ہی مل جاتی تو دوسری بات تھی ہم بھی اس پر غور کرتے مگر جسطرح آہستہ آہستہ قدم اٹھ رہے ہیں اس سے تو ہم دوہری غلامی میں آجائینگے اسلئے یہ نظریہ قائم کرنے پر مجبور ہیں۔

حقوق مسلم

رہا مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ تو اسکے لئے قوم پرور مسلمانوں اور جمعیۃ العلماء ہند کبھی بھی کیوں مسلمانوں سے پیچھے نہیں رہے اور جب کبھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا سب سے پہلے انھوں نے ایسی تجاویز مرتب کیں جن میں مسلمانوں کے حقوق کی بہتر سے بہتر طریق پر حفاظت ہوتی ہے۔ اور وہ ہندوؤں کے مساوی ہو کر ہندوستان کی حکومت میں حصہ دار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جمعیۃ العلماء ہند نے سہارنپور کے ۱۹۳۱ء والے فارمولے میں اس وقت کے پیش کردہ مسٹر جناح کے مطالبات سے زیادہ بہتر طریقہ پر مسلمانوں کا معاملہ حل کیا تھا اور آج بھی اچھا

کو عنقریب نقل کیا جائیگا) جمعیۃ العلماء ہند کا لاہور ریزولیوشن مسلم لیگ کے لاہور ریزولیوشن سے مسلمانوں کے لئے کیوں اور فرقہ وارانہ حقوق کے نقطۂ نظر سے بھی مفید اور بہتر ہے وہ اقوام اور ملک کے درمیان مذہبی اور قومی منافرت بھی پیدا نہیں کرتا اور اجنبی اقتدار کو بھی موقعہ نہیں دیتا کہ وہ ملک کے حصے بخرے کرکے مسلمانوں کو اپنے تحفظ و استحکام کا آلۂ کار بنا سکے مگر اسکے باوجود ہوا خواہان لیگ کی نظر میں جمعیۃ العلماء ہند کی وہ سب کوششیں جو مسلم حقوق کے سلسلہ میں وہ کرتی رہی ہیں صرف اسلئے ہیچ در ہیچ ہیں کہ اسکے صدر محترم نے انگریزی حکومت سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے جذبہ میں یہ کیوں فرمایا کہ وہ اس غرض کی خاطر کتوں اور سؤروں سے بھی اشتراک کر سکتے ہیں۔

پاکستان تبلیغی نقطۂ نظر سے

جو حضرات اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ہندوستان میں برٹش حکومت سے قبل بلکہ ہندو حکومتوں کے راج میں اسلام نے کس طرح اس ملک میں اپنا پیغام پہونچایا: اور یہاں کے باشندوں نے اسکو قبول کیا نیز برٹش حکومت کے قیام کے بعد کس طرح یہاں کے آبادی ایک صدی میں دو چند ہوگئی اور جو حضرات اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ اسلام کی اس روز افزوں ترقی کے پیش نظر کس طرح سیاسی اور مذہبی دونوں نقطۂ نگاہ سے ہندوؤں میں "آریہ سماج تحریک" نے نشوونما پائی وہ بآسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی ترقی اور برتری کا علاج "پاکستان" کے ذریعہ کیا گیا تو اس سے اسلامی تبلیغ کو بہت بڑا دھکا لگیگا اور عظیم الشان نقصان پہونچے گا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ ہندو ہندوستان نے اپنے مذہبی اور قومی مفاد کی خاطر یہ اعلان کردیا کہ اُن کے ملک میں کسی مذہب کی تبلیغ نہیں کی جاسکتی اور نہ ایسی انجمنیں قائم ہوسکتی ہیں، حتیٰ کہ انھوں نے خود اپنے مذہب کے متعلق بھی یہی طے کردیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انکا مفاد بھی اُنھیں کو پہونچتا ہے تو "مسلم ہندوستان" اسکے متعلق اس سے زیادہ کیا کرسکتا ہے کہ وہ اسکے ردعمل کے طور پر اپنے یہاں بھی اس قسم کے احکام نافذ کردے اور قانون پاس کردے مگر پاکستانی بھائیوں کو یہ کون بتائے کہ اس شکل میں خسارہ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کو رہیگا۔ ہمارے سامنے جاپان اور چین کی مثالیں موجود ہیں، دونوں ممالک "بدھ مذہب" کے پیرو تھے مگر چین میں اسلام نے تلوار اور حکومت کے بغیر وہ ترقی کی کہ آج دنیا کی حکومتوں میں ہندوستان کے بعد چین ہی میں سب سے زیادہ مسلمان ہیں مگر جاپان کے اس حکم اور قانون نے کہ "جاپانی حکومت اسلام کی مذہبی حیثیت تسلیم نہیں کرتی" جاپان سے اسلام کو بیگانہ رکھا اور اب جبکہ حالیہ زمانہ میں یہ حکم منسوخ کردیا گیا تو اسلام نے وہاں بھی اپنی صداقت کا اثر دکھانا شروع کردیا۔

اور اس سے آگے ملکانہ راجپوتوں اور دوسرے لاکھوں نومسلم بے علم جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ ان کا کیا حشر ہوگا اور وہ اسوقت جبکہ تین چوتھائی ہندوستان میں وہ ہندو ہندوستان سمجھ کر رہیں گی تو ظاہری جبر و اکراہ کے بغیر ہی ان کا رُخ کس جانب ہوگا جبکہ آج بھی انکا سنبھالنا مشکل ہورہا ہے اور اسکے برعکس ہندو جاہل دہقانیوں تک میں اقلیت اور اکثریت کے جھگڑوں نے جو سیاسی بیداری پیدا کردی ہے اسکے پیش نظر مسلم ہندوستان میں "نعم البدل" کی تلاش العیاذ باللہ نہ تو تعداد کا توازن پورا کرسکتی ہے اور نہ اضافہ و ازدیاد ہی میں صحیح توازن باقی رہ سکتا ہے۔

اگر اس پہلو کو جو اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا وہ انگریزی داں طبقہ نظر انداز کردے تو کردے جس نے اپنی سیاست کا مرکزی نقطہ انگریزوں کی غلامی اور اُن کے سہارے زندہ رہنا بنالیا ہے کیونکہ وہاں تو عقائد سے لیکر معاملات تک سب ہندوؤں اور عیسائیوں کیطرح مذہب

اسلام کو بھی مخصوص عقائد و اعمال کا مذہب نہیں سمجھتے بلکہ صرف "سوسائٹی کے مذہب" کی حیثیت سے اسکو اپناتے ہیں تاکہ وزارتوں، اسمبلیوں اور ملازمتوں میں ایک خاص نام سے جگہ حاصل کر سکیں خواہ وہ نام نہاد مسلمان خدا کا منکر ہو یا مذہب کا منکر ہو اور خواہ وہ رسالت، ختم نبوت، حشر و نشر معاد و آخرت وغیرہ کا قطعاً منکر ہو لیکن ایک ہمدرد اسلام سے تو ممکن نہیں کہ وہ نظرانداز کردے دو قوم (TWO NATION THEORY) کا نظریہ جو مطالبۂ پاکستان کی بنیاد ہے اسلام کو سوسائٹی کے مذہب کی حیثیت دے کر یا بالفاظ دیگر اسلام کو قوم کے مرادف قرار دے کر ایک عظیم الشان خطرہ یہ پیدا کرتا ہے کہ اس صورت میں مسلمان، جرمن، فرنچ، انگریز وغیرہ کی طرح ایک علاقے میں رہنے والے کا نام ہو جائیگا۔ یعنی جس طرح جرمنی وہ ہے جو "سرزمین جرمن" میں رہے، فرنچ وہ ہے جو فرانس میں رہے اسی طرح مسلمان وہ جو پاکستان میں رہے!

اسلام کو ایک اخلاقی، تہذیبی، روحانی پروگرام کی حقیقت سے اُتار کر فقط جغرافیائی حدود میں محدود کردینے سے جو مذہبی، تہذیبی اور تبلیغی نقصانات پیدا ہو سکتے ہیں وہ مزید توضیح کے محتاج نہیں! جس طرح ایک جرمن جرمن ہے خواہ عمل کچھ رکھتا ہو کیونکہ وہ جرمن نیشن سے تعلق رکھتاہے ایک برہمن برہمن ہے کیونکہ وہ برہمن قوم سے تعلق رکھتا ہے، عمل اور عقیدہ خواہ کچھ ہو! اسی طرح ایک مسلمان مسلمان ہوگا خواہ اس کا عقیدہ و عمل کچھ ہو کیونکہ وہ نیشن اسلام سے تعلق رکھتا ہو! اور جس طرح ایک برطانوی کو جرمنی بننے کی دعوت دینا ایک سیاسی چیز ہے، مذہب سے اسکا تعلق کچھ نہیں، اس طرح ایک ہندو، عیسائی یا سکھ کو اسلام کی دعوت دینا کے یہ معنی ہونگے کہ وہ اس نیشن کا جزو بن جائے جسکا مرکز پاکستان ہے!

تم مسٹر جینا بیرسٹر کے بجائے مفتی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور سر ظفر اللہ (قادیانی)، راجہ محمود آباد (شیعہ) کو جو پاکستان کے حامی ہیں مسلمان اور دیانتدار قرار دیتے ہیں۔ اور مولانا حسین احمد صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے مجاہدین ملت کو بددیانت، بے ایمان، کہدیتے ہیں اور لیگی اخبارات ان جملوں کو نہایت آب و تاب سے شائع کرتے ہیں اور لیگی نوجوان مسٹر جینا کے فتوے پر اعتقاد رکھتے ہوئے مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ مولانا آزاد صاحب مدظلہ کے ساتھ اس سے بھی بُرا سلوک کرتے ہیں جو ایک کافر مرتد کے ساتھ کیا جا سکتا ہے! غور کرو! اسکے دوررس نتائج کیا ہونگے آخران بزرگوں کی (معاذ اللہ) بے ایمانی اور بددینی اسکے سوا کیا ہے کہ حضرت پاکستان کے حامی نہیں؟

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف تو یہ شورا شوری کہ متحدہ قومیت کا لفظ بھی صدر جمعیۃ العلماء کی زبان پر کیوں آیا دوسری جانب یہ پستی کہ اسلام کو جغرافیائی حدود میں محدود کر دیا!

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آخر اس دارفتگی کا باعث اسکے سوا کیا ہے کہ

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

بہرحال تبلیغی اور مذہبی نقطۂ نظر سے بھی پاکستان مسلمانان ہند کے لئے ہرگز مطمئن حل نہیں ہے!

"پاکستان خارجہ پالیسی کے نقطۂ نظر سے"

یہ صحیح ہے کہ صوبہ سرحد، دربنگال (کلکتہ) اور ساحل سندھ (کراچی) ایسی اہم پوزیشن میں ہیں کہ ہندوستان کے بیرونی ممالک سے جنگ و صلح اور تجارتی و منفعتی تعلقات کیلئے گویا کنجی ہیں۔ جو پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھ میں بلاواسطہ ہوگی مگر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہی کنجی اس وقت دوسروں کے ہاتھ آسانی سے بھی جاتی ہے جبکہ کنجی بردار سیاسی، اقتصادی اور تجارتی اعتبار سے اسقدر مضبوط نہو کہ وہ خود بھی اس سے فائدہ اُٹھالے

اور دوسرے بھی اس سے فائدہ اُٹھانے میں اسکے محتاج رہیں۔[5]

لیکن گذشتہ تفصیلات کے پیش نظر یہ بات واضح ہو چکی کہ مسلم پاکستان رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے ہندوستان کا ⅓ حصہ ہوگا اور سیاسی، اقتصادی اور تجارتی اعتبار سے بہت کمزور اور ضعیف ہوگا۔ ان حالات میں اسباب سے قطع نظر کرکے محض جذبات کی رو میں بہتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ "کمزور اکثریت اور مضبوط اقلیت کے باوجود ہم سب کچھ کر سکتے ہیں اور ہندو ہندوستان کے مقابلہ میں مساوی مضبوط ہو سکتے ہیں" حسن نیت تو کہا جا سکتا ہے مگر حقیقت کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔

دنیا میں دوسری حکومتیں اُسی حکومت سے خوفزدہ ہوا کرتی ہیں جو خود اپنے تمام پہلوؤں سے مضبوط ہو اور اُس سے ہر قسم کے سیاسی اور اقتصادی تعلقات کو وابستہ رکھنا ضروری سمجھتی ہیں اور کمزور حکومت ہمیشہ دوسروں ہی کے رحم و کرم پر "آزادی" کے نام سے زندہ رہا کرتی ہے۔

آج! چھوٹی حکومتوں میں ترکی جیسی زبردست طاقت بھی جنگ میں اسلئے اپنی غیر جانبداری محفوظ رکھ سکی کہ وہ دو مضبوط طاقتوں کی ہواؤں کے درمیان سانس لے رہی تھی اور دونوں طاقتیں اپنی اپنی مصالح کی بنا پر اُس سے اُلجھنا نہیں چاہتیں۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنی خوش اعتقادی کی بنا پر اس معاملہ کو اُن کی بے نظیر شجاعانہ زندگی اور ذرائع و ذخائر جنگ کی فراوانی پر محمول کرکے یہ کہہ دیں کہ اُلجھنے کی خواہش کے باوجود ترکی کی طاقت کے خوف سے اُلجھنا نہیں چاہتیں۔ لیکن درۂ دانیال کے بارے میں آج ترکی کی بے بسی اس خوش اعتقادی کا بھی پول کھول دیتی ہے۔ مضبوط حکومتیں سیاسی اور تجارتی تعلقات کس کے ساتھ زیادہ مستحکم رکھتی ہیں اسکی روشن مثال حکومت چین ہے کہ جب وہ جنگ عظیم سے پہلے جاپان کے ہاتھوں پٹ رہا تھا تو اس غریب کا کوئی بھی حامی نہ تھا اور پھر (بوقت ضرورت) بہت سے ہو گئے۔ لہذا ہندوستان سے تعلقات رکھنے کے لئے یورپین اور ایشیائی طاقتیں ہندوستان کی جانب جھکیں گی یا پاکستان کی جانب اس کا فیصلہ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ میں صرف ایک مثال پیش کرکے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

۱۹۳۰ء میں جب کانگریس نے عام سول نافرمانی شروع کی جس میں بدیشی کپڑے پر پکٹنگ اور اسکا مقاطعہ بھی شامل تھا تو مانچسٹر اور لنکا شائر کی کمپنیوں نے یہ طے کیا کہ ہندوستان میں کپڑے کی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اور یہ بڑا ظلم ہے کہ مسلمان اس سے قطعاً محروم ہیں لہذا حاجی عبداللہ ہارون مرحوم کے ذریعہ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں بذریعہ اشتہارات یہ پروپیگنڈا کرایا گیا کہ ان کمپنیوں نے مسلمانوں کو کپڑے کی تجارت میں مضبوط کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ دو کروڑ روپیہ کی قیمت کا کپڑا مسلم کمپنی قائم شدہ ہندوستان کو اُدھار دیتے رہینگے اور یہ رقم اس کمپنی پر اُس عرصہ تک برابر قائم رہیگی جب تک وہ پیروں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو جائے لہذا مسلمانوں کو بدیشی کپڑے کا مقاطعہ نہیں کرنا چاہئے اور بمبئی میں ایک فرم بھی قائم ہوگئی لیکن جیوں ہی تحریک کامیابی کے ساتھ ختم ہوگئی مسلمان نظرانداز کر دئے گئے اور وہ ساری اسکیم خاک میں مل گئی۔

یہ ہے کمزور اور طاقتور حکومت کا تقابل! طاقتور کو چھوڑ کر کمزور سے کون معاملہ کرے!!

---

۵ محمد ظفر احمد صاحب انصاری اپنے رسالہ "پاکستان اور مسلمان" میں تحریر فرماتے ہیں "پاکستان کی پیداوار کا بہترین خریدار تو ایک مدت تک یو پی سی پی [illegible] ان علاقوں میں اسکی مصنوعی اشیاء کھپ سکیں گی۔ آزاد تجارت کی پالیسی بائع اور مشتری دونوں کے لئے سودمند ہوگی۔ اور کم از کم اُس وقت تک یہ صورت ضرور رہے گی جبتک کہ پاکستان خود صنعتی کاروبار نہ کرسکے" آگے چلکر فرماتے ہیں! "[illegible] کی بنا پر مسٹر کاروٹ نے اپنی کتاب میں [illegible] پاکستان کا مرکزی وفاق میں شامل ہونا اُسکی "دولت و خوشحالی" کی خودکشی کے مرادف ہوگا" (صفحہ ۳۱ و صفحہ ۳۲) غور فرمائیے! پاکستان جب جنس خام کی منڈی بنکر برطانیہ سے تعلق رکھیگا تو پاکستان کی حیثیت کیا ہوگی؟ اور [illegible] کس کے قبضہ میں ہوگی؟ جو قوم آزاد چین پر تجارتی فائدہ کی خاطر اس طرح چھا سکتی ہو کہ اسکی بندرگاہوں پر قابض اسکے اقتصادی وسائل کی مالک وہ اپنے [illegible] پاکستان سے کیا سلوک کریگی [illegible] ڈیڑھ سو برس سے ہے!! نیز باعتراف ظفر صاحب مسٹر کاروٹ کے بیان سے اندازہ لگائیے کہ نعرہ پاکستان کوئی حقیقی نعرہ ہے یا مسلمانوں کی آواز؟ [illegible]

"پاکستان لسانی نقطۂ نگاہ سے"

میں یہ تسلیم کئے لیتا ہوں کہ مسئلہ 'زبان' کا جہاں تک تعلق ہے اسکے بارے میں گاندھی جی سے لیکر ایک معمولی ہندو کانگریس مین (CONGRESS MAN) تک کا "اردو" کے متعلق ذہن صاف نہیں ہے اور اگرچہ کانگریس کا ریزولیوشن اس سلسلہ میں بہت صاف، واضح اور صحیح اُصول پر وضع کیا گیا ہے لیکن اکثر ہندو کانگریس مینوں کا 'عمل' اسکے خلاف ہے لیکن اس حقیقت کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ 'اردو' اور ہندوستانی کو ہندوؤں میں غیر دلچسپ بنانے اور انکے قلوب میں نفرت پیدا کرنے کے سامان مسلمانوں نے بھی کم مہیا نہیں کئے اور پنجاب کے مسلم اخبارات اور اہل زبان نے تو اُردو کے بہتر سے بہتر ہندو انشاپرداز کی اردو نویسی کے متعلق 'بوئے کچوری می آید' کی پھبتیاں کس کر انکے خلاف نفرت کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ بھڑکانے کی کوشش کی اور اردو زبان کے مسئلہ کو ملک کی مشترکہ زبان بنانے اور ظاہر کرنے کی بجائے ایسے دلائل پر اس بحث کو چلایا کہ جن سے ہندوؤں کے اس دعوی کی تصدیق ہوتی رہی کہ "اردو مسلمانوں کی مذہبی میراث ہے" نہ کہ ملک کی مشترک وراثت اور غیظ وغضب میں چالاک حریف کے دام میں آکر وہی کہنے لگے جو اس نے کہا کہ یہ مسلمانوں کی میراث ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی کچھ کم افسوسناک نہیں ہے کہ کانگریس گورنمنٹوں میں جس درجہ بھی اُردو یا ہندوستانی کی ترقی کے لئے قدم اُٹھائے گئے اسکے مقابلہ میں بنگال کی مسلم لیگی وزارت نے اس سے آدھی رقم بھی اسکے فروغ کے لئے نہیں اُٹھایا۔

بلکہ اسکے برعکس بنگالی زبان کو اپنے ہاتھوں 'اردو' کا حریف بنایا گیا اور اس حقیقت کا انکشاف کسی فرقہ پرور مسلمان کے زبان وقلم سے نہیں ہوا بلکہ ڈاکٹر عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی اس رپورٹ سے ظاہر ہوا جو انھوں نے "کل ہند اُردو کانفرنس' دہلی کے اجلاس میں پڑھ کر سُنائی تھی۔

بہرحال اگر ہم ہندوستان کے ایک حصہ کو 'پاکستان' بنا کر ۱/۴ ہندوستان سے جُدا کریں گے تو اگرچہ ۱/۴ ہندوستان کی سرکاری زبان اُردو یا ہندوستانی قرار پائیگی۔ لیکن ۳/۴ ہندوستان کی سرکاری زبان خالص ہندی اور رسم الخط خالص دیوناگری ہوکر رہیگا اور اسی طرح آہستہ آہستہ ہندو ریاستوں کے مسلمانوں کی طرح تقریباً تین کروڑ مسلمان جو ہندو ہندوستان کے باشندے ہوں گے اردو زبان سے بڑی حد تک بیگانہ ہوجائینگے اور چند خاص علمی حلقوں کے علاوہ یہ زبان ہندوؤں میں تو کیا مسلمانوں میں بھی مذہبی زبان 'عربی' کی طرح متبرک سمجھ کر بولی اور لکھی جانے لگے گی اور اسکا یہ اثر ہمارے تمدن اور ہماری معاشرت پر جس طرح پڑیگا وہ ظاہر ہے۔ اسکے برعکس ہم مشترک ہندوستان کی وحدت کو نہ مٹائیں تو واقعات اور تجربات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اُردو یا ہندوستانی کو متعصب ہندوؤں کے ہندی اور سنسکرت کے قالب میں ڈھالنے کی تمام کوششوں کے باوجود کانگریس کے صحیح ریزولیوشن اور کانگریس گورنمنٹوں کے مدراس، بہار وغیرہ میں اقدامات کی وجہ سے ہندوستان بھر کے لئے اردو یا ہندوستانی 'لنگوافرنیکا' بنتی جارہی ہے اور یہ سیلاب نہ ہندی ساہتیہ سمیلن سے رُک سکتا ہے اور نہ متعصب ہندوؤں کی سنسکرت نوازی سے البتہ اپنی دوسری غلط روشوں کی طرح ہم خود ہی اگر اسکے محدود ہوجانے پر راضی برضا ہوجائیں تو یہ اور بات ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں کانگریس گورنمنٹوں کے آٹھ صوبوں کی تفصیلات سے یہ واضح کرتا سمپورنانند جیسے کانگریسی وزیر اور ٹنڈن جی جیسے اسپیکر کے باوجود اردو کی ہندوستانی کے نام سے ہندوؤں میں دس گنی ترقی ہوئی اور ہزارہا ایسے ہندو 'اُردو لکھنے' پڑھنے اور سیکھنے پر مجبور ہوئے جو ٹوٹی پھوٹی اُردو بھی نہیں جانتے تھے!!

پاکستان کا نعم البدل

مسطورۂ بالا تفصیلی نزاکتوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد جماعتی زندگی کی کفیل "پاکستان اسکیم" نہیں ہوسکتی تو اسکا نعم البدل وہ کونسی اسکیم ہے جو اس مقصد کو پورا کرتی ہو جسکے لئے پاکستان اسکیم سامنے لائی جارہی ہے۔ اور مسطورہ بالا نقصانات اور مضرتوں سے بھی حفاظت ہوجائے تو اسکے لئے میں علی وجہ البصیرۃ کہوں گا کہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس لاہور کی تجویز ہی اس مقصد کی تکمیل کے لئے صحیح علاج ہے۔ یہ تجویز نیز آزاد مسلم کانفرنس منعقدہ دہلی کی تجاویز اس اصول پر مبنی ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن ان مختلف جماعتوں کی طرح نہیں ہے جو اقلیت کے نام سے موسوم ہیں اسلئے کہ وہ بعض صوبوں میں اگر اقلیت میں ہیں تو بعض صوبوں میں اکثریت میں بھی ہیں اور اصطلاح میں خواہ ان کو "نیشن" (قوم) کہا جائے یا نہ کہا جائے لیکن مسطورہ بالا حقیقت کا "جو ایک مشاہد حقیقت ہے" کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ لہٰذا مسلمان ہندوستان کی مرکزی وحدت کو تسلیم کرتے ہوئے اس حق کو اپنا "فطری حق" سمجھتے ہیں کہ سیاسیات ہند میں اُن کی جگہ ان اقلیتوں کی سی نہیں رہے گی جو اکثریت کی حکومت مانکر اس سے اپنے لئے "سیف گارڈس" (SAFE GUARDS) (تحفظات) حاصل کرکے اپنا حق پالیں بلکہ آزاد ہندوستان میں اُن کی حیثیت مساویانہ ہوگی! چنانچہ تجویز مذکور الصدر میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہر ایک صوبہ خودمختار اور مکمل طور پر آزاد ہوگا اور مرکزی وحدت کیلئے مرکز کو صرف وہی حقوق دئے جائینگے جو باتفاق آراء تمام صوبے اسکے سپرد کریں اور پولیٹکل زبان میں جن حقوق کو "ریزیڈوری پاورز" (RESIDUARY POWERS.) (اختیارات غیر متعینہ) کہا جاتا ہے وہ بھی صوبوں کو ہی حاصل ہوں گے چنانچہ تجویز کی دفعہ (ج) کے الفاظ یہ ہیں۔

> ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کے حامی ہیں "غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

تجویز کا ایک اہم جزء ہے

مذہبی معاملات کل کے کل "فنڈامنٹل رائٹس" (FUNDAMENTAL RIGHTS) (بنیادی حقوق) بنے جائینگے اور اسکا فیصلہ اس کیمونٹی (فرقہ) کے ہی ہاتھ میں ہوگا جسکے وہ حقوق ہیں اور وہ کسی حال میں بھی لیجسلیچر (مجالس مقننہ) کے اندر زیر بحث نہیں آسکتے اور اسی طرح صوبوں کی حکومتوں میں بھی یہی ہوگا! چنانچہ آزادی کامل کو نصب العین قرار دیتے ہوئے یہ تصریح کردی کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہونگے "ان کا مذہب آزاد ہوگا" مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی! اس تجویز میں اعلان کردیا گیا ہے کہ مسلمان کسی ایسے آئین کو قبول نہ کرینگے جسکی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

مرکز میں اگرچہ آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید قرار دیا گیا ہے لیکن یہ بھی تصریح کردی گئی ہے کہ ایسا وفاق اور ایسا مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک، نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی۔ یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی، اور تہذیبی آزادی کیطرف سے مطمئن ہوں۔

پھر جمعیۃ العلماء کے اجلاس سہارنپور مئی ۱۹۴۵ء میں ایک تشریح کا اضافہ کرکے اُن صورتوں کو بھی بیان کردیا ہے جن سے مرکز کی تشکیل اطمینان بخش طریقہ پر ہوسکتی ہے۔ چنانچہ تشریح کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

تشریح

اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور اُن کا مقصد واضح ہے کہ جمعیۃ العلماء مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور ایک مرکز پسند کرتی ہے کیونکہ اس کے خیال میں بحیثیت مجموعی ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لیے مفید ہے۔ مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لیے حق خود ارادیت تسلیم کر لیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی اور تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کر سکے۔ مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے باہمی افہام و تفہیم سے مندرجۂ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو "مسلم و غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے" ممکن ہے۔

(۱) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کا تناسب یہ ہو۔ ہندو ۴۵۔ مسلم ۴۵۔ دیگر اقلیتیں ۱۰۔

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی۔

(۳) ایک ایسا سپریم کورٹ (SUPREME COURT) قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جسکے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔ یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کے آخری فیصلے کرے گا۔ نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے تو اسکا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

(۴) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

بہرحال مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ بعض اور بھی ایسی شکلیں ہیں جو زیر بحث آسکتی ہیں اور مسلمانوں کے مقصد کو پورا کر سکتی ہیں جنکو زیر بحث لانا تب ہی مفید ہوگا کہ یا تو تمام مسلمان جماعتیں اپنے اختلافی نقطۂ خیال کے باوجود جمع ہو کر مسلمانوں کی اس پیچیدہ گتھی کو سلجھانے کے لیے یکجا بیٹھیں اور یا پھر کسی عملی شکل پیدا ہونے کے وقت زیر بحث لائی جا سکتی ہیں۔

یہ وہ صورتیں ہیں کہ ۱۹۴۲ء میں جب ایک غیر جانب دار محب ملت و وطن کے توسط سے جمعیۃ العلماء ہند کے بعض رہنماؤں اور مسلم لیگ صوبہ یوپی کے بعض لیڈروں کے درمیان زیر بحث آئیں تو لکھنؤ کے ایک مشہور مسلم لیگی لیڈر نے ان کے متعلق فرمایا کہ بلا شبہ مسلمانوں کا صحیح تحفظ انہیں تجاویز میں ہے نہ کہ "پاکستان" میں مگر قائد اعظم کی ضد اور ہٹ کب ہم سب کو جمع ہو کر ایک فیصلہ پر متفق ہونے دے سکتی ہے اور اسلئے اب ہم مجبور ہیں کہ بجز پاکستان کے اور کسی چیز کا ذکر نہ کریں۔

بہرحال اس طرح ہندوستان کی مرکزی وحدت بھی قائم رہتی ہے اور مسلمانوں کے خوف و خطرات کا بھی صحیح علاج ہو جاتا ہے اور مرکزی وحدت میں منسلک ہو جانے سے ان سب مضرتوں اور نقصانات کی بھی تلافی ہو جاتی ہے جو سیاسی، اقتصادی، قومی اور طبعی (جغرافی) اعتبار سے تقسیم ہند کی شکل میں مسلمانوں کو پہنچ جانے والے تھے اسلئے کہ وہ سب باتیں صرف اسلئے وقوع پذیر ہو سکتی ہیں کہ تقسیم ہند سے جو قومی اور مذہبی منافرت پیدا ہو جائے گی وہ ہندوستان کے ہر دو حصص کو ہر حال میں ایک دوسرے سے نہ صرف جدا کر دے گی بلکہ دونوں کے درمیان کھلی ہوئی رقابت کی صورت پیدا ہو جائے گی اور زبانی بھائی چارہ ہرگز ان زخموں کا اندمال نہیں کر سکتا جو تقسیم ہند کی عملی شکل میں آنے سے پیدا ہو جائیں گے اور مرکزی وحدت ہندوؤں کی

تنگ نظری کے باوجود ایک دوسرے کے لازمی تعاون و اشتراک کا ایک اہم سلسلہ باقی رکھے گی اور بلاشبہ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی اعتماد کی اسپرٹ کو ترقی حاصل ہوگی اور ملک میں خانہ جنگی کے اشتباہات ختم ہو جائیں گے۔

مگر یہ حقیقت جب ہی سمجھ میں آسکتی ہے کہ محض صحافتی مضامین ہی کا تجربہ نہ ہو بلکہ ان مسائل پر بحث کرنے والوں کی ملکی سیاسیات کے علل و اسباب پر صحیح نظر ہو اور اُن سے نتائج اخذ کرنے کے لئے دماغ جماعتی پروپگنڈہ سے آزاد رہ کر صرف اس طرح مسائل پر غور کرنے کا عادی ہو کہ مسلمانوں کی حقیقی فلاح کے ساتھ ساتھ اجنبی اقتدار کو کمزور بنا کر یا شکست دے کر ملک کی فلاح کی صورت کس طرح بن سکتی ہے!!

اس حالت میں مسلمان اقلیتیں بھی مجموعۂ ہندوستان کے ان تمام فوائد سے متمتع ہو سکتی ہیں اور اکثریت کے صوبوں کے مسلمان بھی باہمی تعاون کے ساتھ اس کے فوائد سے مستفید ہو سکتے ہیں اور خود مسلمان بھی دو حصوں، اقلیت اور اکثریت میں تقسیم ہو کر جدا جدا سیاسی مصالح کے شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

چند شکوک کا جواب

وحدتِ مرکز اور صوبجاتی خودمختاری کے اصول تسلیم کرنے والوں پر چند اعتراضات کئے جاتے ہیں جن سے مسلمانوں کو نقصان پہونچنے کا خدشہ ہے مثلاً یہ کہ اگر تمام صوبجات خودمختار اور آزاد ہوں گے تو کیا ان کو اپنی فوج رکھنے کا بھی حق حاصل ہوگا؟ اور اگر نہ ہوگا تو صوبہ سرحد جیسے صوبہ کا مرکزی فوج کے تحت میں رہنا کیا مسلمانوں کے لئے خطرناک نہیں ہے؟

یہ سوال اپنی جگہ پر بلاشبہ اہم ہے لیکن جسقدر اہم ہے اسی قدر اپنے حل ہو جانے میں بہت آسان بھی ہے۔ اسلئے کہ اگر پولیٹکل قانونی صورتیں ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہیں کہ ہر ایک صوبہ اپنی جدا جدا افواج بھی رکھ سکتا ہے تو قوم پرور مسلمانوں اور فرقہ پرست مسلمانوں کی اس بارے میں دو رائیں نہیں ہوں گی اور یہ مسئلہ متفقہ آواز سے تسلیم کرایا جائیگا اور اگر ایسا کرنے میں خود اقوام ملک تک کے باہم خانہ جنگی اور پولیٹکل آئین کے لحاظ سے لاینحل پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا یقین ہو تو پھر بھی مسلمانوں کے لئے ہماری بیان کردہ وحدت مرکز میں اسلئے خطرہ نہیں ہے کہ ہم سب مسلمان جماعتوں، اور قوم پرور مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ رہے گا کہ خواہ کچھ ہی ہو آج برٹش حکومت کے زیر اثر فوجوں میں مسلمانوں کا جو بھی تناسب ہے مرکزی حکومت میں نہ صرف تناسب ہی باقی رہیگا بلکہ اسکے اضافہ کی مزید سعی کیجائیگی تب اس مسئلہ کو فیصلہ کن قرار دیا جائیگا لہذا ایسی صورت میں مسلمانوں کو پھر بھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا اور آگے فوجی پوزیشن پاکستان کی فوجی پوزیشن کے مقابلہ میں بہرحال بہتر رہے گی جہاں چالیس فی صدی غیر مسلم اقلیت اپنے تناسب کا فوج میں بھی مطالبہ کریگی اور وہ تسلیم بھی کرنا پڑے گا بلکہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا وحدت مرکز اور صوبجاتی آزادی کی اسکیم مسلمانوں کیلئے خصوصیت کے ساتھ صوبہ سرحد میں فوجی بھرتی کی نوعیت بحق مسلمان پاکستان اسکیم سے بدرجہا بہتر ہوگی۔ بہرحال قوم پرور مسلمان ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے غافل نہیں رہے اور نہ غافل رہینگے کہ مسلمانوں کی فوجی پوزیشن کسی حال میں بھی دوسرے کے رحم و کرم پر رہ جائے۔

اگرچہ لیگی صاحبان کی نظر میں قوم پرور ہونا اتنا بڑا گناہ ہے کہ معاذ اللہ کفر و الحاد بھی اُسکے مقابلہ میں ہیچ ہے چنانچہ خدا کا خوف کئے بغیر غلط طریقہ سے جو کچھ کسی کے جی میں آتا ہے ان پر الزام لگا دیتا ہے مگر کاش ان کو معلوم ہوتا کہ جب کانگریس لیڈروں کی مساعی سے الہ آباد میں یونٹی کانفرنس منعقد ہوئی تھی تو کئی روز تک مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے مسلمانوں کے مشترک اجتماع کے باوجود خالص فرقہ وارانہ حقوق کے پیش کرنے اور

اُن کو صحیح پوزیشن میں تسلیم کرانے میں سب سے زیادہ پیش پیش سر آصف علی اور جمعیۃ العلماء ہند کے محترم ارکان حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی اور یہ خادم اور اس کے ساتھی تھے اور سر آصف علی کی جدوجہد کا تو یہ عالم تھا کہ نواب اسماعیل خانصاحب اور حاجی محمد حسین صاحب ارکان مسلم کانفرنس و مسلم لیگ کو بھرے اجلاس میں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمانوں کے حقوق کے مسئلہ کو جس خوبی اور جرأت کے ساتھ انھوں نے پیش کیا ہم بھی اس حد تک پیش نہیں کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے بعض قوم پرور ہندوؤں کی زبان سے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد تک کے لئے یہ نکل گیا کہ ہم کو اب معلوم ہوا کہ مسلمان قوم پرور ہونے کے باوجود بھی اندر سے 'کمیونل مسلمان' ہی نکلتا ہے اور کاش کہ ان کو معلوم ہوتا کہ کبھی بھی قوم پرور مسلمان' مسلمانوں کے مقصد کی تکمیل میں پیچھے نہیں رہے۔

شاید آپکو معلوم ہو کہ جب کانگریس وزارتوں کے زمانہ میں ایک طرف پنجاب کے ایک مشہور لیڈر مسلم اور ہندو کانگریسی ممبران اسمبلی کے ساتھ مل کر یہ جدوجہد کر رہے تھے کہ مسلم ممبران اسمبلی کی قلیت اور ہندو ممبران اسمبلی کی اکثریت کے اجتماع سے اسمبلی میں اکثریت حاصل کر کے یونینسٹ وزارت کو ختم کر کے 'کانگریس کولیشن وزارت' بنائی جائے اور اس جدوجہد میں بھی لیڈر بہت زیادہ سرگرم تھے اور دوسری جانب مسٹر سوباش چندر بوس اپنی صدارت سے فائدہ اٹھا کر بنگال میں اس قسم کی وزارت بنا کر اپنے بھائی سرت چندر بوس کی وزارت کیلئے راہ ہموار کر رہے تھے اس وقت ان دونوں کی جدوجہد کے خلاف جس نے جرأت کیساتھ قدم اٹھایا وہ "مسلم لیگیوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ گنہ گار ہستی" مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ العالی کی ذات گرامی تھی۔ جس نے مسٹر پٹیل اور راجندر بابو کو نیم راضی دیکھ کر صاف صاف متنبہ کر دیا تھا کہ اگر آپ حضرات نے ان مسلم صوبوں میں جہاں کے لیجسلیچر میں مسلم ممبران کی اکثریت کانگریس کے ساتھ نہیں ہے ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت سے تیار شدہ اکثریت سے کوئی وزارت ترتیب دی تو میں اُسی وقت کانگریس سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ جبتک مسلم اکثریت کے کسی صوبہ میں لیجسلیچر کے اندر مسلم ممبران کی اکثریت کانگریس کی حامی ہو جائے اُس وقت تک ناممکن ہے کہ کانگریس کولیشن وزارت مرتب کر سکے۔ چنانچہ مولانا آزاد کا یہ رنگ دیکھ کر گاندھی جی اور جواہر لال اور پورے ہائی کمانڈ کو ان کی حمایت کرنی پڑی اور تب یہ مسئلہ ختم ہوا۔

اور شاید یہ آپ کو خبر نہیں کہ قوم پرور مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ کانگریس میں بھی ہمیشہ بایاں بازو کہلاتا ہے اور کانگریس ہائی کمانڈ کے خلاف ہی اکثر نبرد آزما رہتا ہے۔

ہاں ان کا یہ قصور ضرور ہے کہ وہ ہندوؤں کے خلاف اس قسم کی آگ بھڑکانا مسلمانوں اور ملک دونوں کے لئے مضر' سخت مضر سمجھتے ہیں جس سے اجنبی اقتدار کے استحکام کو قوت پہنچے اور وہ اسکو اپنا آلہ کار بنائے۔ قوم پرور مسلمانوں کے سلم کاز کے تحفظ کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جبکہ نا سمجھی یا ذاتی اقتدار کی خاطر دانستگی سے پاکستان کا نام لیکر مسلمانوں کی سیاست کو اجنبی اقتدار کے ہاتھ میں کھلونا اور اسکا آلہ کار بنایا جا رہا ہے اس وقت بھی محض اسلئے کہ غلط یا صحیح جب مسلمانوں کی سب سے بڑی کمیونل جماعت 'مسلم لیگ' حق خود اختیاری کا مطالبہ کر کے تقسیم ہند کیلئے راہ ہموار کر رہی ہے تو ہم خواہ مسلمانوں میں جا کر اور جان کی بازی لگا کر پاکستان کی مضرات کو ظاہر کر کے اس اسکیم کو فیل کرا دیں لیکن کانگریس کو اس حق کے لئے جمہوری اصول پر اعلان کر دینا چاہئے۔ ہر قسم کی جدوجہد کر کے کانگریس سے اسکا اعلان کر دیا اور اسکی موافقت میں خان عبدالغفار خاں' مسٹر آصف علی' ڈاکٹر سید محمود' ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری' جیسے قوم پرور حضرات نے بیانات شائع کئے اور کاتب حروف نے اجلاس آل انڈیا کانگریس کمیٹی منعقدہ بمبئی ۴۲ء میں اس مضمون کا ریزولیوشن بھیجا جسکے متعلق صدر کانگریس نے آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں بحیثیت صدر یہ رولنگ دیا کہ کانگریس اس حق کا اعلان کر چکی ہے اور پھر کرتی ہے اور الٰہ آباد ریزولیوشن سے ہرگز اس قبول شدہ حق پر کوئی اثر نہیں پڑتا!

یہ تمام کارروائی ۱۹۴۲ء کے اُس اجلاس بمبئی میں ہو چکی تھی جسکے بعد اُن کی گرفتاری ۱۹۴۲ء کی عظیم الشان تحریک کا باعث بنی۔ اور کیا کسی معقول آدمی کے نزدیک کانگریس کا یہ اعلان ایسی جماعت کے لئے جو ملک کی آزادی کا واقعی درد رکھتی ہو سمجھوتہ اور مصالحت کے قدم کیلئے کافی نہیں تھا؟ اس پر بھی مسٹر جناح نے برطانیہ کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا اور مسٹر گاندھی اور کانگریسی مسلمانوں کو دُشنام شروع کردیا اور تین سال کی گرفتاریوں اور نظر بندیوں کے بعد جب رہائی ہوئی تو بھی مولانا آزاد اور قوم پرور مسلمان ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے لئے حق خود ارادیت کا اعلان دوبارہ کرادیا حتیٰ کہ صوبوں کی حکومتوں کیلئے مرکز سے علیحدگی کا حق بھی تسلیم کرا لیا گیا۔ لیکن ان تمام جدوجہد کے باوجود لیگی حضرات کے نزدیک کانگریس اور قوم پرور ہی گردن زدنی ہیں!!

یہی وہ امور ہیں جنکی بنا پر ہم یہ تسلیم کرنے کیلئے مجبور ہیں کہ مسلم لیگ اور قائد اعظم مسلمانوں کو کچھ دلانے میں تو "مجبور اور ہیچ" ہیں مگر کانگریس یا آزادی خواہ جماعتوں کی جدوجہد کو شکست دیکر اجنبی شہنشاہانہ اقتدار کے استحکام کیلئے ان کی آواز اور انکی خفگی بڑی حد تک موثر ثابت ہوتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔

عموماً پاکستان کے حامیوں کی جانب سے یہ سوال کیا جایا کرتا ہے کہ ہندوستان کی خارجی پالیسی میں اسکی کیا گارنٹی ہوگی کہ جنگ و صلح اور دیگر معاملات میں مسلمان حکومتوں کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے اتحاد اسلامی کا تحفظ رکھا جائیگا؟ سو اسکے متعلق بھی کانسٹی ٹیوشن بناتے وقت طے کیا جاسکتا ہے اور اس سے متعلق تفصیلات کو تسلیم کرایا جاسکتا ہے اور میرے خیال میں یہ مسئلہ ایسا پیچیدہ بھی نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ ہندوستان کی حکومت اس اصول پر قائم کیجائیگی کہ وہ استعمارانہ ہو اس میں خود کسی پر بھی جارحانہ حملہ نہیں کرے گی۔ ہاں اس سلسلہ میں اگر کوئی پیچیدگی پیش آسکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ دنیا کی مختلف حکومتوں کی باہمی جنگ میں اگر جمہوریت کی حمایت میں ہندوستان کو ایسی حکومت کا ساتھ دینا پڑے جس کے برعکس کوئی مسلمان حکومت کسی سرمایہ پرست' جمہوریت کے مخالف' یوروپین یا کسی ایشیائی حکومت کے ساتھ ہو تو اس صورت میں مسلمانانِ ہند کیا رویہ اختیار کریں گے؟ تو ظاہر ہے کہ جب ہم ہندوستان میں صاحب حکومت ہونگے تو جس طرح ہمارا فرض ہے کہ مسلمان حکومتوں کے ساتھ اتحاد کرنا ضروری سمجھیں اسی طرح اُس مسلمان حکومت کا بھی یہی فرض ہوگا اور اگر وہ خدانخواستہ اس فرض کو قصداً نظر انداز کردے تو مسلمانانِ ہند بھی مجبور ہونگے کہ اپنے ملک اور خود اپنی حفاظت کے لئے جو صورت مناسب سمجھیں اختیار کریں۔ جس طرح آج ترکی' ایران' افغانستان' عراق' شام' اور مصر میں ہو رہا ہے اور اگر یہ بات بھی دل میں کھٹکتی ہو تو ترکی اور دوسری مسلمان حکومتوں کے حالات کو پیش نظر رکھ کر اور جذبات سے الگ ہوکر بعینہٖ اسی پوزیشن کو اس حالت میں بھی سوچئے اور حل کیجئے کہ جب پاکستان کو اپنی حفاظت کے لئے کسی دوسری مسلمان حکومت کے خلاف جنگ آزما ہونا پڑ جائے اور جو حل آپ اس کے لئے تجویز فرمائیں وہی حل وحدت ہند کی صورت میں بھی اختیار کرنے کے لئے تجویز فرمائیں تو ہم قوم پرور مسلمان انشاء اللہ ہمنوا اور ساتھ رہیں گے۔

پاکستان کے حامیوں کی ایک عجیب و غریب دلیل یہ بھی ہوا کرتی ہے کہ اگر واقعی پاکستان مسلمانوں کے حق میں ایسی ہی غلط چیز ہے تو ہندو اسکے اتنے مخالف کیوں ہیں۔ لیکن ایسا کہنا سب سے بڑی سیاسی نادانی ہے یہ بات وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو قوموں کے سیاسی رجحانات سے ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو ہندو نیشنلسٹ اور یعنی قومیت کے صحیح معنوں میں قائل ہیں وہ تو خالص قومی یکجہتی کے اصول پر دیانتداری سے پاکستان کو ملک کیلئے مضر سمجھتے ہیں بلاشبہ اُنکے علاوہ جس قسم کے ہندوؤں کی جماعت پاکستان کے تصور پان اسلام ازم (عالمگیر اسلامی برادری) کا ہوّا دیکھتی ہے اس صورت کے متعلق مسلمان خود غور کریں کہ بحالاتِ حاضرہ جبکہ ہر ایک اسلامی ملک یورپ کے پنجۂ استعمار میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ ہوّا کہاں تک درست ہے۔ ان دو جماعتوں کے علاوہ ہندوؤں کی تیسری جماعت وہ ہے جو راجگوپال آچاریہ کی ہم آواز ہوکر یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح کانگریس تمام ہندوستان مسلمانوں کو دیدے تاکہ بقیہ پلے میں وہ من مانا راج کرسکیں۔ پھر

اس جماعت میں بھی دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو کہتا ہے کہ پاکستان کی مخالفت میں شور مچاؤ تاکہ مسلمان ضد میں آکر اور زیادہ شدت سے اس مطالبہ پر اڑ جائیں اور دوسرا وہ جو یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہندو مسلم اختلاف کی گتھی سلجھے تاکہ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں جو رکاوٹ آ گئی ہے وہ ختم ہو!!

صحیح طریق کار

آخر میں بصد خلوص پاکستانی اور لیگی حضرات کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ صحیح طریق کار وہ نہیں ہے جو مسلم لیگ کے قائد اعظم نے اختیار کر رکھا ہے بلکہ مسلم مفاد کے لئے سب سے بہتر طریق یہ ہے کہ تمام مسلم جماعتیں پارٹی بازی یا جماعتی برتری کے غیر اسلامی تصور سے بالاتر ہو کر ایک جگہ بیٹھیں اور پھر دیانت و سنجیدگی کے ساتھ تمام پیش کردہ مسلم اسکیموں پر غور کریں تاکہ سب مسلمان ایک نقطہ پر جمع ہو کر حقیقۃً پورے ایک مسلم مطالبہ، حکومت اور کانگریس کے سامنے پیش کر سکیں اور کسی جماعت اور کسی پارٹی کو اس سے اختلاف نہ ہو۔ چونکہ جمعیۃ العلماء ہند بار بار اس اقدام کے لئے مسلم لیگ کو خصوصیت کے ساتھ دعوت دے چکی ہے اس لئے اب مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرنے کا اعلان کرے ورنہ ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ حالت کا نتیجہ محض یہ ہے کہ صرف حکومت اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اور خدا جانے کب تک اٹھاتی رہے گی! وہ کبھی پاکستانی حضرات کو طفل تسلی دیتی رہیگی اور کبھی کانگریس کو سراہنے لگے گی اگر میری اس گذارش کو نیک خواہی پر محمول کر کے اس صحیح طریق کار کو اختیار کر لیا جائے تو اگرچہ آج ہندوستان کو ڈومی نین اسٹیٹس (درجۂ نوآبادیات) سے زیادہ نہ ملے، مگر اسکے بعد وہ وقت بھی جلد ہی آجائے گا جب تھوڑی سی جد و جہد سے ہمارا یہ ملک آزادی کامل کی منزل تک بھی پہونچ جائے گا۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

پاکستان

از ـــــــــ مولانا سید طفیل احمد صاحب (منگلوری)

تاریخی پس منظر

ناظرین کرام واقف ہیں کہ ۱۹۱۶ء کے میثاق ملی کی رو سے جو کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مسٹر جناح کی صدارت میں مرتب ہوا صوبہ جات پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد ان کی آبادی کی نسبت سے بہت کم کر دی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت، اقلیت میں تبدیل ہو گئی۔ اس نقصان کا اثر اہل پنجاب کے قلوب پر بہت تھا۔ اس کی تلافی کے لئے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ایک تدبیر نکالی اور اس کا تذکرہ الٰہ آباد کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں اپنے خطبۂ صدارت میں کیا۔ اس میں علامہ موصوف نے فرمایا تھا

"میری تمنا ہے کہ پنجاب شمالی مغربی سرحدی صوبہ سندھ۔ بلوچستان کو ملا کر ایک سلطنت کے قیام کی کوشش کی جائے۔ حکومت خود اختیاری خواہ سلطنت برطانیہ کے اندر رہ کر لے یا اس سے باہر ہندی مسلمانوں کے لئے مذکورہ بالا متحدہ سلطنت کی تعمیر مسلمانوں کا مقصد اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی کے سامنے بھی پیش کیا گیا انھوں نے اسے اس بنا پر رد کر دیا کہ اس پر عمل کرنے سے ایک ناقابل انتظام سلطنت ظہور پذیر ہو گی۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں تک رقبہ کا تعلق ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کی بعض موجودہ صوبوں سے کمتر ہو گی۔ لیکن اگر انبالہ ڈویژن اور بعض دیگر غیر اسلامی اضلاع کو الگ کر دیا جائے تو اس کی وسعت بھی کم ہو جائے گی اور مسلم آبادی کا عنصر اور بھی بڑھ جائے گا اور اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کو مزید موثر سیاسی مراعات دینے کا موقع بھی میسر ہو گا۔"

اس اسکیم کی رو سے مسلمانوں کے نفع کے ساتھ ہندوؤں کا بھی ایک نفع یہ تھا کہ پنجاب میں سے انبالہ ڈویژن نکل کر صوبہ متحدہ میں آجانے سے ان کی تعداد ستر فی صدی سے بڑھ کر اسّی فی صدی تک پہونچ جاتی۔ اور عجب نہیں کہ اس تقسیم پر راضی ہو جاتے۔ مگر اس وقت چونکہ حکومت کے پیش نظر

اپنا نفع نہ تھا اس لئے مشترکہ کمیٹی نے علامہ اقبال کی اس تجویز کو رد کر دیا۔ مگر اتفاق سے دو سال کے اندر بعض اصحاب کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مذہبی اختلافات پیدا کرنے کے لئے کوئی نیا شگوفہ چھوڑا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ گول میز کانفرنس میں ہندوستان کی مرکزی حکومت کے لئے آل انڈیا فیڈریشن طے ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت وزیر ہند کے دفتر کی سرپرستی میں "پاکستان" کی اسکیم کیمبرج یونیورسٹی کے ایک طالبعلم چودھری رحمت علی کے نام سے پبلک کے سامنے آئی۔ اور ہزاروں روپیہ کے خرچ سے اس کی اشاعت انگلستان اور ہندوستان میں کی گئی۔ چودھری صاحب موصوف نے اس بات پر زور دیا کہ متحدہ ہندوستان مسلمانوں کے مذہب و تمدن کی بربادی کا موجب ہوگا اس لئے مذہب کے اعتبار سے ہندوستان کے دو ٹکڑے کر دئے جائیں۔ کاش مسلمانوں کی اس تجویز ملک کا نام اسلامستان ہوتا۔ وہ غیر قوموں کو زیادہ برہم کرنے والا نہ ہوتا۔ مگر پاکستان کے لفظ نے تو بقیہ ہندوستان کو ناپاکستان بنا کر دونوں قوموں کے درمیان ایک مزید مخاصمت کا بیج بو دیا۔

ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ ۱۹۰۵ء میں بنگالیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو لانے کی ضرورت ہوئی تو خود لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے اسلامی صوبہ بنانے کا احسان ان پر رکھ کر بنگال کو تقسیم کیا۔ اور مسٹر آرچبولڈ پرنسپل علی گڑھ کالج نے وائسرائے کے سامنے پیش ہونے والے وفد کے لئے بقول خود "پردہ کے پیچھے رکھ کر" عرضداشت کا مضمون بنایا تھا اور یورپ کے طریق انتخاب کو مانگنے سے منع کیا تھا۔ اب ۱۹۳۳ء میں پس پردہ کوئی صاحب رہے ہوں۔ مگر ہندوستان کو مذہب کے اعتبار سے تقسیم کرنے کی اسکیم ایک مسلمان طالبعلم کے ذریعہ سے آئی۔ مگر غنیمت ہے کہ اس وقت اس منصوبہ کی تبلیغ و اشاعت صرف چودھری رحمت علی تک محدود رہی اور مسلمانوں کی کسی سیاسی جماعت نے اسے لبیک نہیں کہا۔ جس کی وجہ سے چودھری صاحب نے مسلمانوں کے کسی لیڈر کو ملامت سے نہیں چھوڑا۔ اس زمانہ میں انھیں مسلم لیگ اور ان کے پریسیڈنٹ مسٹر جناح سے بڑی شکایت تھی کہ وہ ہندوؤں سے مل کر اتحاد عمل کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ جس قسم کا اتحاد عمل کانگریس کے ساتھ کرتی رہی وہ تو عیاں ہے اس لئے کہ کوئی موقع ایسا نہ ہوا تھا کہ کانگریس کے ساتھ سمجھوتہ کر کے ملک کو آزاد کرا لیا جا رہا تھا۔ کوئی ایسی صورت نکالی جاتی جس سے مسلم عوام کا نفع ہوتا اس سے تو ہمیشہ گریز کیا گیا البتہ اوپر کے طبقہ کے لوگوں کے نفع کا کام ہوتا تو فوراً کانگریس سے کیا بلکہ ہندوؤں تک سے پورا اتحاد عمل کر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں صوبجاتی کونسلوں کے الیکشنوں میں مسلم لیگ کے امیدواروں نے کانگریس کے ہندوؤں سے خوب خوب امدادیں لیں البتہ وزارتوں کی تقسیم پر اختلاف ہوا تو ان ہی اصحاب نے زمین آسمان کو ایک کر دیا۔ اور ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے اجلاسوں میں کانگریس کے خلاف اپنے غصہ کا اظہار کیا۔

پاکستان بطور کوہ گران کے

یہ بدیہی امر ہے کہ ۱۸۵۷ء سے لیکر اب تک جب انگریزوں کے ہاتھوں سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں اختیارات منتقل ہونے کا مطالبہ کیا جاتا تو ہر موقع پر رجعت پسند مسلمان آڑے آئے اور نت نئے مطالبات پیش کر کے حکام وقت کی امداد کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ ان مطالبات کی تعداد سترہ تک پہونچا دی گئی تھی جن میں سے اتنے زیادہ مطالبات منظور ہو چکے تھے کہ ان پر زور دینے کا موقع باقی نہ رہا تھا۔ کانگریس کے ساتھ ۱۹۳۷ء کی بدمزگی کے وقت کچھ مطالبات کے ترکش میں کوئی بہتر تیر باقی نہ رہا تو بالآخر مسٹر جناح نے بھی چودھری رحمت علی کے مجوزہ پاکستان کا مطالبہ اختیار کر کے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ لاہور میں پاس کر دیا اور اس طرح آزادی ہند کی راہ میں "سنگِ گراں" نہیں بلکہ شل "کوہِ گراں" کے لا ڈالا۔ اس ریزولیوشن کا خلاصہ یہ ہے۔

"مسلمانوں کے نزدیک کوئی آئین قابل منظور نہ ہوگا جب تک کہ مسلمانوں کے لئے شمال مغرب اور شمال و مشرق میں ایسے خطے نہ بنادیے جائیں جن میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔ وہ خطے کامل آزاد ہوں گے۔ اور جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہوں گے وہاں ان کا مذہب کلچر سیاست اور دیگر حقوق بذریعہ قوانین محفوظ کیے جائیں گے۔"

یہی وہ اہم ریزولیوشن ہے جس کا نام پاکستانی اسکیم رکھا گیا اور غیر مسلموں کی طرف سے اس کی بے حد مخالفت ہوئی۔ اور وہ ان کی چڑ بن گئی۔ مخالفت زیادہ تر اس وجہ سے ہوئی کہ اول تو ہندو مسلم لیڈروں میں پہلے ہی رنجش ہو چکی تھی اس کے بعد اکثریت کے صوبے بنانے کی تجویز کو پاکستان کا نام دے کر اسے ایک خوفناک شکل میں پیش کیا گیا۔ ورنہ گذشتہ ۴۰ سال کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ مسلمان لیڈروں کو اس پر اصرار تھا کہ ان کی اکثریت کے کوئی صوبے بنائے جائیں اور نہ غیر مسلموں کی طرف سے ایسے صوبے بنائے جانے کی مخالفت تھی۔

پاکستانی علاقے مسلم اقلیت کے صوبے کس طرح ہیں

کون نہیں جانتا کہ پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی آبادی پچپن اور ترپن فیصدی ہے۔ اگر ۱۹۱۶ء میں آبادی کی نسبت سے سیٹیں لے لی جائیں تو اس وقت پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے غلبہ کو پچیس سال ہو چکے ہوتے۔ مگر ان دونوں کے نمائندے مسلمان لیڈروں نے مسلم اقلیت کے صوبوں والے مسلمانوں کے ظاہری اور جزوی نفع کی خاطر اپنے ممبروں کی تعداد گھٹا کر پنجاب میں پچاس اور بنگال میں چالیس فیصدی کرالی۔ جس سے مسلم اقلیت کے صوبوں کو اس سے زیادہ نفع نہ پہونچا کہ ان کے ممبروں کی تعداد کچھ بڑھ گئی۔ اگرچہ وہ بالکل بے اثر اور بے سود ثابت ہوئی۔

مختصر یہ کہ اس وقت مسٹر جناح کی سرکردگی میں بنے ہوئے دو پاکستانی صوبے مسلم اقلیت کے صوبے بنادیے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان کبھی اپنی اکثریت کی ایسی وزارتیں نہ بنا سکے جیسی کہ غیر مسلموں نے صوبہ متحدہ بہار وغیرہ میں بنائیں اور بے دخل مسلم عوام پر حکومت کی۔

پھر اس کے بارہ برس بعد ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کنونشن کے اجلاس کے موقعہ پر ایسی صورت پیش آگئی تھی کہ باہمی سمجھوتہ سے بنگال اور پنجاب میں کوشش کی جاتی تو مسلمان اٹھاون اور ساٹھ فیصدی تک حکومت میں حصہ دار ہو جاتے۔ مگر اس صورت سے بھی گریز کیا گیا اور مسٹر جناح نے فرمایا کہ ہم پنجاب و بنگال کو زیادہ نشستیں دے کر انھیں زیادہ امیر بنانا نہیں چاہتے۔ اس کے چار سال بعد وزیر ہند کے فیصلہ نے پنجاب کی نمائندگی کو پچاس سے انچاس فیصدی پر گرا کر اسے اور زیادہ غریب کر دیا اور دونوں مسلم اکثریت کے صوبے مستقل قانون اقلیت میں آگئے۔ اب حالت یہ ہے کہ پنجاب کے مسلمان وزیراعظم سکھوں اور ہندوؤں کو خوش رکھے بغیر اور بنگال کے مسلمان وزیراعظم پربین۔ اینگلو انڈین اور ہندو ممبران سے متحد ہوئے بغیر اپنی وزارتیں قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور ان صوبوں میں خالص مسلم لیگ کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

غرضیکہ دو بار پاکستانی اسکیم کو ٹھکرا کر بارہ برس بعد پاکستان بنانے کا خیال مسٹر جناح کو صرف اس وقت آیا جبکہ ہندو احباب سے باتوں باتوں میں شکر رنجی ہو گئی اور تب یہ نسخہ تجویز کیا گیا کہ غیر ملکی حکومت کے ذریعہ سے اکثریت کے چند مجتمع بناکر ان میں آزاد اسلامی حکومت قائم کردی جائے۔ اس کے سال بھر بعد مارچ ۱۹۴۱ء میں مسلم طلباء کے فیڈریشن کے اجلاس کانپور میں موصوف نے فرمایا۔

"وہ اکثریت والے سات کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لئے دو کروڑ مسلمانوں کی شہادت کی آخری رسم ادا کرنے کو تیار ہیں سات کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر دو کروڑ مسلمانوں کو کچل جانے دو۔"

۱۹۰۶ء سے اسوقت تک مسلمانوں کی تمام تر سیاست اس امر پر مبنی رہی ہے کہ مسلم اقلیت کو غیر مسلموں کی دست درازیوں سے کس طرح بچایا جائے

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اُصول دفعتاً کس بنا پر پلٹ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ گذشتہ ۲۵ سال میں جداگانہ انتخاب کی وجہ سے مسلم اقلیت خوب پسی جاتی رہی۔ برخلاف اس کے ممبروں کے درمیان مخلوط انتخاب کی وجہ سے مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف صوبوں میں حکومت کرتا رہا اور اطمینان سے زندگی بسر کرتا رہا۔ اب ہندو دوستوں سے بگاڑ ہو جانے پر جب یہ ذہن میں آیا کہ اپنی خالص حکومت قائم کی جاوے تو اس کے حصول کے لئے اسی مظلوم طبقہ کو نثار کرنا تجویز کیا گیا۔ جو پہلے سے سسک رہا تھا۔ بقول شخصے۔ مرے کو ماریں شاہ مدار۔ تاہم ہماری طرف سے عرض ہے۔

"سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے"

پاکستان کی نوعیت

لاہور مسلم لیگ سنہ ۱۹۴۰ء کے ریزولیوشن کا دوسرا حصہ یہ ہے "پاکستان کے خطے حکمرانی کرنے میں آزاد ہوں گے۔

اور قرار پایا تھا کہ:۔

"مجلس عاملہ ایک ایسی اسکیم بنائے گی جس میں ملکی حفاظت، اُمور خارجہ، رسل و رسائل، محصولات، اور دیگر ضروری اُمور کی تفصیلات ہوں گی۔ سالہا سال گزر جانے پر بھی کوئی اسکیم مسلم لیگ کی طرف سے شائع نہیں ہوئی البتہ ریزولیوشن مذکورہ کی روشنی میں متعدد اصحاب نے مختلف اسکیمیں مرتب کی ہیں، ان میں سے ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب پروفیسر اور ڈاکٹر افضال حسین صاحب قادری لکچرار یونیورسٹی علی گڑھ کی اسکیم زیادہ واضح ہے جو مندرجہ ذیل نقشہ کے اعداد سے آسانی سے ذہن میں آسکتی ہے:۔

	خطے	مسلم آبادی فیصدی	ہندو آبادی فیصدی
پاک	(۱) پاکستان (جس میں صوبہ سرحدی، سندھ، بلوچستان، پنجاب اور ریاستیں شامل ہیں)	۶۰	۴۰
	(۲) بنگال	۵۷	۴۳
ہند	(۱) ہندوستان (جس میں صوبہ متحدہ، بہار، اڑیسہ، بمبئی، مدراس، سی پی، وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ شامل ہیں)	۱۰	۹۰
	(۲) دہلی	۲۸	۷۲
	(۳) مالابار	۲۷	۷۳
	حیدرآباد (جس کو جداگانہ خطہ قرار دیا ہے)	۷	۹۳

اس نقشہ میں مسلم خطوں میں ہندو اقلیت کی آبادی ۴۰، اور ۴۳ فیصدی دکھائی گئی ہے جبکہ ہندو مُسلّم طور پر زیادہ تعلیمیافتہ اور دولتمند ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان پر ساٹھ۶۰ اور ستاون۵۷ فی صدی مسلم آبادی کا پورا تسلط کس طرح ہو سکے گا اور وہاں خالص اسلامی حکومت کس طرح قائم ہو سکے گی۔ برخلاف اس کے کہ ہندو خطوں میں نوّے۔ تہتر۔ بہتر فی صدی ہندوؤں کے مقابلہ میں دس۔ ستائیس۲۷۔ اٹھائیس۲۸ فی صدی مسلمان ہیں جو علم و دولت

کے اعتبار سے نہایت کمزور ہیں۔ مسلم ضلعوں کی آبادی پانچ کروڑ اڑتیس لاکھ ہے۔ جن کے لئے اسلامی حکومت ملنے کا منصوبہ ہے۔ ہم ان توقعات کا خلوص دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ باقی رہے مسلم اقلیت کے صوبوں کے دو کروڑ اسّی لاکھ مسلمان جو مسلم اکثریت کے صوبوں کے مسلمانوں سے نصف سے کچھ ہی زیادہ ہیں اُن کی حفاظت کے لئے مذکورہ بالا اسکیم میں تجویز کیا گیا ہے کہ اگر ہندو مسلمانوں کو ستائیں گے تو انھیں ترک وطن کرکے پاکستان اور بنگال میں جاکر آباد ہونے کا اختیار ہوگا۔ اور خود اقلیت کے صوبوں میں کوشش کی جائے گی کہ دیہات کی چھوٹی آبادیوں میں سے اُنھیں اُٹھا کر ان کی یکجائی بڑی آبادیاں بسائی جاویں۔ ان کے مذہب، کلچر اور تمدن کو قوانین کے ذریعہ سے محفوظ کیا جاوے اور اگر اُنھیں ہندو اکثریت تنگ کرے گی تو اس کے بدلے میں پاکستان میں ہندوؤں کو دبایا جاوے گا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا پنجاب اور بنگال میں ۳۰، اور ۴۲ فیصدی دولت مند اور تعلیم یافتہ ہندو جواب بھی وہاں کی یونیورسٹیوں اور بڑے عہدوں کارخانوں اور منڈیوں پر قابض ہیں، اتنے ہی دبائے جاسکیں گے جتنے کہ ہندو ہندوستان میں۔ نوّے فی صدی غیر مسلم دس فی صدی مسلمانوں کو اور صوبہ دہلی وغیرہ میں ۲، فی صدی ہندو ۲۸ فی صدی مسلمانوں کو دبا سکیں گے۔

ظاہر ہے کہ ٹرکی سے لیکر افغانستان تک اور ایران سے لیکر مصر تک کتنے اسلامی ممالک ہیں اُن میں مسلم آبادی اگر ۹۹ فی صدی نہیں تو کم از کم ۹۵ فیصدی ضرور ہے اور خطہ عرب میں جو مسلمانوں کا مقدس مذہبی مرکز ہے وہاں تو یقینی طور پر مسلمانوں کی آبادی سَو فی صدی ہے کیونکہ وہاں غیر مسلم جا بھی نہیں سکتا۔ تعجب ہے کہ ان ممالک کو یا حجاز کو تو "پاکستان" کا لقب تیرہ سو برس کے زمانے میں نصیب نہ ہوا۔ یہ صرف ہندی مسلمانوں کو ہی فخر حاصل ہوا ہے کہ ان کے ۵۰ اور ۶۰ فی صدی والے صوبے عیسائی انگریزوں کی مہربانی سے "پاکستان" بنائے جانے والے ہیں۔ العجب ثم العجب۔

مجوزہ پاکستان کا اقتصادی پہلو

تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کے حصہ میں جو رقبہ جات آئیں گے ان کی اقتصادی حالت پر نظر ڈالنا سب سے زیادہ ضروری ہے اس بارہ میں نہایت پُر از معلومات مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں دکھایا گیا ہے کہ مجوزہ پاکستان کے صوبوں کی آمدنی اس قدر کم ہے کہ بلا امداد مرکزی حکومت کے اس کے انتظامی اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ صوبہ سندھ کو حکومت ہند سے ایک کروڑ پانچ لاکھ اور صوبہ سرحد کو ایک کروڑ روپیہ سالانہ ملتا ہے تب کہیں ان کا کام چلتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صوبہ جات زیادہ تر زراعتی ہیں اور چونکہ وہاں کوئلہ اور لوہے کی کانیں نہیں ہیں اس لئے وہاں صنعتی ترقی نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملک کو بیرونی حملوں سے بچانے کے لئے اس وقت فوج پر حکومت کو ۳۰، ۳۵ کرور روپیہ سالانہ صرف کرنا پڑتا ہے اور پاکستانی علاقہ کی شرقی سرحد جو ہندوؤں کی طرف ہوگی۔ اس کا طول چودہ سو میل کے قریب لمبا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے غریب پاکستان کے پاس روپیہ کہاں سے آئیگا۔

مگر ہمارے نزدیک یہ اعتراضات زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ جب پاکستان کی باگ ہمارے ہاتھ میں ہوگی تو ہم اس کے انتظامات پر کم از کم خرچ کریں گے اور اپنی حیثیت سے زیادہ امیرانہ ٹھاٹھ نہ رکھیں گے اور اپنی بساط کے موافق فوج رکھیں گے خواہ جنگ کے وقت اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ دراصل ہمارے نزدیک جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی دولت پیدا کرنے اور اسے صرف کرنے میں مسلمانوں کا کیا حصہ ہوگا۔ شخصی حکومت کے زمانہ میں تو حکمراں خواہ کیسا ہی مفلس اور نادار کیوں نہ ہو مگر اپنی قوت کے بل بوتے پر رعایا سے ٹیکس وصول کرکے اسے اپنی مرضی کے مطابق صرف کرسکتا ہے برخلاف اس کے جمہوریت کا اُصول یہ ہے کہ ٹیکس دینے والے لوگ ہی یہ تجویز کرتے ہیں کہ روپیہ کس طرح صرف کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ پاکستانی علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد ۶۰ فی صدی ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ ان ۶۰ فی صدی کی مالی حالت کیسی ہوگی اگر مالی اعتبار سے بھی مسلمانوں کا غلبہ ہوسکا تب تو وہ صحیح معنوں میں ملک پر حکمراں ہوسکیں گے۔ برخلاف اس کے اگر ملک کے سرمایہ میں اور صنعت وحرفت

و تجارت میں وہ پسماندہ ہوں گے اور ان چیزوں پر صوبوں کے سرمایہ داروں کا قبضہ ہوگا تو کیا اس حالت میں وہ صحیح معنوں میں پاکستان پر حکمرانی کر سکیں گے۔ اس بارہ میں مسلمانوں کی آئندہ حالت کا اندازہ ان کی موجودہ بدحالی سے کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا ہے افسوس ——— یہ ہے کہ گزشتہ مردم شماری کی رپورٹیں بوجہ کاغذ ——— کی قلت کے گورنمنٹ نے نہایت مختصر چھاپی ہیں اور ان میں مختلف پیشوں کے متعلق اعداد و شمار نہیں دیے گئے ہیں۔ البتہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے اعداد ہمارے سامنے ہیں ان پر نظر ڈالنے سے صوبہ پنجاب میں ہندو اور مسلمانوں کی نسبتی مالی حالت معلوم ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ پنجاب کے مسلمان نہ صرف صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں سے بلکہ تمام دیگر صوبوں کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ خوشحال ہیں۔ باوجود اس کے ان کی مالی حالت دیگر اقوام پنجاب کے مقابلہ میں قابل ملاحظہ ہے۔ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوگا کہ مختلف پیشوں میں محنت کرنے اور تکلیف اُٹھانے کے کام تو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں اور اُن کی محنت سے نفع اُٹھانے کے کام غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہیں۔ مثلاً یہ کہ:—

(۱) مسلمان تیلیوں یعنی تیل نکالنے والوں کی تعداد دیگر اقوام سے اٹھاون گونہ ہے مگر تیل بیچ کر اُس سے زیادہ نفع اُٹھانے والوں کی تعداد دیگر اقوام سے تہائی سے بھی کم ہے۔

(۲) کپڑا بُننے کے پیشہ میں مسلمان دو گنے ہیں مگر اُس کی تجارت میں نصف ہیں۔

(۳) لوہار یعنی ہتوڑا بجانے والے مسلمان دیگر اقوام سے دو گنے زیادہ ہیں مگر لوہے کی تجارت سے نفع اُٹھانے میں آٹھویں حصے سے بھی کم ہیں۔

(۴) نشہ آور چیزیں تیار کرنا اور بیچنا دونوں شرعاً ممنوع ہیں لیکن اُنھیں تیار کرنے والے مسلمان دوسروں سے چار گونہ ہیں مگر ان کی تجارت میں مسلمان ایک ثلث ہیں۔ ان اعداد میں سوڈا لیمنڈ کی تیاری اور تجارت بھی شامل ہے۔

(۵) اسی طرح عام صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے بقدر چار لاکھ سے زیادہ ہے مگر تجارت میں ایک ثلث سے بھی کم ہیں۔

(۶) مسلمانوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بالعموم اعلیٰ تجارت میں کم اور ادنیٰ میں زیادہ ہیں۔ مثلاً جواہرات اور زیور کی تجارت میں مسلمان دیگر اقوام کے مقابلہ میں نصف سے کم ہیں اور انگریزی دوا فروشی میں، رنگ، روغن، پٹرول وغیرہ کی تجارت میں ایک ثلث سے کم ہیں۔ مگر چیتھڑوں کی تجارت میں جو ایک ادنیٰ کام ہے دیگر اقوام سے پانچ گونہ ہیں۔

(نوٹ) مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہے کہ مال تیار کرنے میں مسلمان زیادہ ہیں جس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مال کو خوب نفع سے بیچتے ہوں گے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ وہ بالعموم اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ غیر مسلم سرمایہ داروں سے سامان اور روپیہ اُدھار لاکر اپنا کام کریں جو گراں ملتا ہے اور اس پر سود دیتے ہیں اور اُنھیں کے ہاتھ اپنا تیار کیا ہوا مال فروخت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اُس وقت یہ مہاجن اونے پونے دام لگا کر مال رکھوا لیتا ہے اور آئندہ کام چلانے اور کھانے پینے کے لئے غریب کاریگر پھر اُس سے قرض لاتے ہیں اور مدت العمر قرضداری کے دائرہ میں مثل کولہو کے بیل کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔

(۷) انہیں مسلمان غریب کاریگروں اور دوکانداروں کے خون سے دیگر اقوام میں مہاجنوں ساہوکاروں اور کوٹھی والوں کی جماعت مرتب ہوگئی ہے جن کے ہاتھوں میں تمام صوبہ کی تجارت ہے۔ پنجاب میں یہ لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں بارہ گنا ہیں اس طرح اس پیشہ میں مسلمان صرف بارھواں حصہ ہیں۔ اور یہ نسبت اس وقت ہے جبکہ اس تعداد میں دلال بھی شامل ہیں جو دوکانداروں کو ساہوکاروں سے قرض دلاتے ہیں۔ اگر مسلمان دلالوں کی تعداد خارج کردی جائے تو مسلمان اس مد میں بہ منزلہ نفی کے ہوں گے۔

(۸) مردم شماری کی رپورٹ میں کاریگروں اور کارخانہ داروں کی تعداد ذاتوں کے اعتبار سے بھی دی گئی ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں میں شیخوں کی اور ہندوؤں میں کھتریوں کی تعداد زیادہ ہے اس لئے ان پیشوں میں دونوں کی نسبتی تعداد کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جو یہ ہے۔

ذات	مردم شماری	کاریگر	مالکان کارخانہ	مہتمان کارخانہ
کھتری	۲۶۳۰۰۰	۳۰۹۶	۳۰۱	۳۲۹
شیخ	۲۵۷۰۰۰	۶۲۲۴	۵۵	۶۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ شیخ تعداد میں کھتریوں سے کم ہیں تاہم کاریگروں میں اُن سے دوگنے ہیں۔ مگر کارخانوں کے مالک اور مہتمم ہونے میں پانچویں حصہ سے بھی کم ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سرمایہ ان کے پاس نہیں اور جب تک کہ سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ ہو وہ ہزار کوشش کریں محنت کرتے کرتے ختم ہو جائیں، تجارت و صنعت کا صرف چھلکا ان کے پلے پڑے گا اور گودا سرمایہ دار قوموں کے ہاتھوں میں جاتا رہے گا۔

یہ حالات تو پنجاب کے ہیں جہاں مسلمان خوش حال سمجھے جاتے ہیں۔ باقی رہے صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان وہاں تو نوے فیصدی مہاجنوں اور سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ نام نہاد پاکستان میں حقیقی غلبہ اور قبضہ کن لوگوں کا ہوگا۔ وہ اس لئے کہ انفرادی طور پر غیر مسلم سرمایہ داروں کا ہر شعبۂ زندگی میں قبضہ رہے گا۔ جب ملک کی ترقی کے لئے کانیں کھودنے نہریں نکالنے اور نفع عامہ کے کام جاری کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوگی تو انہیں غیر مسلم سرمایہ داروں سے رجوع کیا جائے گا اگر رجوع نہ بھی کیا جائیگا۔ تو اسمبلیوں اور کونسلوں میں کون سی قوت ایسی ہوگی جو ان سرمایہ داروں کو اپنے کارخانے، ملیں، فیکٹریاں قائم کرنے اور غریب مسلم کاریگروں کو اپنی غلامی میں رکھنے سے روک سکیں گی۔

مسٹر جناح نے حال میں جو بیان دیا ہے اس میں تحریر ہے کہ :۔

"پاکستان کی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلزم کے اُصول پر قوم کے قبضہ میں دیدیے جائیں گے۔ پاکستان کی آمدنی مساوی ٹیکس عائد کرکے وصول کی جائے گی۔"

مگر سوال یہ ہے کہ جبکہ غیر مسلم سرمایہ داروں کا غلبہ ہے تو سوشلزم کا نفاذ کر دینا کیا کوئی آسان کام ہوگا۔ مثلاً صوبہ پنجاب میں غیر مسلم

چوالیس۴۴ فیصدی کے قریب ہیں جن میں زیادہ تر سرمایہ دار ہیں۔ اُسی کے ساتھ مسلمانوں میں بھی ابھی سوشلزم کی طرف میلان نہیں بلکہ عام طور پر مخالفت ہے۔ تو پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ پاکستان کی اسمبلیوں میں سوشلزم کا قانون آسانی سے پاس ہو جائے گا۔

اب رہا بنگال کا پاکستان وہاں اول تو مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے صرف بقدر چار فیصدی کے بڑھی ہوئی ہے اس کے علاوہ وہاں اول تو مسلمان بالعموم حد درجہ غریب ہیں۔ اس کے علاوہ بنگال میں نہ صرف ہندو سرمایہ داروں کا غلبہ ہے بلکہ ان سے زیادہ انگریز سرمایہ دار اپنے عظیم الشان کارخانوں کی وجہ سے وہاں کی صنعت و تجارت پر غالب ہیں۔ اور یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ فاقہ مست مسلمان سرمایہ داری کو توڑ کر وہاں سوشلزم جاری کر سکیں گے ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

باقی رہے اقلیت کے صوبوں کے مسلمان اُن کی نسبت تو مسٹر جناح نے پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ ان کی قربانی کی رسم وہ خود اپنے دست مبارک سے ادا کریں۔ اس لئے اُن کا تو ذکر کرنا بھی بیکار ہے۔

پاکستان اور جمہوریت

مسٹر جناح نے حال ہی میں ایک بیان دیا ہے اس سے پاکستان کی حمایت کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے جو حسب ذیل ہے:-

"پاکستان آئین زبردستی نافذ نہیں کیا جائے گا بلکہ اُسے جمہور کی مرضی کے مطابق قائم کیا جائے گا پاکستان کی ہندو اقلیتوں کو مطمئن رہنا چاہیے کہ اُن کے حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ میں اس ایک جماعت مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کروں گا۔ جو تنہا طاقت اور اقتدار حاصل کرنا چاہے گی۔ میں اس عقیدہ کا قائل نہیں ہوں کہ پاکستان میں ایک جماعت (مسلم پارلیمنٹری جماعت) یا پارٹی کی حکومت ہو۔"

(الف) پاکستان میں شمالی مغربی سرحدی صوبہ بلوچستان۔ صوبہ سندھ۔ صوبہ پنجاب۔ شمالی مغربی ہندوستان میں اور مشرقی سمت میں پاکستان دوسرا حصہ بنگال اور آسام پر مشتمل ہوگا۔

(ب) پاکستان ایک جمہوریت ہوگا اور وہ جداگانہ علاقوں پر مشتمل ہوگا۔ اس کی آبادی دس کروڑ مسلمانوں اور غیر مسلموں پر مشتمل ہوگی۔ یہ دو علاقوں پر مشتمل ایک بلاک ہوگا ہر صوبے صرحاضرہ کے فیڈرل دستور کے مطابق خودمختار ہوں گے۔ پاکستان کی تمام ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی آبادی ایک قوم کے اُصول پر ترقی حاصل کریں گے۔ ان اُمور پر غور کرنے کے لئے مسلم لیگ کی ایک کمیٹی کام کر رہی ہے۔

(ج) پاکستان میں آمدنی کے ذرائع اتنے ہوں گے کہ وہ آسانی سے ایک بڑی طاقت بن سکے گا۔ پاکستان کی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلزم کے اُصول پر نئی حکومت کے قبضہ میں دیدیئے جائیں گے۔ پاکستان کی آمدنی مساوی ٹیکس عائد کر کے وصول کی جائے گی۔

(د) ہندوؤں کے خلاف کسی قسم کی معاشرتی پابندی یا رکاوٹ نہ ہوگی بلکہ ہندوؤں کے ساتھ انسانی مساوات اور اخوت کے اُصول پر کام کیا جائے گا۔ اُنھیں مسلمانوں کے برابر درجہ دیا جائے گا اور مسلمانوں کا بھائی سمجھا جائے گا۔ پاکستان میں ایک پارٹی (مسلمانوں) کا تنہا اقتدار اور حکومت نہیں ہوگی بلکہ پوزیشن (ہندوؤں) کی جماعت ان کی اصلاح کے لئے موجود رہیگی اور مفید ہوگی۔ اُنھیں محسوس کرا دیا جائے گا کہ حکومت میں ان کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور ان کی نمائندگی موجود ہے اور ان کے حقوق محفوظ ہیں۔

پاکستان بطور اسلامی صوبہ کے

پاکستان کے نام میں مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ کشش اس بنا پر تھی کہ وہاں اسلامی اور مذہبی قانون کا نفاذ ہوگا۔ اسلامی حکومت کا جزو اعظم یہ ہے کہ وہاں غیر مسلموں کی حیثیت ذمیوں کی ہو اور وہاں شریعت کیمطابق قوانین پاس ہوکر نافذ ہوں۔ اول تو شریعت کے قوانین بنانے میں خود مسلمانوں کے مختلف مذہبی فرقوں میں بدیہی اختلافات ہوں گے اور ان اختلافات سے فائدہ اٹھانے والے لازمی طور پر دیگر اقوام کے ممبران اسمبلی ہوسکیں گے جنھیں ووٹ دینے کا پورا حق

اسلامی اور مذہبی قانون کا نفاذ ہوگا۔ اسلامی حکومت کا جزو اعظم یہ ہے کہ وہاں غیر
مسلموں کی حیثیت ذمیوں کی ہو اور وہاں شریعت کیمطابق قوانین پاس ہوکر نافذ ہوں۔ اول تو شریعت کے قوانین بنانے میں خود مسلمانوں کے مختلف مذہبی فرقوں
میں بدیہی اختلافات ہوں گے اور ان اختلافات سے فائدہ اٹھانے والے لازمی طور پر دیگر اقوام کے ممبران اسمبلی ہوسکیں گے جنھیں ووٹ دینے کا پورا حق
ہوگا۔ ان اختلافات کی صورت میں ظاہر ہے کہ بعض صورتوں میں دیگر اقوام کے ووٹ فیصلہ کن ہوں گے پس جب تک کہ دیگر اقوام سے مذہبی امور میں ووٹ دینے کا حق سلب نہ کرلیا جائے کا تب تک سمجھ میں نہیں آتا کہ پینتیس یا ساٹھ فی صدی مسلم ممبر حقیقی معنوں میں شرعی قانون کس طرح بنا سکیں گے

آبادیوں کا تبادلہ

کہا جاتا ہے کہ اس بات کا موقع دیا جائے گا کہ ہندو ہندوستان اور مسلم پاکستان کے درمیان آبادیوں کا تبادلہ ہوجائے یعنی یہ کہ ہندو ہندوستان سے جو مسلمان چاہیں گے انھیں پاکستان میں جاکر آباد ہونے کا موقع دیا جائے گا اور ان کی جائدادوں کا معاوضہ حکومت کیطرف سے دیا جائے گا۔ اسی طرح پاکستان سے ہندوؤں کو منتقل ہونے کا موقع دیا جائے گا۔ اس طریقہ میں بھی غالباً مسلمان ہی گھاٹے میں رہیں گے کیونکہ اس وقت پاکستان میں حتی کہ سرحدی اضلاع میں جہاں مسلمان نوے سے لیکر ننانوے فی صدی ہیں وہاں کی آبادیوں میں تنہا ایک ہندو یا سکھ مہاجن بن کر اطمینان کے ساتھ رہ کر روپیہ کا لین دین کرتا ہے اور خونخوار گر غریب مسلمانوں کے خون سے لکھ پتی بنا ہوا ہے اسے کیا ضرورت لاحق ہوگی کہ وہ بلا وجہ اپنی آسامیوں کو اور اپنی چراگاہوں کو چھوڑ کر اور اپنی جائدادیں بیچ کر دوسرے صوبے میں جائے۔ برخلاف اس کے اگر خدانخواستہ غریب مسلمانوں کو اپنا صوبہ چھوڑنا پڑا تو ان کا وہی انجام ہوگا جو ۱۹۲۰ء کی ہجرت میں ہوا تھا حالانکہ اگر اب بھی بدقسمتی سے ایک صوبہ کا مسلمان دوسرے صوبہ میں نوکری کے یا کسی اور سلسلہ میں جا رہتا ہے تو مشہور یہی ہے کہ غیر زبان ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگ اپنے صوبہ کے ہندو باشندوں کو جو ان کی زبان میں گفتگو کرتا ہے اس مسلمان پر ترجیح دیتے ہیں اور اسے غیر ملکی کہتے ہیں یہ کہ تبدیل آبادی کے طریقہ میں بھی غریب مسلمان ہی ٹوٹے میں رہیں گے۔

پاکستان مرکزی حکومت کے نقطۂ نظر سے

مسٹر جناح کے مندرجہ بالا بیان سے قبل پاکستان کے متعلق لوگ طرح طرح کے قیاسات کررہے تھے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کے پاکستان بن جانے سے نہ معلوم کتنے بے شمار فوائد حاصل ہوجائیں گے۔ مگر اس بیان نے تو اس امر کو بالکل صاف کردیا کہ جس طرح چالیس پینتالیس فی صدی غیر مسلم ملک کی قانون سازی میں اور ملک کے انتظامات میں اس وقت شامل ہیں بجنسہ اسی طرح پاکستان میں بھی شریک کار رہیں گے اور جبکہ کامل جمہوری حکومت ہوگی تو کیبنٹ یا اکزیکٹو کونسل میں بھی ان کی شرکت آبادی کی نسبت سے ہوگی۔ اب مرکزی حکومت کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے جس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

مسلم لیگ کا اصرار یہ ہے کہ پاکستان کا تعلق ہندوستان کی مرکزی حکومت سے قطعاً نہ ہو اور صرف پاکستانی علاقوں کا ایک مرکز ہو۔ ایسا پاکستان انگریز اور ہندو دونوں مان لیں گے۔ اور دونوں پاکستانوں کی مرکزی حکومت یکجائی ہوگی۔ یہ امر کہ وہ کس قسم کی حکومت ہوگی اس بابتہ خود مسٹر جناح نے اپنے ایک بیان میں تسلیم کیا ہے کہ سردست پاکستان کی حیثیت مصر کی مانند ہوگی جہاں انگریزوں کا فوجی تسلط ہے۔

اپنے کندھوں سے اُتار کر پھینک دیں گے۔ مگر ہندوستان کی موجودہ دیسی ریاستوں کے رئیسوں کو دیکھا جائے تو وہ ایک حد تک خود مختار ہیں۔ اپنا بجٹ بناتے ہیں اپنی فوجیں رکھتے ہیں اور ہندوستان کے موجودہ صوبوں کے ہندوستانی وزیروں سے جو انگریز گورنروں کے تحت میں کام کرتے ہیں کہیں زیادہ طاقت رکھتے ہیں باوجود اس کے اگر ان ریاستوں نے باہمی سمجھوتہ کرکے اور فوج کشی کرکے انگریزوں کی حکومت سے اپنی گلو خلاصی نہیں کی ہے تو یہ کس طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ مسلم پاکستان اور ہندو ہندوستان کے لوگ مل کر انگریزوں کا جوا اپنے کندھوں سے اُتار سکیں گے۔ اور خاص کر ایسی صورت میں جبکہ دونوں کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر کوئی متحدہ مطالبہ کرنے کے امکانات کہیں کم ہو جائیں گے۔ اب تو تمام ہندوستان کے صوبوں کے ہر قوم کے نمائندے سرکاری خرچ سے آکر مرکزی اسمبلی میں متحدہ مطالبے کرتے ہیں جس کی ہمدردی تمام دنیا کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ اس پاکستانی اسکیم کو جس نظر سے بھی دیکھا جاتا ہے وہ اسی قسم کی اسکیم معلوم ہوتی ہے جیسی کہ بنگالیوں کی شورش کے وقت لارڈ کرزن نے کھڑی کی تھی اور "اسلامی صوبہ" بنانے کے نام سے مسلمانوں کو اپنے ساتھ کرکے ہندوؤں کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا تھا۔ پھر جب اس کی ضرورت نہ رہی اور ہندوؤں کی طرف سے زیادہ دباؤ پڑ گیا تو تقسیم بنگالہ کو منسوخ کرکے اسلامی صوبہ کا خاتمہ کر دیا اور مسلم لیڈران اس کے صدمہ سے مبہوت ہو گئے حتی کہ نواب سلیم اللہ صاحب نواب ڈھاکہ سیاسی زندگی سے دست بردار ہو کر چند ماہ بعد انتقال کر گئے اور یہ صدمہ اپنے ساتھ لے گئے کہ غریب مسلمانوں کی ہندوؤں سے عداوت بھی ہو گئی اور اسلامی صوبہ بنا بنایا توڑ دیا گیا اور نواب وقار الملک بہادر جو چند سال قبل طلبا کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ اپنے کو مثل ایک انگریزی فوج کے سمجھ کر سلطنت برطانیہ کے استحکام کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیا کرو۔ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:۔

"گورنمنٹ کی یہ پالیسی بمنزلہ ایک توپ خانہ کے تھی جو مسلمانوں کی مردہ لاشوں پر سے گزر گیا بدوں اس احساس کے کہ ان غریب لاشوں میں سے کسی میں کچھ جان بھی ہے اور ان کو اس سے کوئی تکلیف ہوگی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کے ذریعہ مسلمانوں کی علیحدگی سے ملک کی تحریک آزادی میں کمزوری آئے گی اور اُسے نسبت سے ہندو ہندوستان کو بھی انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے میں دیر لگے گی۔ مگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اب بھی اُن کی تحریک نے کافی قوت پکڑ لی ہے۔ بوجہ تعلیم یافتہ اور دولت مند ہونے کے اس وقت اُن کا پروپگنڈہ امریکہ، یورپ اور تمام دنیا میں ہو رہا ہے۔ ملک کی اقتصادی حالت بہتر کرنے کے لئے اُن کے پاس اپنا روپیہ موجود ہے اور وہ سلطنت برطانیہ کو چھوڑ کر بے تعلق ممالک سے بےشمار روپیہ لا کر ہندو ہندوستان کو ترقی دے سکتے ہیں اسی کے ساتھ ان کا پیچھا مسلمانوں کی رجعت پسند جماعت سے چھوٹ جائے گا جو پورے ساٹھ سال سے آزادی کی گاڑی میں بریک کا کام دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں مدبرین اور دوربین لوگ مثل راجہ گوپال اچاریہ کے مسلمانوں کے پاکستان کے حامی بن گئے اور دوسرے ہندو لیڈر بھی ان کے پیچھے پیچھے ہیں غالباً وہ سمجھ گئے ہیں کہ مسلمانوں کی علیحدگی کے بعد وہ بلا خلل و غش آزادی کی طرف سرعت کے ساتھ قدم بڑھا سکیں گے ان حالات میں اگر حکومت وقت نے مصلحت سمجھی اور مسلمانوں کو منہ مانگا پاکستان مل گیا تو ظاہر ہے کہ اُس کی یہ حالت ہوگی کہ سب سے اول تو غیر مسلم سرمایہ دار اُن پر مسلط ہوں گے۔ اندرونی ترقی کے لئے وہ دوسرے کے دست نگر ہوں گے۔ پاکستان سے باہر اُن کی آواز کمزور ہوگی' اور انگریزی حکومت کا پیچ اور زیادہ کسا جا کر پاکستان کی حیثیت دیسی ریاستوں سے زیادہ بہتر نہ ہوگی۔ جن کے حکمراں انگریزی فوجوں کی نگرانی اور سرپرستی میں بظاہر عیش کر رہے ہیں مگر حقیقت میں ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جس کو آزادی کی زندگی نہیں کہا جا سکتا۔

پاکستان کے بارے میں ہز ہائینس سر آغا خاں اور مسٹر جناح کی ہمخیالی ۔ جو بیان ہز ہائینس سر آغا خاں نے

بمبئی میں دیا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وہ پاکستان کے بارے میں مسٹر جناح کے نظریہ سے متفق ہیں۔ مسٹر جناح نے مجوزہ پاکستانی حکومت کو مصری حکومت سے تشبیہ دی تھی اور ہز ہائینس نے اسے فلسطین اور سیلون اور برہما سے تشبیہ دی ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہو گیا کہ ہندوستان کی بے چینی سے پریشان ہو کر سلطنت برطانیہ کے بعض بہی خواہوں نے ۱۹۱۳ء سے پاکستان کا جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر سامنے آرہی ہے۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے مسٹر بیوڈن ڈسٹرکٹ جج میرٹھ کے ایک خط کا حوالہ اپنی تقریروں میں دیا ہے جس میں جج صاحب موصوف نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ آئندہ ہندوستان میں انگریزوں کو ملازمتیں نہ ملیں گی۔ اس لئے شمالی ہند اور بنگال کے دو منطقے مسلمانوں کے لئے علٰحدہ کر کے کراچی اور کلکتہ کی بندرگاہوں کو مضبوط کیا جائے اور اپنی تجارت کو مستحکم کیا جائے پھر اسی اسکیم کو اگلے سال کیمبرج کے ایک طالب علم چودھری رحمت علی ـــ نے اس کی اشاعت و تبلیغ کی۔ بالآخر مسٹر جناح نے اسے ۱۹۴۰ء سے اختیار کیا اور اس عذر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ اس سے عوام مسلمان مطمئن ہو گئے گویا کہ اب حکومت برطانیہ کی عین خوش نصیبی کا وقت آگیا کہ مسلم لیڈروں اور مسلم قوم کی خواہش پر انگریزی ملوکیت پر ہندوستان کا ایک ثلث حصہ براہ راست حکومت کے لئے اسی طرح ملنے والا ہے جس طرح چند سال ہوئے رنگون ملا ہے۔

بعض لوگ مجوزہ پاکستان کے فوجی اخراجات کی نسبت پوچھتے ہیں کہ علاوہ موجودہ سات کروڑ سالانہ کے سرحدی اخراجات کے آیا ہندو ہندوستان کی جانب موجودہ سوسیل کی سرحد پر اسی طرح مزید ساٹھ کروڑ صرف نہ ہوں گے، مگر جبکہ مصر اور رنگون کی حفاظت کے اخراجات حکومت برطانیہ اپنے تجارتی مفادات کے لئے برداشت کر رہی ہے تو اسے پاکستان کی حفاظت پر خرچ کرنے میں کیا تامل ہوگا۔

۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کا وفد وائسرائے ہند کے سامنے پیش کرا کر اُن سے فرقہ وارانہ طریق انتخاب ملنے کی استدعا کرنے میں متعدد انگریزوں کا حصہ تھا ان میں سب سے اوّل کرنل ڈنلاپ اسمتھ پرائیویٹ سکریٹری وائسرائے تھے جنہوں نے مسلمانوں کی عرضداشت کا مضمون بنایا تھا اس کے بعد مسٹر آرچبولڈ پرنسپل علی گڑھ کالج تھے جنہوں نے کرنیل اسمتھ کا مجوزہ مضمون نواب محسن الملک کو بذریعہ ایک چٹھی کے بنایا تھا۔ اس کے بعد ہز ہائینس سر آغا خاں کا نمبر ہے جنہوں نے وائسرائے کے سامنے عرضداشت پیش کی۔ اور سب سے آخر میں لارڈ منٹو وائسرائے جنہوں نے مسلمانوں کے سر چپے ہوئے مطالبہ کو تسلیم کر کے اُسے وزیر ہند سے منظور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور یہاں تک کہا کہ انگلستان سے سات ہزار میل دور ہم انگریزوں کی حفاظت بجز فرقہ وارانہ انتخاب کے اور کس طرح ہو سکتی ہے۔ جب یہ مطالبہ منظور ہو گیا تو انگلستان میں خوشیاں منائی گئیں کہ اب ہندوستان میں ایک قوم نہ رہے گی بلکہ دو قومیں ہوں گی جو آپس میں لڑتی رہیں گی۔ آج چالیس سال بعد یہ صرف ہز ہائینس سر آغا خاں کو عزت حاصل ہے کہ مندرجہ بالا اصحاب میں سے صرف وہی اس سیاسی میدان میں موجود ہو کر اپنی سعی و عمل کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں اور فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کی طرف سے "ہندوستان چھوڑنے" کا مطالبہ کیا جا رہا ہے ہز ہائینس کی بدولت کچھ مسلمانوں کی طرف سے یہ اصرار کیا جا رہا ہے کہ حضور والا یہاں سے تشریف نہ لے جائیں بلکہ ہمیں ہندوؤں کی دست برد سے بچانے کے لئے مستقل طور پر ایک ثلث ہندوستان پر قابض رہیں۔

پاکستان بننے کے بعد کی حالت

ناظرین کرام واقف ہیں کہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے سمجھوتہ کی رو سے مختلف صوبوں کی کونسلوں اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی میں جو کمی بیشی کی گئی تھی وہ حسب ذیل تھی :-

نام صوبہ	مسلمانوں کی فی صدی آبادی	کونسل میں مسلمان ممبروں کی فیصدی تعداد	آبادی کی نسبت سے مسلمانوں کی کمی یا بیشی
پنجاب	۵۵	۵۰	۵-
بنگال	۵۳	۴۰	۱۳-
بمبئی	۳۰	۳۳	۱۳+
صوبہ متحدہ	۱۴	۳۰	۱۶+
بہار	۱۰	۲۹	۱۹+
مدراس	۷	۱۵	۸+
صوبہ متوسط	۴	۱۵	۱۱+

اس نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سمجھوتہ کی رو سے اکثریت کے دو صوبوں پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نمائندگی بقدر ۵ اور ۱۳ کے گھٹادی گئی تھی اور پاکستان ہونے پر وہ بڑھا کر مسلم آبادی کے مطابق ۵۵ اور ۵۳ فی صدی کردی جائے گی۔ اسی کے ساتھ مسلم اقلیت کے پانچ صوبوں میں مسلم ممبروں کی نمائندگی گھٹا کر آبادی کی رو سے خانہ نمبر ۳ کے مطابق کردی جائے گی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تبدیلی سے پنجاب اور بنگال میں تو مسلمانوں کی برائے نام اکثریت ہوگی۔ مگر مسلم اقلیت کے صوبوں میں بعض جگہ صرف نصف کے قریب مسلم نمائندگی باقی رہ جائے گی اور جب اسی نسبت سے مسلم ملازمان میں کمی کی جائے گی تو اُن کی تباہی اور بربادی کس درجہ پر پہونچے گی۔ کاش مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی قربانی سے مسلم اکثریت کے صوبوں کو معتد بہ فائدہ پہونچ جاتا تو انھیں کچھ تو صبر آتا۔

پاکستان کی نفسیات

از ۔۔۔۔ قاضی عبدالغفار حیدرآباد دکن

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہمارا ہندوستان تمام دنیا سے علیحدہ ایک عجیب ملک ہے جس کے تمام مسائل اور جس کی اجتماعی زندگی کے تمام اصول ساری دنیا سے الگ ہیں۔ اور اس لئے جدید دنیا کے حالات ہمیں کوئی سبق دے نہیں سکتے۔

جنگ عظیم کے ختم ہو جانے کے بعد (کیا وہ واقعی ختم ہو گئی ؟) دنیا بھر کی محکوم اقوام اپنی آزادی کے لئے جس جد وجہد میں معروف ہیں۔ اس سے ہم گویا کوئی سبق حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ پاکستان کی جنگ جیتنے سے پہلے دوسرے ممالک میں آزادی کی تحریکوں پر نظر کرنا بھی ہمارے لئے غیر ضروری سمجھا گیا ہے!

پاکستان کے متعلق اس قدر لکھا جا چکا ہے۔ موافق بھی اور مخالف بھی۔ کہ جب مجھ سے کسی مضمون کے لکھنے کی فرمائش کی جاتی ہے تو میں سوچنے لگتا ہوں کہ آخر اب نئی بات کونسی ہے۔ کون سا نیا پہلو ہے اس مسئلہ کا۔ جس کے متعلق کچھ لکھا جا سکے۔ عالمی حالات کے پس منظر میں پاکستان کے مسئلہ کا تجزیہ کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی ملک کی قومی آزادی کی تحریک سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنی جگہ انتہا ہے! اور اس لئے اس کے تصورات کی بنیاد کو آزادی کی تحریکوں میں تلاش کرنے کے بجائے غلامی کی فطرت میں تلاش کرنا پڑے گا۔

آئیے ان چند ایشیائی ممالک کے حالات پر نظر دوڑائیں جہاں تحریک آزادی حکومتوں کے قدیم استبداد سے ٹکرا رہی ہے۔ ہندی پاکستان کے لیڈروں کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ وہ ملک کے آزادی کے حامی ہیں۔ لیکن وہ پاکستان کے حق کو تسلیم کرا لینے کے بعد ہی تحریک آزادی میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ انھیں اندیشہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت ان کی ملت کو ہضم کر جائے گی۔ اس تخیل کی کوئی مثال ایشیا کے کسی ملک کی موجودہ جد وجہد میں نہیں ملتی آئیے ان تمام ممالک کے حالات کا تجزیہ کریں جو اس وقت اپنی آزادی کے لئے سرگرم ہیں۔

پہلے مصر کو لیجئے جس کے حالات ایک طویل عرصہ تک برطانوی "دخل" کی وجہ سے کم وبیش ہندوستانی ریاستوں کے مماثل ہو گئے تھے۔ مصر کی آبادی حسب ذیل ہے۔

مسلمان ایک کروڑ ۴۰ لاکھ

یہودی ایک لاکھ

خانہ بدوش (۳۰) ہزار

عیسائی ۱۲½ لاکھ

شام اور لبنان میں جو ۱۹۱۴ء کی جنگ سے اس وقت تک اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں آبادی کے اعداد حسب ذیل ہیں:۔

مسلمان (۱۵) لاکھ ۱۵ ہزار

دروز (۸۰) ہزار

شیعہ (۲) لاکھ ہزار

اسمٰعیلی (۳۵) ہزار

عیسائی (۵) لاکھ

یہودی (۱۶) ہزار

فلسطین میں جہاں اب "یہودیوں کا قومی وطن" [illegible] کے آزادی [illegible] کر رہا ہے [illegible] کشمکش جاری ہے آبادی کا تناسب حسب ذیل ہے:۔

مسلمان (۷½) لاکھ

عیسائی (۱½) لاکھ

یہودی (۲) لاکھ

ملایا میں مختلف فرقوں کی آبادی کے اعداد حسب ذیل ہیں:۔

ملائی (۹) لاکھ

چینی (۱۷) لاکھ

عیسائی (۱½) لاکھ

آگے بڑھئے تو [illegible] انڈونیشیا اور [illegible] میں آزادی کی جو جدوجہد جاری ہے اس میں مختلف مذاہب کے لوگوں کی آبادی کا تناسب حسب ذیل ہے:۔

عیسائی (۲) لاکھ

مسلمان (۷) کروڑ

چینی (۵) لاکھ

دیگر ایشیائی (۶½) لاکھ

ہندوستان کی سرحد سے زیادہ قریب ایران میں بھی آذربائیجان کی "بغاوت" ہم پر یہ حقیقت منکشف کرتی ہے کہ آزادی کا سوال مذہب نسل اور فرقے کے سوال پر حاوی ہے۔ ان ممالک میں سے کسی میں بھی آزادی کا مسئلہ کسی اقلیت کے تحفظات کا پابند نہیں کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہی دنیا کے واقعات ہیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ آزادی کی جس تحریک میں فرقوں کے تحفظات کا مسئلہ خود آزادی کے سوال پر حاوی ہو جائے اس تحریک کو

آزادی کی تحریک بھنا ہی ایک خطرناک مغالطہ ہے۔

ہندوستان کا دوسرا ہمسایہ چین ہے جس نے تمام دوسرے ایشیائی ممالک سے زیادہ آزادی کے لئے قربانیاں گوارا کی ہیں۔ اسکی آبادی کے تخمینی اعداد حسب ذیل ہیں:-

مسلمان (۳) کروڑ

عیسائی (۳۰) لاکھ

دیگر چینی مذاہب (۴۰) کروڑ

ان تمام ممالک کی قومی تحریکات میں فرقہ واری تحفظات کا سوال آزادی کے اجتماعی مطالبہ کا ماتحت رہا ہے۔ کہیں بھی۔ نہ تو فلسطین میں، نہ مصر میں نہ شام میں، نہ چین میں، نہ انڈونیشیا میں۔ آزادی کی قومی تحریک میں ہم کسی اقلیت کی جداگانہ وحدت کے سوال کو خارج اور حائل نہیں پاتے۔ یہ نہیں کہ اقلیت کا سوال ان میں سے بعض ممالک میں موجود نہ ہو۔ موجود ہے۔ لیکن وہ آزادی کی عام تحریک پر کہیں بھی حاوی نہیں ہے بلکہ آزادی طلب جماعتیں ہر ملک میں سب سے پہلے آزادی کے سوال پر متفق و متحد ہیں اور اس کے بعد وہ اپنے داخلی مسائل کو طے کرنے کے وسائل پر غور کر رہی ہیں۔

لیکن ہندوستان کی حالت اس کے برعکس ہے۔ یہاں اقلیت کا سوال آزادی کے مسئلہ پر حاوی ہے جس کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ دراصل آزادی کی کوئی متحدہ اور متفقہ تحریک موجود ہی نہیں ہوئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے اور اس کے کیا اسباب ہیں کہ فرقہ داری سوال آزادی کے سوال سے بہت آگے بڑھ گیا ہے؟ فرقہ واری اور جماعتی تعصبات سے قطع نظر کر کے اس سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ فرقہ داری اور جماعتی تعصبات اور بدگمانیوں کی شورش میں کسی ایسے سوال کا صحیح جواب نہیں مل سکتا۔

اگر ہندوستان کی گزشتہ (۱½) سو برس کی تاریخ اور اس زمانہ میں ہندوستان کی زیردستی کے اسباب و نتائج کی گہرائی پر نظر کی جائے تو ہم ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کے دو دادوار میں ان کی نفسیات کے انحطاط کا پتہ پاتے ہیں۔

پہلا دور ۱۸۵۷ء تک ختم ہوا۔ جب مسلمان بہت بلندی سے گر رہے تھے۔ اس لئے زیادہ مجروح ہو گئے تھے اور ایک ذہنی انتشار میں مبتلا تھے۔ ان کے غدر اور سخ کے ایک اضطراری ہنگامہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ تھا۔ جس نے ایک غیر منظم فساد کی صورت اختیار کی اور بالآخر ناکام رہا۔ دوسرا دور ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں نے مایوسی کی حالت میں غیر مسلم قوموں کو سیاسی حالت میں بیدار ہوتے دیکھا۔ اس سیاسی بیداری سے وہ کیوں بدگمان ہوئے؟ یہ ایک بڑا سوال ہے۔ لیکن اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جب مسلمان انتہائی انحطاط کی حالت میں بیدست و پا ہو چکے تھے تو برطانوی حکمت عملی نے ۱۸۵۷ء کا سبق حاصل کرنے کے بعد ایسے حالات پیدا کرنے ضروری سمجھے کہ پھر کبھی کسی قومی وحدت کا احساس اس ملک کی مختلف اقوام میں پیدا ہونے نہ پائے۔ دانستہ یا نادانستہ سرسید سب سے پہلے اس حکمت عملی کا آلۂ کار بنے اور مسلمانوں میں جو احساس کمتری پیدا ہو چکا تھا اس کی انھوں نے نمایندگی کی۔ اس کے بعد قدم قدم بڑھتے آئے مسلمانوں میں مخالف قومیت احساسات کی تاریخ کا ہر باب یہ حقیقت منکشف کرے گا کہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی ایک لحہ بھی اس فرقہ واری علیحدگی کے احساس کو تقویت دینے سے غافل نہیں رہی۔ علی گڑھ کی تحریک میں جو اس زمانہ کی سب سے بڑی "اسلامی" تحریک تھی۔ یہ عنصر نمایاں رہا اور اس منافرت کو تقویت دینے کے لئے مختلف سمتوں میں حکومت کی حکمت عملی ہر وقت مصروف رہی۔ صوبجات متحدہ میں اردو ہندی کا قضیہ جو مسٹر انتونی میکڈانلڈ کے نام سے منسوب ہے اس زنجیر کی ایک کڑی تھی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کی بنیاد میں بھی یہی عناصر شریک تھے۔ لارڈ منٹو کی خدمت میں مسلمانوں کو ایک وفد کی حاضری اور جداگانہ حقوق کا مطالبہ بھی اس حکمت عملی کا ایک نشان راہ ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل پاکستان کے تصورات نے اس مسلک کی گود میں (۱۰۰) برس

تک مسلسل نشوونما پائی اور اس لئے اب یہ "پاکستان" جو ایک پہاڑ کی طرح آزادی کی راہ میں حائل ہے، دو تین سال کا بچہ نہیں ہے بلکہ ۵۰ سال کا بوڑھا ہے، جو برطانوی حکمت عملی کی اولاد ہے اور جس کی رگوں میں اس حکمت عملی کا خون گردش کر رہا ہے۔ جذبات کی شدت میں حقایق سے نظر انداز ہو جایا کرتے ہیں۔ اور اس لئے بہت ممکن ہے کہ پاکستان کی تحریک کے بہت سے سادہ دل حامی اس تحریک کی حقیقت کو تسلیم ہی نہ کرتے ہوں۔ لیکن محض انکار کر دینے سے شجرۂ نسب بدل تو نہیں جاتا!

مسلم لیگ کی طرح کانگرس بھی اس حکمت عملی کا شکار ہوئی۔ پہلی دفعہ ہندوؤں نے اس کا دھوکہ کھایا۔ جب اردو ہندی کے سوال پر ایک گورنر کو ہندی زبان کی تائید کرتے ہوئے دیکھ کر وہ خوش ہوئے۔ اور سب سے بڑا دھوکہ انھوں نے اس وقت کھایا جب کانگرس نے قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے تحت صوبوں میں صوبوں میں کانگریسی حکومت قائم کرنے کی تجویز کو قبول کیا۔ بدنصیبی یا خوش نصیبی سے میں ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے اس نقلی "اصلاحات" کے کھلونے کو ایک خطرناک کھلونا سمجھا۔ برطانوی حکمت عملی نے صوبوں کی حکومت کے گھوڑوں پر کانگرس کو سوار کر کے اس بساط پر ایک بہت بڑی چال چلی۔ جب تک یہ کانگریسی حکومتیں اپنی گدیوں پر بیٹھی رہیں بڑے بڑے برطانوی "وائی ہارڈ" بھی ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے۔ یہ علامت تھی اس بات کی کہ ان کی حکمت عملی نے ایک بہت بڑی منزل طے کر لی! چنانچہ اپنی اس کوشش کا پھل بھی انھوں نے حاصل کیا۔ یعنی جب بعض صوبوں کے کانگریسی حکومتوں میں مہا سبھائی ذہنیت رکھنے والوں کو اقتدارات حاصل ہوئے اور انھوں نے حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر ان اقتدارات کو غلط استعمال کیا تو مسلمان فرقہ پرستوں کو فرقہ پرستی کے جذبات کو مشتعل کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ اور بالآخر برطانوی حکمت عملی کا وہ بچہ جو عرصہ تک اپنے پالنے میں پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مارہا تھا اور کبھی کبھی دودھ کی بوتل کے لئے رو دیا اور شور مچایا کرتا رہا۔ ۱۹۴۲ء میں ایک پہلوان بنکر اپنے گہوارہ سے باہر نکل آیا۔ مسٹر جناح نے جو قومی تحریک کے ایسے رہنماؤں کے زمانہ میں جیسے کہ محمد علی، انصاری، اور اجمل خاں تھے۔ قومی زندگی میں اپنے لئے کوئی نمایاں جگہ نہ پیدا کر سکتے تھے اور منتظر تھے کہ کسی دلفریب "نعرہ" کے ساتھ آگے بڑھیں۔ پاکستان کا جھنڈا بلند کر دیا اور برطانوی حکومت کی اسی حکمت عملی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا جس کے وہ کانگرس کے پلیٹ فارم پر بہت عرصہ تک مخالف رہ چکے تھے۔ مسٹر جناح کی ذہانت اور سیاسی تدبر کی کامیابی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ عین وقت پر انھوں نے محض کانگریسی وزارتوں کی غلطی سے فائدہ اٹھایا۔ اور پاکستان کے نام سے ایک ایسا مضبوط محاذ قائم کر لیا جس پر انکی قوت اب کانگرس اور حکومت کی جنگ میں ایک فیصلہ کن عنصر بن گئی ہے۔

کانگرس نے پاکستانی تحریک کی قوت کے مقابلہ میں عاجز آکر اب ایک حد تک اقلیتوں کا حق خود اختیاری قبول کر لیا ہے لیکن مسٹر جناح اپنی قوت کے بھروسہ پر ایسے مطالبات کو سو فیصدی قبول کرائے بغیر کانگرس کی قومی تحریک اور ملک کی تحریک آزادی کے قریب آنا نہیں چاہتے۔ ایک ہوشمند لیڈر کی حیثیت سے وہ کانگرس کی کمزوریوں کو اپنا سرمایہ بنا کر بہت سخت سودا کر رہے ہیں۔ اپنی قوت کا احساس انہیں یہ بتا رہا ہے کہ بس یہی موقع ہے کہ ہندو اکثریت سے زیادہ سے زیادہ مطالبات قبول کرائے جائیں۔ لیکن قوت کے اس احساس میں جو کمزوری مجھے نظر آتی ہے وہ وہی ہے جس کی وجہ سے کانگرس نے بھی اپنی وزارتوں کے زمانہ میں اپنے اقتدارات کو صحیح طریقہ پر استعمال نہ کیا تھا اور پاکستان تصورات کے لئے ایک سازگار فضا پیدا کر دی تھی۔ قوت کا یہ خمار جس طرح ایک دفعہ کانگرس کو مغالطہ میں ڈال چکا ہے اسی طرح وہ اب لیگ کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر رہا ہے۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ مسٹر جناح نے کانگرس اور ایک غیر ملکی حکومت کے درمیان تو لیگ کو فیصلہ کن عنصر بنا دیا۔ لیکن ہندوستان کی آزادی کے سوال کا فیصلہ کلیتہً غیر ملکی اقتدار کے حوالہ کر دیا۔ جو ظاہر ہے کہ بالکل یہی صورت پسند کرتا ہے! اس فرقہ وارانہ داروگیر میں لیگ اگر کانگرس کو عاجز بھی کر دے تو برطانوی اقتدار کو عاجز نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ لیگ کے قدیم روایات اور موجودہ ہیئت ترکیبی میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس بات کا یقین دلا دے کہ کانگرس سے سمجھوتہ نہ ہونے کی صورت میں

سی وہ آزادی کے کسی محاذ پر ساوی جدوجہد کر سکے گی۔ لیگی تعمیر میں کوئی ایسا عنصر موجود ہی نہیں۔ ایک بت قابل قانون داں اور ہوش مند وکیل اپنے موکل کا مقدمہ لڑ رہا ہے مگر جس عدالت کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہے وہ عدالت آزادی کے مقدمہ میں خود ایک فریق ہے! لیگ کے روایات میں قانونی بحث کے آگے جدوجہد کی کسی منزل کا تخیل موجود نہیں۔ گزشتہ تحریک خلافت کے جو دو چار کارکن اب لیگ کے لیڈروں کی صفوں میں نظر آتے ہیں وہ سب ایسے لوگ ہیں جنکی انکار میں سیاسی جدوجہد کے ساتھ قربانیوں کا کوئی تخیل نہ پہلے موجود تھا اور نہ اب ہے۔ اس لئے پاکستان کی تحریک ایک اندھی گلی میں آگے جانے والی ہے۔ جہاں اس کی منزل ختم ہو جائے گی! لیگ کے پاکستانی تخیل تسلیم کر لینے کے بعد مجھے یہ کہنا ہے کہ اس اندھی گلی میں لیگ کو کوئی راستہ نہیں مل سکتا البتہ اگر ملک کی آزادی کی تحریک کو کوئی کھلا ہوا راستہ لیگ کو مل سکتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ کانگریس سے حق خود اختیاری کا اصول تسلیم کرا لینے کے بعد وہ فوراً قومی جدوجہد کے محاذ پر آجائے ورنہ لیگ کے مخالفوں کا یہ گمان قوت حاصل کریگا کہ لیگی مطمع نظر میں ملک کے اجتماعی مفادات کی کوئی گنجائش باقی نہیں بلکہ وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ اپنا پاکستان لیکر الگ ہو جائے اور باقی ملک کو آزادی کی جدوجہد میں تنہا چھوڑ دے۔ لیکن کیا کوئی لیگ کا ایک صاحب فہم لیڈر بھی اس بات کا یقین کر سکتا ہے کہ کسی ایسی تقسیم کے بعد ہندوستان کی آزادی کا کوئی سوال باقی رہے گا اور کیا پاکستان برطانوی سامراج کی محض ایک ماتحت ریاست بن کر نہ رہ جائیگا۔ اور اگر بفرض محال پاکستان نے اپنی آزادی کے لئے برطانوی اقتدار کا مقابلہ بھی کیا تو کانگریس کی ہمدردی اور حمایت سے محروم ہو کر وہ کامیاب کیونکر ہو سکے گا! حقیقت یہ ہے کہ میں تو اب اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ اگر لیگ کی موجودہ ہیئت ترکیبی میں آزادی کا کوئی جذبہ کارفرما ہے تو اس کو حق خود اختیاری کا یقین حاصل کر کے قومی جدوجہد میں فوراً شریک ہو جانا چاہئے۔ اس کے تدبر کا صرف یہی ایک ایسا ثبوت قابل اعتماد ہو سکتا ہے ورنہ یہ حقیقت بالکل عریاں ہو جائیگی کہ لیگ کو جب تک وہ سو فیصدی پاکستان حاصل نہ کرلے ملک کی آزادی کی کوئی فکر نہیں ہے اور اس کا مسلک یہ ہے کہ اگر پورا پورا پاکستان نہ ملے تو ہندوستان کا غلامی اور زیر دستی کی ہی حالت میں رہنا اُسے گوارا ہے۔ یہ ذہنیت وہ ذہنیت ہے جس کو اردو کی ایک مثل میں اس طرح نو... کیا گیا ہے۔

تو کو نہ مو کو! لے چولہے میں جھونکو!!

یعنی دو بھائی اگر ... مکان کی تقسیم میں اپنے اپنے حصے سے مطمئن نہیں ہوتے تو ان میں سے ایک پورے مکان کو آگ لگا کر جلا دینے پر آمادہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے پاکستان کی موجودہ جدوجہد کا، جس نے جہاد اور مجاہدہ کی صورت اختیار کر لی ہے اور جس کی کشاکش کفر و اسلام کی کشمکش قرار دی جا رہی ہے۔

غبارِ خاطر

"الہلال" اور "البلاغ" کے مضامین کی سحر آفرینی اُردو خواں طبقے میں محتاجِ تعارف نہیں۔ "غبارِ خاطر" اسی قلم کے معجزات کا جدید ترین مرقع ہے۔ یہ صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جو آپ نے اگست ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک کی نظربندی کے ایام میں احمد نگر کے قلعہ میں لکھی اور جس کا موصوف کے رہا ہونے کے بعد سے اب تک بے تابی سے انتظار کیا جا رہا تھا شائع ہو گئی ہے کتاب اپنی ظاہری حسن کے لحاظ سے دیدہ زیب ہے۔ "غبارِ خاطر" میں ہندوستان کی ناگفتہ بہ حالت اور پیچیدہ سیاسی گتھیوں کا حل ہے آج ہی پوسٹ کارڈ لکھ کر کتاب طلب فرمائیے مبادا دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے۔

ہماری دوسری کتابیں

سیاسیات و سوانح

تاریخ آزاد ہند فوج — ے/
مضامین مولانا ابوالکلام آزاد جلد اوّل — للعہ/
" " " دوم — للعہ/
مضامین البلاغ — ے/
سیاسی نظریے — ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی — عہ/
اسٹالن — آصف علی بیرسٹر — للعہ/
سرخ چین کا رہنما — اسرار احمد — ے/
کیا خوب آدمی تھا — سرسید
اٹھارہ مہینے ہندوستان میں — جواہر لعل نہرو

معلومات

لندن سے آداب رس — از آغا محمد اشرف
بگوں کا لندن — "
نئی ایجادیں

مذہب

اسلام کیسے شروع ہوا
اسلام کیسے پھیلا اوّل
" " دوم
حسن حسین رضؓ
سامانِ آخرت

نئی تہذیب - نئی تعلیم ترجمہ برکت علی فراق

ادب

اُردو شاعروں کا [illegible]
شبلی کا مرتبہ اُردو ادب میں — عبداللطیف اعظمی
خمارستان — آغا شاعر قزلباش
آب حیات سے لطیفے — محمد حسین آزاد
مقالاتِ اسلم — اسلم جیراج پوری
جاپانی شاعری — سعید انصاری

ناول و افسانے

ماہ درخشاں — (ناول)
شمع — اے۔ آر۔ خاتون — "
تصویر — "
نسیم — فیاض علی — "
مجموعہ — منشی پریم چند — "
واردات — " — (افسانے)
زادِ راہ — "
خیالِ آرزو دماغ — (تمثیل)

منظومات

مسدس حالی — صدی ایڈیشن
آب گینے — اختر انصاری
اسلامی نظمیں — نیّر
وطنی نظمیں — "
تجلیات — اختر

جمنا پروڈکشنز

کی

دوسری پیشکش

Tentative Title.

۲
دو دِل

ناردرن انڈیا سٹوڈیو کی ایک تخلیق

سکرین پلے مکالمے اور گانے

ڈی۔ این۔ مدھوک

شمالی ھند کے لئے

جگت ٹاکیز ڈسٹری بیوٹرز ۔ دھلی۔ لاہور

تفصیلات کے لئے پتہ ذیل پر لکھئے

جمنا پروڈکشنز نمبر (۱) مٹکاف روڈ دہلی

پاکستان کا نعم البدل

از ــــــــــــــــ سر آر دیشیر دلال ۔ رکن مجلس منتظمہ حکومت ہند ۔

ہندوستان عہد قدیم سے جغرافیائی، تہذیبی اور مذہبی وحدت کا حامل رہا ہے لیکن پاکستان اس وحدت اور اتحاد کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتا ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ اقلیت کو مطمئن کرنے کے لئے کیا پاکستان کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ؟ کیا ہم ہندوستان کے اتحاد کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اقلیتوں کو مطمئن نہیں کر سکتے ؟ آج کل مسلمانوں کے حق خود ارادیت کا جو اس قدر چرچا ہے تو اس سوال کا تعلق اس بات سے ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی ایک قوم ہیں یا محض ایک مذہبی فرقہ اور اقلیت ایک قوم ہونے کے لئے جن خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں ۔ (۱) ماضی کی روایات دوسری قوموں سے علٰحدہ ہوں اور مستقبل بھی علٰحدہ ہی نظر آ رہا ہو ۔ (۲) ایک قوم کے تمام افراد ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہوں ۔ (۳) زبان علٰحدہ ہو (۴) اور مذہب بھی علٰحدہ ۔ ظاہر ہے کہ ہندی مسلمانوں کا ماضی پورے ہندوستان سے اور ہندوستان کے دوسرے فرقوں سے وابستہ رہا ہے اور اُن کا مستقبل بھی علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا ۔ پھر مسلمان اور ہندو دونوں ایک ہی نسل کی اولاد ہیں زبان بھی دونوں فرقوں کی ایک ہی ہے ۔ صرف مذہب کا اختلاف ضرور موجود ہے لیکن صرف مذہب کی بنا پر کوئی انسانی جماعت قوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی ۔

بہرحال ان تمام باتوں کے باوجود میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا ہے کہ مسلمان باعزت طور پر اور اپنی روایات کے مطابق صرف پاکستان ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں تو مجھے پاکستان کے مان لینے میں کوئی عذر نہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کے علاوہ جو راستے ہمارے سامنے موجود ہیں اُن پر کبھی غور ہی نہیں کیا گیا ہے ۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں نے بھی اِس کے امکانات اور فائدہ و نقصان پر غور نہیں کیا ہے ۔ جو پاکستان کے نعرے لگاتے ہیں اور اِس کا مطالبہ کرتے ہیں ۔

پاکستان کی غیر ممکنات کو اگر مختصراً پیش کیا جائے تو وہ مندرجہ ذیل ہوں گی ۔

(۱) ملک کو ایک سے زیادہ خود مختار اور آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنا عہد جدید کے سیاسی افکار اور رجحانات کے بالکل خلاف ہے ۔ تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ معاہدہ ورسائی کے ذریعہ یورپ کو بےشمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جس کا نتیجہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انہیں چھوٹی ریاستوں کی کمزوری نے دوسری جنگ عظیم کو جنم دیا ۔ عہد جدید کا سیاسی رجحان یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر بڑی بڑی ریاستوں کی شکل اختیار کرتی

ہیں اس لئے کہ اس میں اُن کا فائدہ ہے۔ آج ہر قوم کے سامنے عالمگیر وفاق کا نصب العین ہے جس کے تحت بڑی بڑی ریاستوں کی خود مختاری بھی ختم ہو جائے گی۔

(۲) اگر ہندوستان کی قدرتی جغرافیائی سرحدوں کو توڑ دیا گیا اور اُن کی بجائے مصنوعی سرحدیں قائم کی گئیں جو پاکستان کا مقصد ہے تو پورا ہندوستان غیر ملکی حملوں کے مقابلے میں غیر محفوظ ہو جائے گا۔ اس کی مثال زیکوسلاوکیا میں موجود ہے۔ میونخ کانفرنس کے بعد جب سوڈیٹن کا علاقہ خود مختار کر دیا گیا تو پورا زیکوسلاوکیا خطرے میں مبتلا ہو گیا اور مارچ ۱۹۳۹ء میں ہٹلر پورے زیکوسلاوکیا کو ہضم کر گیا۔

(۳) اس وقت پورا ہندوستان برطانوی عہد میں ایک متحدہ ریاست کی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں واحد نظام حکومت قائم ہے۔ چنانچہ پاکستان کے قیام کا یہ مطلب ہے کہ اس متحدہ نظام کو توڑنا اور بکھیرنا جس سے بشمار معاشی اور مالی دقتیں پیدا ہو جائیں گی۔ فوج، ریل، ڈاک، تار، محصولات، سکہ، بینک کاری، غرض پورے نظام کے دو ٹکڑے کرنے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بہت مشکل اور دقت طلب ہے۔ اور اگر ان تمام دقتوں اور مرحلوں کو طے بھی کر لیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان کے نام سے جو خود مختار ریاستیں قائم ہوں گی وہ بیحد مفلس، غریب، بے یار و مددگار قسم کی ریاستیں ہوں گی جن کے پاس ترقی کا کوئی بھی ذریعہ یا وسیلہ نہ ہوگا۔

ان تمام مصائب و آلام سے بچنے کے لئے جو زیادہ تر پاکستان ہی پر نازل ہوں گے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں کچھ نہ کچھ قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ آزادی ملنے کے بعد ہندوستان میں برطانوی طرز کی جو پارلیمانی حکومت قائم ہوگی اس کے اندر وہ مستقل طور پر محکوم ہو کر رہ جائیں گے۔ اب ہندو اکثریت کا یہ فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے ان شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے اپنی طرف سے ہر قسم کی مناسب قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

اسی مقصد کے پیش نظر ذیل میں ہندوستان کے لئے آئندہ دستور حکومت کا ایک خاکہ درج کیا جاتا ہے جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اقلیتوں کے تمام حقوق قطعی محفوظ و مامون رہیں تاکہ ہمیں پاکستان کا نعم البدل تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ اور ہم یہ دیکھیں کہ پاکستان کے علاوہ بھی بہت سے راستے ہیں جن کو اختیار کر کے ہم اقلیتوں کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

ہندوستان کا آئندہ دستور حکومت وفاق (FEDERATION) کے طرز کا ہوگا۔ اس کی مجلس منتظمہ کے ممبران پارلیمنٹ کے نمائندوں سے چنے جائیں گے۔ ایک شعبۂ انصاف ہوگا اُسی طرز کا جس طرز کا اُن ملکوں میں رائج ہے جہاں انگلستان کا قانون عام (COMMON LAW) ہے۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ۔ اس حکومت میں شعبۂ منتظمہ اور شعبۂ انصاف بھی ملکی قانون کے ماتحت ہوں گے اُس سے بلند نہیں۔ ایک فیڈرل کورٹ ہوگا جسے ملک کی تمام دیگر عدالتوں پر اختیار و اقتدار حاصل ہوگا۔ مرکزی حکومت کے زیر اختیار جو معاملات رکھے جائیں گے اُن کی تعداد پہلے سے مقرر کر دی جائیگی اور بقیہ تمام معاملات وفاق میں شامل مختلف ریاستوں کے سپرد کر دئے جائیں گے تاکہ وہ جس طرح چاہیں اُن معاملات کو چلائیں مرکزی حکومت کو مندرجہ ذیل اختیارات دئے جائیں گے۔

(۱) ملکی تحفظ (۲) غیر ملکی معاملات (۳) سکہ (۴) بینک کاری (۵) محصولات (۶) آمدنیوں پر مرکزی وفاقی حکومت کے ٹیکس

(۸) نقل آبادی۔ غیر ملکیوں کو ہندوستان کا شہری بنانا۔ (۹) ریل (۱۰) ڈاک اور تار (۱۱) آبی ذرائع نقل و حمل (۱۲) صنعتوں کی ترقی

کل ہند وفاق کے تحت جو ریاستیں ہوں گی اُن کی سرحدیں از سر نو متعین کی جائیں گی تاکہ وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ساتھ مل کر نیم خود مختار ریاستوں کی شکل اختیار کر سکیں۔

دستور حکومت میں ایک "اعلان حقوق" بھی شامل ہوگا جس میں ہر فرد کے مذہبی، ذاتی، اور شہری حقوق کے تحفظ کی گارنٹی ہوگی۔ اس اعلان حقوق میں مندرجہ ذیل اُصولوں کے تحت حقوق کی گارنٹی کی جائے گی۔

وفاق ہند کے تمام شہری قانون کے سامنے برابر سمجھے جائیں گے۔

تحریر و تقریر کی اور انجمنیں اور جماعتیں قائم کرنے کی مکمل آزادی ہوگی۔

سوائے حکومت کی عدالت کے اور کوئی شخص یا جماعت کسی فرد کو سزا نہیں دے سکتی۔

ہر مکان جس میں لوگ آباد ہیں دوسروں کی دستبرد سے محفوظ ہوگا۔

مذہب، عقیدہ، نسل، ذات یا طبقہ کی بنیاد پر کسی بھی فرد کی حیثیت کم نہ ہوگی۔

مذہب، ضمیر، عقیدہ، عبادت۔ پروپیگنڈہ اور تعلیم کی پوری آزادی ہوگی۔

قانون کے سامنے تمام مذاہب برابر ہوں گے۔

حکومت ہر اقلیت کے تعلیمی اداروں، زبان، مذہب وغیرہ کی پوری پوری تحفظ کرے گی۔

ہر اقلیت کو اپنے مخصوص مذہبی اداروں، اسکولوں، اور تعلیم گاہوں کے قائم کرنے کی آزادی حاصل ہوگی جہاں وہ اپنی مخصوص زبان کا استعمال کر سکتے ہیں۔

جس گاؤں میں کسی اقلیت کے پچاس بچے تعلیم پا رہے ہیں اُن بچوں کو تعلیم دینے والوں کا اگر یہ مطالبہ ہے کہ وہاں حکومت اپنے خرچ سے خاص اُن کے لئے ایک پرائمری اسکول کھول دے تو حکومت پر ایسا کرنا فرض ہوگا۔

ووٹ دینے والوں کی تعداد کو بڑھانا لازمی ہوگا لیکن اس وقت اُس پر بحث کرنے کا موقع نہیں۔ جہاں تک مخلوط طریقۂ انتخاب کا سوال ہے اگر فی الحال اُس کو قائم کیا جائے تو بہتر ہے۔ اقلیتوں کی صحیح تعداد کی نمائندگی کے لئے ضروری ہوگا کہ متناسب طریقۂ انتخاب (PROPORTIONAL REPRESENTATION) اختیار کیا جائے۔

میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں وغیرہ کے انتخاب میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ ایک ہی حلقے کو وسیع کر کے وہاں سے متعدد نمائندوں کو کھڑا کیا جائے اور اُس میں اقلیتوں کے لئے دو ایک نشستیں مخصوص کر دی جائیں۔ صوبائی قانون ساز مجلسوں میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو جو تحفظ (WEIGHTAGE) دیا گیا ہے اُسے برقرار رکھا جائے صرف بنگال میں پونا پیکٹ میں کچھ رد و بدل کر دیا جائے۔

اگر صوبائی سرحدوں کا اس طور پر از سر نو تعین ہوا کہ وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ملحق ہو جائیں تو صوبائی مجالس قانون ساز میں یقیناً رد و بدل کرنے کی ضرورت ہوگی۔ جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اُن کو ویٹج دیا جائے گا اور جہاں ہندو اقلیت میں ہیں وہاں اُنھیں بھی ویٹج عطا کیا جائے گا۔ لیکن کسی بھی صوبے میں مجالس قانون ساز کی نشستوں کی اس طرح تقسیم نہ کی جائے گی کہ اکثریت اقلیت ہو کر رہ جائے۔

ہر وہ اقلیت جس کی تعداد آبادی کے ایک مقررہ "فی صد" سے تجاوز کرتی ہے اُسے مجالس قانون ساز میں اپنے نمائندوں کے بھیجنے کا اختیار ہوگا

اس مقررہ فی صد" کا دستور اساسی کے ذریعہ تعین ہوگا۔
اگر کسی صوبائی کابینہ کا وزیر اعظم چاہے تو اپنی وزارت میں متعینہ تعداد سے زیادہ اقلیت کے نمائندوں کو شامل کر سکتا ہے۔
مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کو تینتیس فیصدی نمائندگی حاصل ہوگی اور انھیں نشستوں کی مجموعی تعداد کا ⅓ حصہ عطا کیا جائے گا۔
مرکزی حکومت کی مجلس منتظمہ (EXECUTIVE) مخلوط ہوگی جس میں مسلمان نمائندوں کی تعداد کم سے کم ایک تہائی ہوگی مجلس منتظمہ
کے مسلم ممبران کا انتخاب مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم ممبران کریں گے، اس انتخاب میں تناسبی انتخاب کا طریقہ اختیار کیا جائے گا مجلس منتظمہ

کا وزیر اعظم چاہے تو اپنی وزارت میں متعینہ تعداد سے زیادہ اقلیت کے نمائندوں کو شامل کر سکتا ہے۔
ساز میں مسلمانوں کو تینتیس فیصدی نمائندگی حاصل ہوگی اور انھیں نشستوں کی مجموعی تعداد کا ⅓ حصہ عطا کیا جائے گا۔
س منتظمہ (EXECUTIVE) مخلوط ہوگی جس میں مسلمان نمائندوں کی تعداد کم سے کم ایک تہائی ہوگی مجلس منتظمہ
مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم ممبران کریں گے، اس انتخاب میں تناسبی انتخاب کا طریقہ اختیار کیا جائے گا مجلس منتظمہ

ک اچھوت نمائندہ بھی شامل ہوگا۔
ے مجلس منتظمہ میں شامل ہوں گے اُن کی مجموعی تعداد آدھی سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ مرکز میں بھی وزیر اعظم کو اختیار ہوگا
دسے زیادہ کسی اقلیت کے نمائندوں کو وزارت میں شامل کر سکتا ہے۔
ت وہی ہوگی جو عام طور سے انگلستان یا دوسری پارلیمانی حکومتوں میں ہوتی ہے یعنی مجلس منتظمہ کے ممبران مجلس قانون ساز
جائیں گے۔ امریکہ میں یا سوئزرلینڈ میں مجلس منتظمہ کی تشکیل کا جو طریقہ رائج ہے وہ ہندوستان کے حالات کے موافق نہ ہوگا۔
ساز کے سامنے اپنے ہر فعل کے لئے ذمہ دار ہوگی۔ موخر الذکر اگر چاہے تو حکومت کو عدم تعاون کا ووٹ پاس کرکے برخاست

ں چوتھائی نمائندے کسی قانونی تجویز یا قرارداد کی مخالفت کر رہے ہیں تو وہ تجویز یا قرارداد قانونی شکل نہیں اختیار کر سکے گی۔
مل ہوگا جس کے نمائندوں کی تعداد مجلس قانون ساز کی مجموعی تعداد کا کم سے کم ۱۵ فی صد حصہ ہیں۔
عدالت عالیہ ہوگی اُس کے پانچ ججوں میں دو مسلمان ہوں گے۔ ہندوستان کی فوج میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی ہوگی جو
چھڑنے سے پہلے)
ں کی نمائندگی کا جہاں تک تعلق ہے اُنھیں قاعدوں کو دستور اساسی میں شامل کر دیا جائے جو حکومت ہند کی تجویز نمبر F14/17-B/32

ں درج ہیں۔
وقت تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی جب تک مرکزی مجلس قانون ساز کی دو تہائی اکثریت اور ہر صوبے کی مجلس قانون کی "مع
ہو۔
ں والیان ریاست کے شامل ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تا حال اُنھیں اس معاملے میں آزاد چھوڑ
سائل میں پھنسنے سے محفوظ رہیں جو اس وقت لاینحل ہیں۔ آگے چل کر حالات خود اُنھیں مجبور کر دیں گے کہ وہ وفاق ہند میں

ی تفصیلی دستور حکومت کا خاکہ نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ محض کچھ بنیادی تجویزیں پیش کی گئی ہیں تاکہ لوگوں کو اس معاملہ پر سوچ بچار کرنے

اُصول پر مرتب کئے ہوئے دستورِ حکومت کے تحت پورے ہندوستان کے ساتھ رہ کر یہ دیکھ لیں کہ اُن کے حقوق کا پورا پورا تحفظ ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اس عرصے کے بعد یہ محسوس کریں گے کہ وہ مطمئن نہیں ہیں اور اُن کے حقوق اب بھی خطرے میں ہیں تو اُنھیں اختیار ہے کہ جب چاہیں علٰحدگی اختیار کرلیں اور اپنے مستقبل کی تعمیر علٰحدہ ہو کر کریں۔ دس سال کا عرصہ ایک قوم کی زندگی میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

(سر آردیشر دلال کا تصنیف کردہ پمفلٹ ALTERNATIVE TO PAKISTAN سے اِن کی اجازت سے ترجمہ کرکے شائع کیا گیا) ایڈیٹر۔

جمنا پروڈکشنز کا نغماتی فلم

آن

لاہور ۔ دہلی ۔ کانپور ۔

کلکتہ ۔ لکھنؤ

میں جوبلی منا چکا ہے

پروڈیوسر

جینیمی دیوان

سکرین پلے مکالمے اور گانے

ڈی ۔ این ۔ مدھوک

موسیقی :- **نوشاد** ۔

متارکا :- سورن لتا ۔ کرن دیوان ۔ واسطی ۔ بدری پرشاد ۔

راجکماری شکلا ۔ منجولا

جاری کردہ :- **جمنا پروڈکشن مٹکاف روڈ ۔ دہلی**

پاکستان کے خلاف چودہ نکات

از: ——— جناب پروفیسر عبدالمجید خاں فورمین کرسچین کالج لاہور

تمام جذبات اور تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر اور شدت و ہٹ دھرمی کو نظرانداز کر کے محض علمی نقطۂ نظر سے پاکستان کے خلاف حسب ذیل نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) جدید حکومتوں کی بنیاد قومیت پر ہوتی ہے نہ کہ مذہب پر۔ ترکی۔ ایران اور مصر وغیرہ مذہب اور حکومت کو ایک دوسرے سے جدا رکھتی ہیں۔ مصطفےٰ کمال پاشا اور رضا شاہ پہلوی نے ہر شعبہ حیات اور ہر حلقۂ عمل میں جو دور رس تبدیلیاں کیں اور عصبیت پسند ملاؤں اور تنگ نظر مذہبی دیوانوں کے خلاف جو شدید اقدامات کئے وہ اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ ترکی اور ایران سیاست و اقتصادیات میں مذہب کی مداخلت سے تعلق کیا رویہ رکھتے ہیں۔ پاکستان کے علمبردار بڑی عنایت کرینگے اگر وہ دورِ حاضر کے ترکی اور ایران کی تاریخ کا ایک ورق پڑھ ڈالیں۔

(۲) پاکستان کے پرستاروں کا ایک بین الاسلامی وفاق کے قیام کا خیالی پلاؤ طاقت ور یورپی طاقتوں کے دل میں شک پیدا کئے اور انکی آتش بغض و عناد کو بھڑکائے بغیر نہ رہیگا تمام آزاد و خود مختار اسلامی ریاستوں کی ایک مضبوط اور گتھے ہوئے وفاق میں شرکت تین براعظموں میں توازن قوت کو ختم کردیگی یعنی یورپ ایشیا اور شمالی افریقہ میں اس وجہ سے یہ خیال یورپی طاقتوں کی عملی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کبھی حقیقت نہیں بن سکے گا۔

(۳) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ زمانۂ بعد جنگ میں کوئی صاحب عقل مدبر بھی ایسے گروہ کی پیدائش کو پسند نہ کریگا جو علانیہ یا پوشیدہ طور پر فسطائی رجحانات رکھتا ہو، جس کا عقیدہ مذہب اور نسل کی برتری پر ہو اور جس سے دنیا کو امن و امان کو خطرہ لاحق ہو سکے۔ پاکستانی ذہنیت حملہ آوری سے بھرپور ہے کیونکہ اس کی بنیاد دماغی عدم رواداری پر ہے۔

(۴) بیرونی دنیا کو جانے دیجئے تو بھی ہندوستان کے تمام غیر مسلموں اور قوم پرست مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی شدید مخالفت کو بے پروائی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس ملک کے چالیس کروڑ باشندے جن کے نسلی۔ مذہبی اور لسانی اختلافات چاہے کچھ بھی ہوں ہندوستانی ہیں اور ہندوستان

ان کا وطن ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) چاہے کچھ بھی ہو برطانوی پارلیمنٹ ہندوستان کی سیاسی وحدت اور جغرافیائی اتحاد کو ختم کرنے کی تائید ہرگز نہیں کرے گی جو درحقیقت برطانوی دورحکومت کی بہترین یادگاریں ہیں۔ دو وائسرائے یعنی لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول اس بات کو نہایت واضح الفاظ میں کہہ چکے ہیں۔

(۶) پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصے ایک دوسرے سے علیحدہ۔ بے تعلق اور بے پروا رہینگے۔ ان دونوں کے درمیان سیکڑوں میل کا فاصلہ ہوگا جو سوئٹزرلینڈ اور رومانیہ کے درمیانی فاصلہ کی برابر ہوگا۔ اور اگر جناح صاحب کے قول کے مطابق یو۔پی اور بہار کے مسلمان ایک ماتحت قوم ہیں تو پھر مشرقی اور مغربی پاکستان کو ایک دوسرے سے ملانے والے راستہ کا سوال کبھی پیدا ہی نہ ہوگا۔

(۷) ان دونوں حصوں کو جدا جدا فوج۔ بحریہ اور ہوائی فوج رکھنا پڑے گا۔ اس کا نتیجہ ہوگا بے پناہ اخراجات اور مالی دباؤ جوان کے بس کی بات نہ ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ٹٹ پونجئے خود مختار و آزاد ریاستوں کا زمانہ چلا گیا۔ اب تو بلجیم اور ہالینڈ جیسے ملکوں کو بھی متحدہ فوج کتنی پڑیگی اور متعدد بلقانی ریاستوں کو ایک دفاق کے ماتحت آنا پڑے گا۔

(۸) پاکستان کا مشرقی حصہ خاص طور پر ایک قسم کا جزیرہ بن جائے گا جو چاروں طرف سے ہندوستان کے دشمن علاقوں سے محصور ہوگا۔ یہ کہنا شائبہ مبالغہ نہ ہوگا کہ پاکستان کی دو حکومتوں کا قیام فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ کا موجب ہوگا اور مسلمان و غیر مسلموں میں اسوقت جو تلخی اور ناخوشگواری پائی جاتی ہے اس کی جڑیں اور مضبوط ہو جائیں گی۔

(۹) پاکستان کی تشکیل کے بعد مجموعی ہندوستان اور اس کے دفاقی حصوں میں مسلمان ایک بے بس اقلیت ہوجائیں گے اور تعلیمی اقتصادی اور سیاسی طور پر ان کی حالت قابل رحم ہوجائے گی۔ وہ قانون ساز مجالس میں جداگانہ نمائندگی سے محروم ہوجائینگے۔ ملازمتوں میں ان کے لئے کوئی خاص حصہ مخصوص نہ رہیگا اور عام دفنی و پیشہ ورانہ تعلیم میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں ایک پس ماندہ فرقہ کی حیثیت سے وہ اسی وقت مراعات حاصل کرسکتے ہیں کہ وہ مادر وطن کی جغرافیائی اور سیاسی وحدت کے بقا پر زور دیں۔

(۱۰) جس بنیاد پر مسلم علاقوں کی علیحدگی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اسی بنیاد پر پنجاب اور بنگال دونوں کے بڑے بڑے علاقے ہندوستان میں شامل کرنے پڑینگے۔ یہ صوبے جب اس طرح کی کانٹ چھانٹ کا نشانہ بنیں گے تو ان کی موجودہ اہمیت کا خاتمہ ہوجائیگا اور وہ مالی مشکلات کا شکار ہوجائیں گے۔ پاکستان کے خواہشمند اسی حالت میں صحرا اور بنجر علاقہ کے چوکیدار ہو کر رہ جائینگے۔

(۱۱) اس وقت متحدہ ہندوستان میں فوج کے لئے آدھے سے زیادہ آدمی پنجاب سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ فوجی ملازمت بحالات موجودہ پنجاب کے بہت سے فرزندوں کی باعزت روزی کا سبب ہے اور اسکی وجہ سے ان کے صوبے کو اقتصادی بہتری اور سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان اسکیم کے ماتحت ان کا وجود کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملیگا۔

(۱۲) اسوقت پنجاب کے دس لاکھ کے قریب آدمی فوج میں ملازم ہیں۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد اگر پاکستان اور ہندوستان علیحدہ علیحدہ ہوگئے تو ان کی پنشن کون ادا کریگا۔ پنجاب خواہ وہ متحد رہے یا اس کے بھی ٹکڑے ہوجائیں اس خرچ کو برداشت نہ کرسکے گا۔ اور پاکستان میں چونکہ ایک قطعی جداگانہ حکومت ہوگی جس کا مشترکہ مرکز کے ذریعہ ہندوستان سے کوئی تعلق نہ ہوگا اس لئے وہ ایک دوسری آزاد اور خود مختار حکومت کے باشندوں کے لئے اخراجات کا یہ بارگراں کیوں برداشت کریگا؟

(۱۳) اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت جو دس لاکھ پنجابی فوج میں ملازم ہیں اُن میں آدھے سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ لوگ جب پاکستان کے قیام کی بدولت اپنی سفول پینشیں کھو بیٹھیں گے تو ان کے جذبات پاکستان کے متعلق جو کچھ ہونگے ان کے بیان کی ضرورت نہیں۔ شخص سمجھ سکتا ہے۔ پُرانے سپاہیوں کو غیر مطمئن حالت میں رکھنا بڑا خطرناک ہوگا۔

(۱۴) سندھ، بلوچستان اور سرحد کو ہر سال اپنا کام چلانے کے لئے کروڑوں روپیہ کی رقم مرکزی حکومت سے ملتی ہے اور پنجاب خواہ وہ جوں کا توں رہے یا اس کی بھی تقسیم ہو جائے نہ ان نذرانوں کو ادا کر سکیگا نہ ادا کرنا پسند کریگا۔

اس صورت حال میں کسی بھی پہلو سے مسئلہ پاکستان پر نظر ڈالنے اسکے تمام رموز و نکات کا جائزہ لیجئے اور پاکستان کے مطالبہ کو خواہ کتنی ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ جانچئے اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ ناقابل قبول ہے اور قطعی ناقابل عمل۔ پاکستان کا نعرہ ایک قسم کا اسٹنٹ (شعبدہ) ہے۔ صوبوں بھائیوں کا ایک غلط نعرہ ہے جو اس لئے بلند کیا گیا ہے کہ ان غیر مسلموں سے جو تقسیم ملک کے کراہت انگیز تصور سے بیزار ہیں زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر لی جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ سورج مغرب سے نکلے اور مشرق میں غروب ہو لیکن مسلم لیگ پاکستان قائم کرے یہ قطعاً ناممکن ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی بچے کی چاند کو حاصل کرنے کی خواہش۔ بہر حال اس کے لئے خواہ کتنے ہی عیارانہ حربے استعمال کئے جائیں اور کتنی ہی شعبدہ بازی سے کام لیا جائے۔ پاکستان قطعاً ناممکن ہے۔

مضبوطی ——— اور ——— حفاظت

تفکرات سے بے نیاز کرتے ہیں

گذشتہ روز کا خواب

امروز کی زندگی

کل کی اُمید

پس اسی طرح زندگی گزرتی ہے

زندگی کے سفر میں ہمیں اپنا رہبر بنائیے

کل سرمایہ ——— تقریباً ۳ کروڑ روپیہ

چالو بزنس ——— تقریباً ۱۲ ۱/۳ کروڑ روپیہ

کلیم اداشدہ کی رقم ——— ایک کروڑ روپیہ

آپ بھی اس کمپنی میں بیمہ کرا کر یا ایجنسی حاصل کر کے فائدہ اُٹھائیں

دی لکشمی انشورنس کمپنی لیمیٹڈ۔ لاہور

شاخیں تمام ہندوستان میں اور برٹش مشرقی افریقہ میں کھلی ہوئی ہیں

صوبہ متحدہ کی برانچ کا پتہ:- ۳۵ کینٹونمنٹ روڈ۔ لکھنؤ

پاکستان یا ہندوستان کی دائمی غلامی

از: سید علی ظہیر صاحب بار ایٹ لا۔ صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس

حال ہی میں اخبارات میں پاکستان کے متعلق آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر اور سکریٹری کے کچھ بیانات شائع ہوئے ہیں۔ یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ مسلمان اس لغو، نفرت انگیز اور دشمنی خیز پروپگنڈے کی لغویت کو کب سمجھیں گے جو مسلم لیگ ہائی کمان کانگریس اور عام ہندوؤں کے خلاف کر رہی ہے۔ یہ دونوں حضرات نہایت آسانی سے ان چیزوں کو فرض کر لیتے ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں۔ مسٹر جناح کہتے ہیں کہ ایک مشترکہ مرکزی حکومت کا مطلب تمام ہندوستان پر ہندو اکثریت کی مستقل حکومت ہی ہو سکتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اپنی اکثریت کے صوبوں میں مسلمان مختار کل بنا دئے جائیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا کہ مرکز میں بیٹھ کر تمام صوبجات پر حکومت کی جائے۔ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود اختیاری کی ضمانت دی جا سکتی ہے اور یہ بات کانگریس اور ملک کی تمام "ذیل" پسند مدبرین کی طرف سے صاف کی جا چکی ہے۔

کہا صرف یہ جاتا ہے کہ دفاع اور خارجی تعلقات جیسے امور جن کا تعلق تمام ہندوستان سے ہو مرکز میں طے کئے جائیں۔ اس صورت حال کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ آزادی سے مراد صرف مالکوں کی تبدیلی ہوگی؟ ہندو نہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر تمام ہندوستان پر حکومت کریں نہ وہ ایسا کر ہی سکتے ہیں۔

تمام قوم پرست مسلمان اور عملاً تمام کانگریسی اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب۔ تمدن۔ حقوق اور اپنی اکثریت کے علاقوں میں ان کی خود اختیاری اور دوسرے حقوق کو تسلیم کر لیا جائے اور ان کی حفاظت کی ضمانت دیدی جائے۔ وہ اس معاملہ میں شرائط کا تصفیہ کرنے کو بھی تیار ہیں۔ پھر معاملہ کو الجھانے کی کیا ضرورت ہے اور ایک چیز کو ایک جماعت سے منسوب کرکے اس کو ہدف مطاعن بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ مسٹر جناح کی کامیابی کا راز صرف یہ ہے کہ ایک معمولی ہندوستانی اپنے ذہن میں آزاد ہندوستان کا نقشہ نہیں کھینچ سکتا ہے اور وہ ہر چیز کا اندازہ موجودہ حالات کی روشنی میں لگاتا ہے۔

دشمنی اور نفرت کا بیج ۔ ایک وفاقی ہندوستان میں مرکز کے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ اپنے اجزاء کے اندرونی اور اقتصادی

معاملات میں مداخلت کرے۔ ان معاملات میں جن کا تعلق تمام ہندوستان سے ہو مسلمانوں اور ہندوؤں کا نقطۂ نظر واحد اور مشترک ہی ہوسکتا ہے اسلئے انمیں تنازعہ کا کوئی موقع آہی نہیں سکتا اور بفرض محال اگر اس قسم کا تنازعہ پیدا بھی ہو تو اس کے دفعیہ کے لئے آئینی حکومت میں ایسی دفعہ بنائی جاسکتی ہے کہ اس قسم کے جھگڑوں کا فیصلہ کثرت رائے کے بجائے کسی اور ذریعہ سے ہو۔ چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس ملک میں اچھے ہمسایوں کی طرح رہنا ہے اور ان کو آج نہیں تو کل رواداری اور خوشگواری کا فلسفہ اختیار کرنا ہے۔ کیا یہ طرزِ عمل عاقلانہ ہوسکتا ہے کہ دشمنی اور تلخی کا بیج بونے کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور ایک غیر ملکی طاقت کے اقتدار اور غلامی کو قائم رہنے دیا جائے؟ پاکستان اس وقت میرے لئے یقیناً قابلِ فہم ہوتا جبکہ اسکی بنیاد تمام آبادی کی تحریک پر ہوتی۔ مگر پنجاب اور بنگال میں پاکستان کس طرح ہوسکتا ہے جس میں ہندوؤں کی بہت بڑی آبادی ہے اور اسے اپنی جگہ پر ہی رہنا ہے۔ یہ تمام تصور صرف بیہودہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے عام مسلمانوں کو مبتلائے فریب کرنا مقصود ہے جو اس کے نتائج اور تفصیلات سے اچھی طرح واقف نہیں ہے۔ اس بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر مسلمانوں کے دل میں مصالحت کی صحیح خواہش پیدا کردی جائے تو ان کو کانگریسی لیڈروں اور کانگریسی لوگوں سے ایسی بنیاد پر سمجھوتہ کرلینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی جو دونوں فریق کے لئے باعزت ہو اور جو اگر ایک طرف مسلم مفاد کا پورا پورا تحفظ کرتا ہو تو دوسری طرف ملک کے عام مفاد کے بھی مطابق ہو۔

مسلمان بزدل نہیں

نواب زادہ نے حسب دستور اپنے آقا سے بھی چار قدم آگے رہنے کی کوشش کی ہے وہ کانگریس کو یہ بات یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اس نے جو عظمت حاصل کی ہے وہ خلافت کی تحریک کے زمانہ کی مسلم قربانیوں کی رہین منت ہے۔ مگر اس بات سے انکار کس نے کیا ہے؟ ان کے نام ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے دفتر میں سنہری حروف سے تحریر رہیں گے لیکن مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی کا اب تک کہیں پتہ بھی نہ لگتا۔ اگر اب بھی ان لوگوں کی یاد کو کھا جائے گا تو صرف اس حیثیت سے کہ وہ ہندوستانیوں کے کارواں آزادی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ آئندہ نسلیں ان کو برطانوی حکومت کا آلۂ کار خیال کرینگی ان کو انگریزوں کا پٹھو سمجھا جائے گا چاہے کہ حیثیت انھوں نے جان بوجھ کر اختیار کی ہو یا انجانی سے اور ان کے اہلِ ہند کے جذبات حریت کا قاتل قرار دیا جائے گا۔ نواب زادہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں نے ۱۹۴۲ء کی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ اگر انھوں نے لیگی مسلمان کہا ہوتا تو میں مان لیتا اگر میں بھی یقین رکھتا جو نواب زادہ رکھتے ہیں تو مجھے خود کو مسلمان کہتے ہوئے شرم آتی۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ مسلمان بزدل نہیں ہیں جیسا کہ نواب زادہ صاحب ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور انھوں نے ۱۹۴۲ء کی تحریک میں صرف اس وجہ سے بڑی تعداد میں حصہ نہیں لیا کہ وہ مسلم لیگ کی غلط قیادت کا شکار ہیں۔ اگر نواب زادہ صاحب اس کارِ خیر کا اجر چاہتے ہیں تو وہ انکو حکومتِ برطانیہ سے ملیگا۔ برطانیہ کو ان کا اور ان سے اتفاق رائے کرنے والوں کا بہت مشکور ہونا چاہیئے۔

لیکن عام مسلمانوں کو بہت جلد محسوس ہو جائے گا کہ وہ چیز جس کو مستحق تحسین قرار دیا جا رہا ہے وہ ان کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اسکے بعد نواب زادہ صاحب نے موجودہ انتخابات کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قانون ساز اسمبلی میں ہندوستان کا آئندہ دستورِ حکومت مرتب کرے گی اس لئے صرف پاکستان پر عقیدہ رکھنے والے لیگی ہی اس میں جانے چاہئیں۔

یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ پاکستان کے معاملہ کو ہندوستان گیر معاملہ کیوں بنایا جا رہا ہے۔ اگر پاکستان قائم بھی ہوا تو وہ صرف پنجاب اور بنگال میں ہوگا۔ پھر ایسے مطالبے کی ترتیب کا کام ان علاقوں کے مسلمانوں یا تمام آبادی پر ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔ میرا علم تو یہ ہے کہ ان صوبوں اور دوسرے پاکستانی صوبوں کے مسلمان پاکستان سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے ہیں ان کو اپنے صوبوں کی اصل حالت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ

ان کے صوبوں میں عظیم الشان غیر مسلم آبادی کے سچے اور پُرخلوص تعاون کے بغیر کاروبار حکومت نہیں چل سکتا ہے لیکن نواب زادہ صاحب چاہتے ہیں کہ اقلیتی صوبوں کے مسلمان پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے ووٹ دیں۔ پاکستان کے قیام کی صورت میں اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو کیا ملے گا یہ بتانا مشکل ہے اور لیگی لیڈروں نے آج تک مسلمانوں کو یہ بات بتلانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ اگر پاکستان دو قومی نظریوں کی منظوری کے بعد قائم ہوا تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی حالت موجودہ حالت سے بھی بدتر ہوگی مگر نواب زادہ صاحب اس قسم کے سوالات کو بڑی آسانی سے نظرانداز کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں سے صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ براہ عنایت لیگ کو ووٹ دیں چاہے ان کا انجام کچھ بھی ہو۔

یہ سیاست ہے یا محض دھوکہ دہی؟ اس کا فیصلہ میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں۔ میں صرف یہ تمنا اور دعا کر سکتا ہوں کہ مسلمان اس قسم کے لیڈروں کے فریب سے نجات پائیں جن کا کام ان لوگوں کے دلوں میں نفرت اور دشمنی کا بیج بونا ہے جو صدیوں سے اس ملک میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ بس رہے ہیں اور جن کی سیاست کا صرف ایک نتیجہ نکل سکتا ہے یعنی ہندوستان کی غلامی کا طول۔

تباہ کن نظریے اور جمعیۃ علماءِ ہند کا صراطِ مستقیم

از ـــــــــ مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماءِ ہند

تمہید سیاست ـ صرف فلسفہ نہیں ـ سیاست کا بیشتر حصہ ـ حال اور ماضی کے واقعات سے مرتب ہوتا ہے ـ منطقی دلائل ـ دلچسپ بیانات اور ولولہ انگیز تقریریں ـ جو موجودہ ماحول ـ اور ماضی قریب کے واقعات کی حقیقتوں سے بہرہ آندوز نہ ہوں فریب نظر ہیں سراب ہیں جیسے تشنہ کام ذرات کی درخشانی تشنہ لبوں کو موجِ دریا کا دھوکا دیتی ہے ـ حالانکہ وہاں تشنگی اور ہلاکت کے سوا سیرابی کا نام ونشان بھی نہیں ـ اسلامی ہندوستان کی فضاء آج نعرۂ پاکستان سے گونجی ہوئی ہے اور فرقہ وارانہ ذہنیت نے (جس کی پرورش برطانوی سامراج کی تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو والی پالیسی تقریباً دو سو برس سے چلا رہی ہے) جذباتی فضا کے لئے اس نعرہ کو انتہا درجہ دلکش اور جاذب بنا دیا ہے ـ

ایک نہایت خوش کن اور دلفریب تخیل یہ ہے کہ

"ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں ـ اِس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو"

استقلال مرکز کا خواب کتنا شیریں ہے کاش کہ اس کی تعبیر بھی اتنی ہی شیریں ہو ـ مگر طاغوت برطانیہ کی سامراجی پالیسی جو اپنے فولادی پنجوں میں ہندوستان کو دبائے ہوئے ہے اور مسلم زندہ کو مردہ لاش بنا دیا ہے ـ اور وہ خون کے آنسو رلانے والے واقعات جو اس سامراجی پالیسی کے تحت ہندوستان اور بیرون ہند میں رونما ہو چکے ہیں اور جن کی نمک پاشی جراحت ہائے مسلم پر شب و روز ہو رہی ہے ـ وہ ہمیں اس اعلان پر مجبور کر رہی ہے کہ استقلال قوم کا خواب ـ خوابِ پریشان ہے ـ یہ سبز باغ ـ دنیا بھر کی گندگیوں سے بھرا ہوا ہے ـ

یہ ایک ناپاک دلدل ہے اگر مسلمان اس میں پھنس گئے تو غیر محدود مدت تک خود بھی نیم بسمل کی طرح تڑپتے رہیں گے اور دوسروں کو بھی سامراجی پنجۂ ستم میں تڑپائیں گے ـ افسوس مسلمان کس قدر زود فراموش ہیں ـ اُسے یاد نہیں کہ صرف تیس سال پہلے سابق جنگ جرمنی کے زمانہ میں استقلال اور استقلال مرکز کا یہی سبق عربوں کو پڑھا دیا گیا تھا ـ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اپنی اغراض مشومہ کے بموجب قوم کا معیار نسل کو قرار دیا گیا تھا اور ہندوستان میں قوم کا مدار مذہب گردانا جا رہا ہے ـ کرنل لارنس کی رسوا عالم شخصیت کیا فراموش ہو گئی جس نے انتہائی فصاحت و بلاغت سے یہ سبق رٹا

کے ذہن نشین کر دیا۔ آج وہی سبق مسٹر جناح ہندوستان کے بھولے بھالے مسلمانوں کو یاد کرا رہے ہیں۔ ہندوستان کے ایک گمنام غیور مجاہد کا یہ فقرہ جو انجمن مجاہدین ناغہ بھیتی کی جانب سے ایک ہینڈ بل کی شکل میں شائع کیا گیا ہے کس قدر معنی خیز ہے کہ مسٹر جناح ہندوستان کے کرنل لارنس ہیں۔ عربوں کے لئے عرب فیڈریشن کی آزادی پاکستان تخیل سے زیادہ سہل اور ممکن الوقوع تھی، اور مفید بھی ہو سکتی تھی وہ تمام ممالک جو عرب فیڈریشن کے ماتحت ہوتے ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اون کے درمیان پنجاب اور بنگال جیسا بعد المشرقین نہیں ہے۔ اُن سب کی نسل ایک زبان ایک طریق زندگی ایک ہے۔ یہ قدرتی لطیفہ جو بعض حضرات ہندوستانی پاکستان میں ظاہر فرماتے ہیں وہاں بھی موجود ہے کہ ان تمام ممالک میں عربوں کی کثرت ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی طرح عرب غیر منظم اور دو صد سالہ قفس غلامی کے پروردہ نہ تھے۔

دول متحدہ۔ (فرانس اور برطانیہ اور روس) کی باہمی رقابت سے فائدہ اُٹھانے کے بھی کافی امکانات موجود تھے۔ ایران اور پھر افغانستان۔ چینی ترکستان کے تسلسل سے وہ تمام امکانات موجود تھے جو پاکستانی خواب کے مفتون آج بلند آہنگی سے بیان کرتے رہتے ہیں مگر جو نتیجہ ہوا اُس کو پورا عالم چھتیس[۲۶] سال سے آنکھیں کھولے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ گریہ و بکا۔ نوحہ و ماتم۔ اور کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اسی کا نام استقلال عزم اور استقلال قوم ہے۔

کیا اس مرکز مستقل سے قومی محرکات و عزائم فروغ پا سکیں گے فلسطین۔ دمشق۔ عراق۔ شام۔ حضرموت۔ لبنان وغیرہ وغیرہ اسلامی ممالک کے مسلم باشندوں واجب الاحترام اسلامی بھائیوں عزیز دوستوں اور اولوالعزم آبا کے مجبور اور بیکس فرزندوں کی آہیں کیا ہندی مسلمانوں کے کانوں تک پہونچ کر اُن کی چشم عبرت کے پردے نہیں اُٹھا سکتیں پھر یہ اتفاقی امر یا وقتی پالیسی نہیں بلکہ تاریخ شاہد ہے اور واقعات اعلان کر رہے ہیں کہ تقسیم کرو' اور حکومت کرو' کی پالیسی۔ ہر ایک سامراج اور بالخصوص برطانیہ کی قدیم اور مستقل پالیسی ہے۔ کیا مملکت مصر کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ اور پھر مصر کو اندرونی اور سوڈان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ بند کر کے مصر کی طاقت کو دوبارہ نہیں کر دیا گیا۔ آئرلینڈ میں مذہبی جھگڑے پیدا کر کے اُس کی غلامی کو دراز کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور جب ایک حصہ کی بے پناہ قربانیوں نے برطانوی سامراج کا ناطقہ بند کر دیا تو "السٹر" کا ایک پاکستان بنا کر ملک کے باقی حصہ کو آزاد کر دیا گیا۔ آئرستان کا یہ پاکستان آج تک انگریزی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ بند ہے۔ سلطنت عثمانیہ کی تاریخ پڑھو۔ یورپ کا نقشہ سامنے رکھو آپ کو درجنوں پاکستان نظر آئیں گے۔ اُن میں وہ پاکستان بھی ہیں جو سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لئے قائم کئے گئے۔ سلطنت عثمانیہ ختم ہو گئی مگر کیا ان پاکستانوں نے بھی سامراجی اغراض کے پنجۂ استبداد سے نجات پالی۔ یورپ کے نقشہ میں۔ اسٹونیا۔ لیتھونیا۔ پولینڈ۔ چیکوسلاویکیا وغیرہ بہت سے پاکستان آپ کو نظر آئیں گے مگر کیا اُن پاکستانوں میں سے کسی کے متعلق بھی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کسی قوم کے لئے مستقل مرکز ہے جہاں سے اُس کے قومی عزائم اور قومی محرکات فروغ پا سکتے ہیں۔ مسٹر جناح اس حقیقت کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سال نیوز کرانیکل کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے اُنھوں نے پاکستان کی مجوزہ حیثیت کو مصر کی اُس حیثیت سے تشبیہ دی تھی جو ۱۹۳۶ء کے معاہدہ کی رو سے اُس کو حاصل ہے۔

(ملاحظہ ہو۔ مدینہ ۵ مارچ ۴۴ء اور ہندوستان ٹائمز۔ ۱ نومبر ۴۵ء ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کا بیان)

بہر حال مصر جیسی داخلی آزادی ہے جو اسی وقت تک باقی رہ سکتی ہے کہ سامراج کے اغراض سے متصادم نہ ہو یہ توقع رکھنا کہ قومی عزائم اور ملی محرکات اُس کے ذریعہ سے فروغ پا سکیں گے آرزوئے بے معنی اور خیال باطل نہیں تو اور کیا ہے۔ لینن اور اسٹالین کے مقلدین یعنی کمیونسٹ جو مارکس کے اُس ایمان کش فلسفہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس کا بنیادی عقیدہ ہے۔ غیبی طاقت (خدا) کا انکار۔ اور عقیدۂ تقدیر سے بغاوت وہ کانگریس سے

نکلنے کے بعد جب ہندوؤں سے مایوس ہو گئے تو اب مسلمانوں کو دام تزویر میں مبتلا کرنے کے لئے مسلم لیگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ استقلال قوم کا نعرہ ان کی زبان سے بھی بلند ہو رہا ہے مگر کیا اُس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ روس اور برطانیہ کی آویزش کا میدان ایران کے بجائے یہ پاکستان بن جائے جو ہندوستان کے شمال مغرب میں قائم ہو۔ جمعیۃ اسلام کے ایک لیڈر نے اپنے ایک بیان میں ارشاد فرمایا تھا کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے نظریہ پاکستان کی حمایت ضروری ہے۔ مگر کیا روک تھام کی بھی صورت ہو گی کہ اُنھیں نعروں کی تائید اور تقویت کی جائے جن کو سیاسی چال کے طور پر کمیونسٹوں نے اختیار کیا ہے۔ ہندوستان میں صرف ایک ہی جماعت کمیونزم کا مقابلہ کر سکتی ہے اور وہ انڈین نیشنل کانگریس ہے۔ اور مسٹر گاندھی باوجود کٹر ہندو ہیں۔ مگر اُن کی اپنے عقیدہ کے بموجب خدا پرستی سے یہ فائدہ ہوا کہ ہندو قوم کمیونزم کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئی۔ مگر افسوس استقلال قوم کا دعویٰ کرنے والے نادانستہ طور پر کمیونزم کو مسلمانوں میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ صورت حال یقیناً خاطر برطانیہ کے لئے بھی پریشان کن ہے۔ مگر بظاہر برٹ اُس کے سامنے صرف یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانوں کو اپنا حامی بنا کر۔ ہندوستان خالی کردو کی آواز کو کسی صورت سے دبا دیا جاوے۔ خواہ اُس کے بعد نتیجہ وہی ہو جو جرمنی کی شکست کے بعد اُس کو دیکھنا پڑ رہا ہے۔ بہرحال یہ استقلال قوم کا خارجی پہلو اور برطانیہ کی وہ سامراجی پالیسی جس کا ننگا ناچ دوسرے ممالک دیکھ رہے ہیں لیکن اگر مستقل مرکز کے بطن کو چاک کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ مستقل مرکز غیر مسلم اقوام کا تابع مہمل اور اُن کی ٹھوکروں میں پامال ہونے والا ایک گیند ہو گا اس سلسلہ میں ہم ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب کا بیان درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو بزعم خود پاکستان کے مصنف اول ہیں۔ اور آپ اس بنا پر کہ مسٹر جناح نے اپنی بہت بڑی ناقابل تلافی سیاسی غلطی اور بے محل ضد اور ہٹ کے باعث ہندو مسلم مفاہمت۔ اور انگریز کو ہندوستان سے باہر نکال دینے کا بہترین موقع کھو دیا ہے وہ پاکستان تحریک کے صف مقابل میں ہیں۔ آپ نے مدراس یونیورسٹی میں ایک انسٹی ٹیوٹ کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

> "اگر پاکستان میں شمالی مغربی۔ اور شمالی مشرقی ہندوستان کے صرف وہی علاقے شامل ہوں جہاں مسلمان بھاری اکثریت میں ہیں۔ مثلاً لاہور مغرب اور جنوب کا علاقہ اور مشرقی بنگال تو یقیناً ریاست کا قوام اسلامی طرز کا ہو سکتا ہے اور وہاں کی اقلیتوں کو مناسب مراعات اور تحفظات دیکر وہاں کا آئین اسلامی بنیادوں پر بنایا جاسکتا ہے۔ (لیکن ظاہر ہے کہ اس صورت میں پاکستان چند غیر ترقی یافتہ شہروں کا نام ہو گا۔ جس کی حیثیت سرحد کے آزاد علاقہ سے زائد نہ ہو گی) لیکن اُس کے برخلاف جیسا کہ پہلے سال گاندھی جناح مراسلت کے دوران میں تجویز کیا گیا۔ اگر پاکستان کے صوبے اپنی موجودہ شکل میں شامل کئے جاتے ہیں یعنی پورا پنجاب اور پورا بنگال اور آسام تو پاکستان کی مسلم اکثریت محض برائے نام رہ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی اسلامی حکومت قائم نہیں کی جاسکتی۔ وہاں کی حکومت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا تناسب ۶ اور ۴ کا ہو گا۔ بلکہ اگر مسٹر جناح کی اس منطق کا اطلاق جس کی بنا پر اُنھوں نے ہندوستان کی مرکزی عارضی حکومت میں برابر کی نمائندگی کا مطالبہ کیا تھا۔ اُس پاکستان پر بھی کیا جائے تو پاکستان کی حکومت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نمائندگی برابر ہو گی۔
>
> (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء)

یہ چالیس فیصدی کی نسبت اُس فیڈریشن میں ہو گی جو مسلم اکثریت کے صوبوں سے ترتیب دیا جائے گا صوبجاتی حکومتوں میں یہ تعداد اور بھی بڑھ

جائیگی کیونکہ اخبار منشور مورخہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے شائع کردہ اعداد و شمار کے بموجب بنگال میں غیر مسلم آبادی ۴۶ فیصدی ہے اور پنجاب میں ۴۳ فیصدی اور آسام میں ۶۷ فیصدی ۔ سرحد ۔ سندھ ۔ بلوچستان میں اگرچہ غیر مسلم آبادی ۵ فیصدی سے ۲۷ فیصدی تک ہے مگران تینوں صوبوں کی کل مسلم آبادی چونسٹھ لاکھ چھتیس ہزار باون ہوتی ہے ۔ ۶۴۳۶۰۵۲ یہ مجموعی تعداد پنجاب بنگال اور آسام کی تقریباً دس کروڑ آبادی میں شامل ہو کر مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ سے زیادہ ۶۰ فیصدی تک پہونچا سکتی ہے ۔ یہ چالیس فیصدی کی اقلیت ۔ کسی وقت اور کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی ۔ اور جبکہ دولت ۔ اور اندرونی نظم میں یہ تعداد مسلمانوں سے بدرجہا فائق ہو تو اس پاکستان کو اقتصادی طور بھی اپنی مرضی کا تابع بنائے رکھے گی ۔ اور سیاسی لحاظ سے بھی اس پر شوکت پاکستان کے حصول کے لئے انگریزی اقتدار کو حیات جاوید بخشد ینا انگریز دوستی نہیں تو اور کیا ہے ۔

اندرون ہند برطانیہ کی سامراج پالیسی

برطانیہ کی بیرون ہند پالیسی کے مطالعہ کے بعد اس کی وہ پالیسی بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے جسکو وہ اندرون ہند اختیار کئے ہوئے ہے اور جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ استقلال مرکز ۔ یا دو قوموں کی صدا ممکن ہے مسلمانوں کے رجحانات و جذبات کی تعبیر ہو مگر وہ مسلمانوں کے ذہن اور دماغ کی پیداوار نہیں اور حقیقت میں وہ برطانیہ کی نفاق پرور اور تفرقہ انگیز پالیسی کی ایک ترقی یافتہ منزل ہے ۔ یہ حقیقت عریاں ہو چکی ہے کہ برطانوی سامراج کا سنگ بنیاد دو چیزیں ہیں ۔ (۱) ہندوستانیوں میں ہندی قومیت کا فقدان ۔ پروفیسر سیلے نے لکھا تھا ۔

> اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عمل روح نہ بھی ہو ۔ بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے تو اسی وقت شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور نہ ہم اُن پر فاتحانہ حکمرانی کر سکتے ہیں ۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے ۔
>
> (اکسپنشن آف انگلینڈ متحدہ قومیت صفحہ ۷۱)

سر جان مینارڈ نے ایک اخبار میں لکھا تھا ۔

> ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان موجود ہے جس کا ایک نمونہ ہندو مسلم عناد ہے ۔ اور یہ واقعہ ہے کہ یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت نہ قائم ہو سکتی نہ برقرار رہ سکتی ۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی برطانیہ سے پہلے بھی ظالم سلاطین گذرے ہیں جنھوں نے کبھی غیر مسلمین پر جزیہ لگایا ۔ اور کبھی گائے ذبح کرنے پر مجنونانہ جوش میں سزائیں دیں لیکن یہ واقعات گاہے گاہے پیش آتے تھے شجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا ۔ اور خواہ ہندو ہوں یا مسلمان دونوں ایک ہی معبد میں مصروف پرستش رہتے تھے ۔
>
> (ماخوذ از ان ہیپی انڈیا صفحہ ۴۰۸)

تفرقہ انگیزی

لارڈ الفنسٹن ۔ گورنر بمبئی نے ۱۸۵۹ء میں تحریر کیا تھا ۔ نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا ۔ اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہئے ۔ (ان ہیپی انڈیا) ایک اور انگریزی افسر ۔ کارنٹکس نے ۱۸۲۱ء میں لکھا تھا ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغے خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے یہ اصول ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ تفرقہ ڈال دو ۔ اور حکمرانی کرو حکومت خود اختیاری

(نمبر ۵) ان دو اصولوں کی روشنی میں سامراج کے کارناموں پر ایک نظر ڈالئے۔ ہندوستان کی صحیح تاریخ سے واقفیت رکھنے والا شخص اگر دولت انصاف سے محروم نہیں تو وہ بلا تامل اعتراف کرے گا کہ جہاد حریت ۱۸۵۷ء تک ہی اختلافات کا وجود نہ تھا۔ قوموں میں بغاوت شروع ہوئی تو ہر مقام کے سپاہی اپنی چھاؤنی میں آگ لگا کر دہلی کے معزول اور مغل بادشاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ ہندو سپاہی بہادر شاہ کی جے پکارتے تھے۔ نانا صاحب نے کانپور میں انگریزی حکومت کو ختم کرنے کے بعد بہادر شاہ شہنشاہ ہند کی سلامی کے طور پر ایک سو ایک توپیں داغیں۔ کنور جگدیش سنگھ (بہار) مہارانی لکشمی بائی (جھانسی) جیسے بہادر مرد اور عورتیں اس جنگ آزادی کے نمایاں سپہ سالار تھے۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات نے برطانوی کارکنان حکومت کو تفرقہ انگیزی کے اصول پر عمل کرنے کے لئے بہت زیادہ مستعد اور چست کر دیا۔ اس اصول پر پہلا عملی کارنامہ تاریخوں کو مسخ کر کے کورس میں داخل کرنا تھا۔ یہ خدمت اگرچہ سر ہنری ایلیٹ (سکریٹری۔ محکمہ خارجہ گورنمنٹ ہند) ۱۸۴۵ء ہی میں انجام دے چکے تھے۔ مگر ۱۸۵۷ء تک اس نے ذہنوں کو مسخ نہیں کیا تھا۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی۔ اس جماعت کا محرک اول اگرچہ ایک خیر اندیش انگریز تھا مگر اس جماعت کے دوسرے اجلاس ہی میں طے کر دیا کہ ایک ایسی جماعت مرتب کی جائے جو ایسے حالات کی اصلاح اور ترمیم کرانے میں یکجہت ہو جو ہندوستان کو نقصان پہونچانے والے اور غیر منصفانہ ہوں اور اس بنا پر ان کو متحدہ قوم کہا جا سکے۔ اس قسم کی متحدہ قوم اس اصول کے مخالف تھی جس پر برطانوی سامراج کی بنیاد قائم کی گئی تھی لہٰذا دوسرے اجلاس کے بعد سے ہی انڈین نیشنل کانگریس کی مخالفت شروع کرا دی گئی۔ اور اگست ۱۸۸۸ء میں علی گڈھ میں یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن یعنی جماعت محبان وطن قائم کی گئی جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کانگریسی خیالات کی تردید کی جائے اور اس کے نشو و نما کو ہر ممکن صورت سے دبایا جائے۔ اس انجمن میں ہندو مسلم دونوں شریک تھے۔ اور اسی لئے یونائیٹڈ کا لفظ اس کے ساتھ بڑھا دیا گیا تھا۔ مگر یہ صورت بھی ناکافی سمجھی گئی۔ اور ۱۹۰۰ء میں ایک دوسرا شوشہ چھوڑا گیا۔ سر انٹونی میکڈانل لفٹیننٹ گورنر صوبہ متحدہ نے ایک گشتی حکم اس مضمون کا جاری کرایا کہ عدالتوں اور کچہریوں میں ہندی حروف میں لکھی ہوئی درخواستیں لی جا سکیں گی۔ اس حکم پر ہندوؤں کی طرف سے گورنمنٹ کے شکریہ کے جلسے اور مسلمانوں کی طرف سے اظہار ناراضگی کے جلسے منعقد ہونے لگے اور ہندو مسلمانوں میں جدائیگی ہو گئی یہ جدائیگی اور تفرقہ تخم تھا۔ اس کی آبیاری کے لئے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دے کر جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کرانا ضروری تھا تاکہ یہ تخم سوخت نہ ہو جائے۔ جداگانہ انتخاب کے متعلق بھی اس زمانہ میں وہ تمام دلائل پیش کئے جاتے تھے۔ جو آج دو قوم کی بہبودی کے متعلق مسٹر جناح اور ان کے ہمنوا پیش کر رہے ہیں۔ اس وقت ایک خیال یہ تھا کہ مسلمانوں کی نشستیں محفوظ کر دی جائیں اور انتخاب مخلوط رہے۔ مگر جو الہام شملہ کی چوٹیوں سے خود ساختہ رہنمایان قوم کے دلوں پر نازل ہو چکا تھا۔ اس نے اس اشتراک کو بھی جائز نہیں قرار دیا۔ جس طرح پاکستانی تحریک کے متعلق گورنمنٹ کا کوئی بیان مخالف ہوتا ہے کوئی نیم موافق تاکہ شوق طلب میں اضافہ ہو اور مسلمان استقلال قوم اور استقلال مرکز کو واقعی اپنا مطالبہ قرار دے کر اپنے جذبات کو اس مصنوعی مقصد کے لئے وقف کر دیں۔ اسی طرح جداگانہ انتخاب کی یہ استدعا کچھ عرصہ لیت و لعل کے حوالہ رہی اور پھر بہزار عنایت و نوازش منظور فرما لی گئی۔ لیکن اس جداگانہ انتخاب نے ہندو مسلم منافرت میں مزید اضافہ کر دیا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں سے بے نیاز کر دیا الیکشنوں کی کامیابیاں انہی لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں جو ہندو مسلم منافرت میں پیش پیش ہوں انتہا یہ کہ انتخاب میں کامیابی کے لئے وزارتوں اور عہدوں کے حریفوں نے مسجدوں تک کو شہید کرا دیا۔ مسجد شہید گنج کا واقعہ اس طرز انتخاب کا شرمناک نتیجہ ہے جس کی حقیقی وجوہات عام طور پر مشہور ہو چکی ہیں۔ کانگریس کی قربانیوں نے فرقہ وارانہ ذہنیت کے بجائے ملکی خدمات کا وقار اس درجہ بڑھا دیا ہے کہ جو مد مقابل تھا اُس کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ گذشتہ الیکشنوں میں مسلم لیگ کو بھی اس وقار کے سامنے جھکنا پڑا اور مسٹر جناح کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ جمعیۃ علماء ہند کا دامن سنبھالیں قوم پرور طبقہ کا فروغ برطانوی سامراجی پالیسی کے لئے پیغام موت ہے۔ لہٰذا سیاسی اسٹیج پر

ایک کارنامہ کیا گیا اور وہ نظریۂ پاکستان کی اشاعت ہے۔ جس کی تحقیق لندن کے ہوٹلوں میں ایک عرصہ پیشتر ہو چکی تھی۔ استقلال قوم اور استقلال مرکز اسی نظریہ کی ایک خوبصورت اور دلفریب تعبیر ہے۔ اگر برٹانوی سامراج اس نظریہ سے اتنا ہی بیگانہ و بے تعلق ہے جتنا کہ ظاہر کیا جارہا ہے تو کیا وجہ ہے کہ تمام رعائتیں اس نظریہ کے پرستاروں کے ساتھ مخصوص ہیں اور اُس کے مخالفین معمولی مراعات سے بھی محروم۔ صرف دلی شہر میں تقریباً ایک درجن اردو اور انگریزی اخبارات اسی نظریہ کی اشاعت کر رہے ہیں۔ اور جمعیۃ علماء ہند جو اس نظریہ کی مخالف ہے اُس کو ایک اخبار کی اجازت بھی نصیب نہیں ہوئی مرکزی اسمبلی کے الکشن ختم ہو چکے ہیں ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک ہندوستانی اپنے علم اور اپنے مشاہدہ کی شہادت سے فیصلہ کرے کہ سرکاری عہدہ دار ملازم ٹھیکیدار زمیندار۔ غرض تمام سرکار پرست افراد اور طبقے کس خیال کے مؤید رہے اور اُن کے مخالفین کے لئے کیا کیا رکاوٹیں نہیں پیدا کی گئیں۔ کیا ان تمام مشاہدات اور تجربات کے بعد بھی اس فیصلہ میں ردّ و قدح کی گنجائش ہے کہ استقلال قوم اور استقلال مرکز کی صدا۔ انگریزی ڈپلومیسی کے تاریک گنبد کی صدائے بازگشت ہے۔ جس سے صرف سامراج کا فائدہ ہے مسلمان اگر اس کی حمایت کرتے ہیں تو سراسر فریب خوردگی اور نادانی ہے۔ اور بس۔

مسئلہ قومیت

گلکرسٹ۔ ہنجلی وغیرہ یورپین سیاست کے ماہرین نے نیشن (قوم) کو صرف مذہب میں منحصر نہیں رکھا۔ بلکہ تصریح کر دی ہے کہ جغرافیائی۔ نسلی۔ یا معاشی حیثیت سے بھی نیشن (قوم) کی تشکیل کی تربیت ہوتی ہے۔ ہمارا عرف عام۔ قوم کو بسا اوقات برادری اور نسل کے مرادف قرار دیتا ہے۔ جب قوم کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو جواب میں سید۔ شیخ۔ برہمن۔ کھتری وغیرہ کہا جاتا ہے۔ کتاب اللہ میں تقریباً ساڑھے تین سو مقام پر لفظ قوم آیا ہے۔ جس کا اطلاق عموماً نسل کے لحاظ سے ہے اور کہیں کہیں جغرافیائی حیثیت سے۔ بہرحال کتاب اللہ کے اطلاقات لفظ قوم کو مذہب کا مرادف نہیں قرار دیتے۔ بیشک اسلام نے قبائلی عصبیت کو ختم کر کے انسانی برادری کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

اور اُس قومیت کو بھی پسند نہیں کیا جس کی بنیاد اسلام کے عمومی اتحاد کے مقابلہ میں قبائلی عصبیت کی نخوت اور غرور پر ہو چنانچہ متعدد احادیث میں اس نخوت اور پر نفرت کیا گیا اور اس کو ایک لعنتی چیز قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف والی روایت کو اگر روایت باللفظ تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ نے ایک موقعہ پر قوم کے جواب میں لفظ مسلم کا اطلاق فرمایا ہے۔ مگر شریعت غرا کی عمومی اطلاقات نے نوع انسان کی اُن دو قسموں کو جو مذہب کی بنیاد پر ہوں۔ لفظ ملت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے۔ ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین (سورہ حج کا آخری رکوع) ترجمہ۔ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت اُس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ اسی طرح متعدد آیتوں میں اس تقسیم کے موقع پر لفظ ملت ارشاد ہوا ہے (آل عمران میں ہے) فاتبعوا ملة ابراهیم حنیفا (سورہ انعام میں ہے) دینا قیما ملة ابراهیم حنیفا۔ سورہ یوسف میں یہ اطلاق زیادہ ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا گیا ہے۔ انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون۔ میں نے اُن کی ملت چھوڑ دی جو ایمان نہیں لاتے۔ پھر ارشاد ہوا۔ واتبعت ملة آبائی۔ اپنے باپ دادوں کی ملت کا پیرو ہوں۔ اسی طرح سورہ نحل سورہ بقرہ۔ سورہ حج میں مذہبی تقسیم کے موقع پر لفظ ملت ارشاد ہوا ہے۔ غیر موزوں نہ ہوگا اگر اس موقع پر خود عمائدین لیگ کے بھی کچھ اقوال نقل کر دئے جائیں۔ سرسید مرحوم نے اپنے ایک لکچر میں ارشاد فرمایا تھا قوم کا اطلاق رہنے والوں پر ہوتا ہے۔ یاد رکھو ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے۔ ورنہ ہندو مسلم و عیسائی بھی جو اس ملک کے رہنے والے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں۔ جب یہ سب ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہئے۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھی جاویں۔ (مجموعہ لکچر سرسید صفحہ ۱۶۷ روشن مستقبل صفحہ ۱۲ طبع سوم) مسٹر سید عبدالعزیز صاحب نے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ ۱۹۳۸ء (بمقام پٹنہ) کے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا تھا مسلمان

متحدہ قومیت کی تحریک کے صرف اُس پہلو کو تسلیم کرسکتا ہے جو ملک کے لئے آزادی اور اختیارات حاصل کرنے میں مددگار ہو۔ اور ہندوستان کے معاشی مسائل حل کرنے میں معاون ہو۔ لیکن وہ اسے کسی طرح قبول نہیں کرسکتا کہ اپنی قومی ہستی کو ہندوستان کی متحدہ قومیت میں مضم کردے۔ وطن اور روٹی کا بت بناکر وہ اُن کی پرستش نہیں کرسکتا۔ یا وطن کو آزاد کرانے اور روٹی کے مسئلہ کو حل کرنے میں کسی سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن ایسی متحدہ قومیت جس میں اُس کا ملّی وجود اُس کا خاص تصورِ زندگی۔ اُسکی مخصوص تاریخی روایات اُسکے بعض مذہبی شعار۔ اور سیاسی حقوق فنا ہوجائیں۔ اُس کے لئے کبھی قابل قبول نہیں۔ (تاریخ مسلم لیگ از مرزا اختر حسن صاحب بی۔ اے صفحہ ۵۰۵ و صفحہ ۵۰۶ مطبوعہ بمبئی) اُس کے بعد اب متحدہ قومیت کے متعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔ شیخ الاسلام مدظلہ العالی اپنے رسالہ "متحدہ قومیت اور اسلام" میں تحریر فرماتے ہیں۔ ہندوستان میں سکونت کرنے والی قومیں اور افراد بحیثیت مسکن و وطن بہت سی ایسی چیزوں میں مشترک ہیں جن کو موجودہ پردیسی حکومت نے اپنی اغراض کے ماتحت پامال کردیا ہے۔ اور ہندوستان کے باشندوں کی زندگی تلخ کردی ہے۔ چونکہ ان مشترکہ مفادات کے ضائع ہونے سے سب فنا ہو رہے ہیں۔ اس لئے تمام ہندوستانی متفق ہوکر ان ضائع شدہ حقوق کو حاصل کریں۔ اور اس پردیسی قوم کے جوئے کو اپنے کندھوں اور گردنوں سے اُتار پھینکیں۔ اُن کے لئے متحدہ جدوجہد ہو۔ اور تمام ہندوستانیوں کے ملکی اور مشترکہ مفادات کے لئے ترقی کی راہ کھل جائے۔ یہ مقصد متحدہ قومیت سے ہے (صفحہ ۴ زیر عنوان۔ ہندوستان کے لئے راہِ عمل) اس کے بعد زیر عنوان قومیت کے مجوزہ معنے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ ہماری مراد متحدہ قومیت سے اس جگہ وہی متحدہ قومیت ہے۔ جس کی بنا رجناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی۔ ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ بحیثیت ہندوستانی اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہوجائیں۔ اور اُس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی اب فنا کر رہی ہے۔ جنگ کرکے اپنے حقوق کو حاصل کریں اور اس ظالم و بے رحم قوت کو نکال کر غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھوڑ ڈالیں۔ ہر ایک دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے بلکہ تمام ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی اعتقادات۔ اخلاق۔ اعمال میں آزاد رہیں اپنے مذہبی رسم و رواج۔ مذہبی اعمال۔ اخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں اور جہاں تک اُن کا مذہب اجازت دیتا ہو۔ امن و امان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشر و اشاعت بھی کرتے رہیں۔ اپنے اپنے پرسنل لا۔ کلچر و تہذیب کو محفوظ رکھیں نہ کوئی اقلیت دوسری اقلیتوں اور اکثریت سے ان اُمور میں دست و گریبان ہو اور نہ اکثریت اس کی جدوجہد کرے کہ وہ اقلیتوں کو اپنے اندر مضم کرلے (متحدہ قومیت صفحہ ۵۲)۔

مسٹر عبدالعزیز اور مولانا حسین احمد صاحب کے ارشادات کے مطالعہ کے بعد آپ یہ بھی تسلیم کرلیجئے کہ قول کے لئے عمل گفتار کے لئے کردار لازم اور ضروری ہے ارشاد ربانی ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون ٥۔ (ترجمہ) اے ایمان والو کیوں وہ باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں اللہ کے نزدیک یہ بات بہت زیادہ مستحق عتاب ہے کہ تم وہ باتیں کہو جو کرو نہیں۔ مسٹر عبدالعزیز نے جو لیگ کے پلیٹ فارم پر کہا اُس کا کوئی عملی ثبوت نہیں دیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام اور آپ کی جماعت کا جرم بھی یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتی ہے اُس سے زیادہ کرتی ہے (والحمد للہ علیٰ ذالک) کیا مسٹر عبدالعزیز اور اُن کی پوری جماعت نے جدوجہد کی آزادی کے لئے کبھی کوئی قدم اُٹھایا ہے۔ کوئی جنبش کی۔ روٹی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا۔ جمعیۃ علماء ہند اور اُس کے صدر محترم کا جرم ہی یہ ہے۔ کہ اُنھوں نے تحفظ شریعت کے ساتھ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ مسلمان روٹی کا مسئلہ حل کرنے میں کسی کے پیچھے رہیں۔ یا کسی سے پیچھے رہیں۔ اس کی تاریخ ماضی شاہد ہے کہ ہر ایک موقع پر اور ہر ایک صورتِ حال پر قرآن و احادیث فقہ کی روشنی میں اُس نے مکمل طور پر غور و خوض کرنے کے بعد ایک لائحہ عمل مرتب کیا اور پھر ایثار و قربانی

اور اعتماد علی اللہ کا توشۂ گراں قدر لیکر راہ نوردی شروع کردی البتہ یہ خصوصیت صرف مسلم لیگ کے لئے مخصوص ہے کہ ہندوؤں کے مظالم کا شور مچا کر عوام کے جذبات میں حرکت پیدا کی اور جب اُسی اجلاس پٹنہ کے موقع پر عوام کے متحرک جذبات نے عملی اقدام کا مطالبہ کیا تو ایک تجویز کے ذریعہ ڈائرکٹ ایکشن اور عملی تدابیر کا مجلس عاملہ کو اختیار دیدیا۔ اُس کے بعد آج تک کانگریسی مظالم کا شور تو باقی ہے۔ مگر تجویز کا مفہوم بھی لیگی بہادروں کے دماغ میں نہ رہا ہوگا۔ اس کے ماسوا وہ جماعت جس کا روز و شب احیاء سنت اور اتباعِ شریعت میں صرف ہوتا ہو۔ جس کا دوامی بحث موضوع یہ ہو کہ کون سا فعل سنت کے مطابق اور شریعت کے موافق ہے۔ کونسا مخالف جو ہر ایک رسم کو اور معاشرت کے ہر ایک روح کو شریعت غرّا کے اُصول پر پرکھنے کی عادی ہو۔ جو کلچر اور تہذیب کے باب میں ہر ایک جدت سے عملاً اور فعلاً متنفر ہو۔ اور قدامت پسندی کی یہاں تک عادی ہو کہ دقیانوسیت اور تنگ نظری کا خطاب اُنھیں دعویداران تحفظ کلچر کی جانب سے دیا جاتا ہو۔

اُس نے تحفظ ملت۔ احیاء سنت۔ اتباع شریعت کے مقاصد کے لئے تمام ہندوستان میں انجمنوں اور مجالس کا جال پھیلا رکھا ہو۔ ہر ایک ضلع میں وہ درسگاہیں قائم رکھی ہوں۔ جو نونہالانِ اسلام کو نہ صرف یہ کہ پابند شریعت بنائیں۔ بلکہ اُن کی وضع قطع اُن کے مذاق اور اُن کے تمام جذبات کو شریعت غرّا کے سانچے میں ڈھال دیں۔ ایسی جماعت کے متعلق کوئی انصاف پسند۔ کبھی بھی یہ تصور نہیں کرسکتا کہ وہ ایسی متحدہ قومیت کی خواہاں ہوسکتی ہے۔ جس سے مسٹر عبدالعزیز نے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ کانگریسی وزارت کے دور ہی میں تبرّا کی رسوا رعالم تحریک شروع کی گئی۔ تو کیا یہی مولانا حسین احمد صاحب اور اُن کے رفقاء نہ تھے جنھوں نے ناموس صحابہ کی عزت و حرمت کے لئے سخت ترین قربانیاں پیش کیں۔ وردیا مندر اسکیم۔ وارد ھا کی تعلیمی اسکیم صوبۂ بہار میں اوقات پر محاصل لگائے جانے کی اسکیم وغیرہ وغیرہ کے متعلق جو خدمات انجام دیں اُن کا ذکر طویل ہے (رسالہ جمعیۃ العلماء کیا ہے) میں اُن کی مختصر کیفیت بیان کی گئی۔ اور اگر شریعت بل۔ قاضی بل اور مسلم قاضی بل کو خود لیگی ممبران اسمبلی مسترد نہ کراتے تو آج تمام ہندوستان میں ایک اساسی نظام مرتب ہوجاتا جو محاکم شرعیہ اور دار القضاء وغیرہ کے قیام میں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا۔ اور گرام سدھار کے سلسلہ میں جن موہوم خطرات کا اظہار کیا جارہا ہے اُن سب کا سدباب ہوجاتا۔ مگر افسوس جمعیۃ علماء کی ان تمام خدمات کے باوجود وہ ہر طرح قابل طعن ہے۔ اور مسلم لیگ ان تمام بداعمالیوں کے باوجود مستحق تحسین۔ بہر حال حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی جس متحدہ قومیت کو پسند فرماتے ہیں وہ ایسی متحدہ قومیت ہے۔ جو قائدین اور زعماء لیگ کے نزدیک بھی جائز اور درست ہے۔ اور اتحاد قومیت کا جو پہلو خطرناک ہے۔ اُس سے نہ صرف اجتناب و احتیاط کا دعویٰ ہے بلکہ اُس کے متعلق قابل اطمینان ٹھوس۔ اور نتیجہ بخش جد وجہد جاری ہے۔ ہم دامانِ بحث کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جوہر (شیخ الاسلام کے رفیق زندانِ کراچی۔ اور چہیتے دوست) کی تعزیت مرصع کرتے ہیں۔ جو آپ نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ارشاد فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا ایک لفظ میں مسلمانوں کی پوزیشن کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ مذہب میرے خیال کے مطابق حیات انسانی کی تشریح کا نام ہے۔ میرے پاس ایک تمدن ہے ایک ضابطۂ اخلاق ہے۔ زندگی کا ایک نظریہ ہے۔ اور حیاتِ اجتماعی کے لئے مکمل نظام ہے جس کو اسلام کہتے ہیں۔ خدائے برتر کے حکم کے سامنے میں اوّل مسلمان ہوں۔ دوئم مسلمان ہوں اور آخر مسلمان ہوں اور سوائے مسلمان کچھ نہیں ہوں۔ اگر تم مجھ سے اپنی قوم اور اپنی سلطنت میں اس نظام اس ضابطۂ اخلاق اور اس شریعت کو چھوڑ کر شریک ہونے کو کہوگے تو میں اس کے لئے تیار نہ ہوں گا۔ یہ میرا پہلا فرض ہے اپنے خالق کی جانب سے جو مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ اور یہی ڈاکٹر مونجے کا خیال ہے۔ اور جہاں تک اس فرض کا تعلق ہے۔ اُن کو پہلے ہندو ہونا چاہئے۔ اور مجھ کو پہلے مسلمان لیکن جن امور کا ہندوستان سے تعلق ہے۔ میں اول ہندوستانی ہوں۔ دوئم ہندوستانی ہوں۔ اور آخر ہندوستانی ہوں۔ اور ہندوستانی کے سوا کچھ نہیں میں ان مساوی المساحت دائروں سے تعلق رکھتا ہوں جن کے دو مرکز ہوں

ایک ہندوستانی دوسری دنیا اسلام۔ (مدینہ بجنور ۳ فروری ۱۹۳۶ء)

مسٹر محمد علی جناح صاحب کو یہ برتری دفاع اور یہ لطافت طبع تو کہاں نصیب تاہم قیادت عظمیٰ کے نمائشی تائمس سے پہنچتر سنہ کے بناق لکھنؤ کے بعد اپنے مذاق کی تعریف کرتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی دلیل نسل ورنگ کے متعلق کو جعلی نظر یا اس حقیقت کو ہندی مسائل کے طالبعلم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کرسکتا۔ ہندوستانی ہم سب کی پہلی اور آخری منزل ہے۔" (تاریخ مسلم لیگ صفحہ ۱۳۵ خطبہ صدارت اجلاس لکھنؤ۔

دو قوموں کا نظریہ
(TWO NATION THEORY)

موضوع بحث

مذکورہ بالا قیل وقال کے بعد ہم جمعیۃ علماء ہند کے ایک ذمہ دار رکن کا بیان مدینہ کے حوالہ سے درج کرتے ہیں جس سے مولانا ابوالکلام آزاد کا نظریہ بھی واضح ہو جائیگا نیز موضوع بحث کے تعین کرنے میں سہولت ہوگی۔ بار بار قوم پرور مسلمانوں کو طعن دیا جارہا ہے کہ وہ دو قوم کی تھیوری کے مخالف ہیں۔ حالانکہ اگر عدل وانصاف کے پیمانہ کو ہاتھ سے نہ رکھ دیا جاوے تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے قائد اعظم اور ان کی باتوں پر حسن اعتقاد رکھنے والے حضرات نے یہ غلط پروپگنڈہ صرف اس لئے کیا تاکہ مسلم عوام کو مذہب کے نام پر ان کی ملاک مڑ کر اپنے سیاسی اقتدار کو بلند کیا جائے ورنہ تو بزمی صاحب (ابوسعید صاحب بزمی سابق ایڈیٹر اخبار مدینہ بجنور) خود اس کے لئے شاہد عدل ہیں کہ کانگریسی دور میں بزمی صاحب نے جب مولانا آزاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے بعض شکوک کو پیش کیا تھا۔ تو اس سلسلہ میں قومیت متحدہ کا مسئلہ بھی آیا تھا۔ اور مولانا مدظلہ العالی نے فرمایا تھا کہ اس مسئلہ میں تو دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں کہ مسلمان اور ہندو بلحاظ کلچر اور ثقافت دو جداجدا قومیں ہیں۔ اور رہیں گی۔ لیکن اپنے ملک کو آزاد کرنے اور اجنبی حکومت کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے جو ڈیفنس یا دفاع انڈین نیشنل کانگریس کی جانب سے بصورت پرامن جنگ جاری ہے اس نقطہ نظر سے بلاشبہ ملک کے مختلف المذاہب اقوام سب ایک قوم ہیں۔ اور اس دفاعی قومیت متحدہ کو کانگریس قوم کہتی ہے۔ اور اگر وہ یہ بھی کہے تو آزادی خواہ مسلمان اس مسئلہ کی صرف اتنی ہی حقیقت سمجھتے ہیں۔

(مدینہ اخبار یکم فروری ۱۹۴۳ء نمبر ۸ ج ۳۲)

اس تحریری بیان سے جو نہایت مستند ہے واضح ہوجاتا ہے کہ موضوع بحث یہ نہیں کہ مسلمان اور ہندو دو قوم ہیں۔ یا ایک قوم۔ بلکہ موضوع بحث یہ ہے کہ (۱) آیا برطانوی سامراج کا پنجۂ استبداد کو توڑنے اور مروڑنے کے لئے۔ ہندو مسلمان ایک قوم کی طرح مشترکہ جدوجہد کرسکتے ہیں یا نہیں (۲) آیا ہندو اور مسلمان کو دو قوم قرار دے کر تقسیم ہندوستان کا مطالبہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے یا تباہ کن۔ جہاں تک سوال کا تعلق ہے تو خود لیگی حضرات کے مذکورہ بالا اقوال اس کے جواز اور اس کی درستی کی شہادت دینے کے لئے کافی ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑنے کے بعد سے آج تک سیکڑوں علماء کے فتاویٰ اس کے جواز کے متعلق بار بار شائع ہو چکے ہیں۔ ایک انصاف پسند کے لئے وہ بہت کافی ہیں۔ جدید طوالت کی ضرورت نہیں۔ رہا دوسرا مسئلہ یعنی دو قوم قرار دے کر تقسیم ہند کا مطالبہ تو اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ قسمتی سے لیگ نے اس نظریہ کو اپنالیا ہے۔ مگر وہ درحقیقت مسلمانوں کے لئے تباہ کن ہے۔

اس نظریہ کے بموجب اسلام اور قوم تقریباً مرادف ہو جاتا ہے۔ اسلام اور قوم کو ہم معنی اور مساوی مانتے ہیں سب سے پہلی مذہبی قباحت یہ لازم آتی ہے کہ اعمال اور عقائد کا سوال قطعاً ختم ہو جاتا ہے۔ اور لفظ اسلام لفظ ہندو کی طرح ایسا ہمہ گیر اور عام ہو جاتا ہے کہ اُس کی کوئی جامع مانع تعریف نہیں رہ سکتی۔ سرسید نے سفر پنجاب میں ہندوؤں کو خطاب کرتے وقت فرمایا تھا "آپ نے جو لفظ اپنے لئے ہندو کا استعمال کیا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک شخص جو ہندوستان کا رہنے والا ہے اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے۔ بس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجودیکہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں ہندو نہیں سمجھتے۔

(سفرنامہ پنجاب سرسید صفحہ ۳۹) (بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۲۷۲) طبع سوم

اسی طرح اسلام بھی اُن مخصوص عقائد کا نام نہ رہے گا جو علماء حق کے نزدیک صحیح ہیں۔ اور قرآن و سنت سے ثابت ہیں بلکہ ہر وہ شخص جو مسلم گھرانے میں پیدا ہوا خواہ عقیدہ کچھ بھی رکھتا ہو اور خواہ وہ کمیونسٹوں کی طرح منکر خدا ہو مسلم حقوق کا مالک ہوگا اور مسلم معاشرت کا مساوی طور پر حصہ دار اور پھر اگر خدانخواستہ پاکستان بن گیا تو ہر پاکستانی مسلم کہلائے گا۔ جس طرح سرسید کا مطالبہ تھا کہ ہر ہندوستانی کو ہندو کہا جائے۔ ایسے ہی ہر پاکستانی مسلمان کہلائے گا۔ خواہ عقیدہ کچھ ہو بالفاظ دیگر ایک برہمن برہمن ہے۔ ایک کھتری۔ کھتری ہے۔ ایک ویش۔ ویش ہے۔ خواہ عقیدہ اور عمل کچھ بھی ہو ایک جرمن۔ جرمن ہے۔ ایک فرانسیسی فرانسیسی ہے کیونکہ جرمن یا فرانسیسی نیشن سے تعلق رکھتا ہے عمل اور عقیدہ خواہ کچھ ہو اسی طرح جو مسلم نیشن سے تعلق رکھے گا مسلم کہلائے گا خواہ عمل اور عقیدہ کچھ ہو۔ آج مسٹر جناح مفتی کی حیثیت اختیار کر کے مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا آزاد اور پاکستان کے مخالفین کو بے ایمان کہہ رہے ہیں۔ مسٹر جناح کی یہ حیثیت اسی نتیجہ بد کی جھلک ہے۔ پھر یہ ایک عجیب لطف ہے کہ ایک طرف یہ دعویٰ کہ اسلام جغرافیہ اور نسل کی تمام بندشوں کو توڑ کر ہمہ گیر اور عالمگیر مذہب ہے اور دوسری جانب اُس کو پاکستان کی جغرافیائی حدود میں محدود کر دیا جائیگا۔ یہ حد بندی تبلیغی نقطۂ نظر سے بھی انتہا درجہ مضر ہوگی کیونکہ اس صورت میں ہندو ہندوستان کے کسی ہندو یا عیسائی کو اسلام کی دعوت دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ پاکستانی بننے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اُس کی شکل ایسی ہوگی کہ ایک برطانوی کو جرمنی بننے اور جرمن نیشن میں داخل ہونے کی دعوت دیجائے۔ بہر حال اگر جغرافیائی حیثیت نمایاں ہوگی تو یہ تباہ کن نقصان لازمی ہے اور اگر مذہبی حیثیت اُبھری رہی تو جب مذہب پر نیشن کا مدار ہوگا۔ اور بحیثیت نیشن ملک کی تقسیم ہوگی تو ہندوستان صرف دو حصوں ہی میں تقسیم نہ ہوگا بلکہ ہر ایک حصہ میں درجنوں حصے نکلیں گے اور اس کا بیشتر نقصان خاص پاکستانی علاقوں کو اٹھانا پڑے گا۔ آخر سکھ۔ عیسائی۔ پارسی وغیرہ ہندوستان کے بیشمار مذاہب والوں کو مطالبۂ تقسیم سے کیا چیز منع کرے گی۔ اور جب مذہبی بنیاد پر ملکی تقسیم ہوئی تو یہ صرف صوبجات ہی تک کیوں محدود رہیگی۔ ہر ایک میونسپلٹی اور ہر ایک ڈسٹرکٹ بورڈ میں یہ تقسیم ہونی چاہیئے۔ مسلم محلے مسلم مواضع ہندو اور سکھ محلوں اور مواضع سے جدا ہوں اور ہر ایک کی علیحدہ میونسپلٹی ہو۔ علیحدہ ڈسٹرکٹ بورڈ ہو۔ اس تقسیم در تقسیم میں کسی کا فائدہ ہوگا اور کسی کا نقصان۔ یہ چیز آج غور کرنے کی ہے۔ نقصان سراسر مسلمانوں کا ہوگا جن کے صوبوں میں ۴۵ اور ۴۰ فیصدی غیر مسلم ہوں گے اور فائدہ اُن کا ہوگا جن کے ایک مفکر۔ سرجان سیلکم کا ارشاد ہے۔ اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری جو بڑی جماعتیں ہیں انکی عام تقسیم ہو اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے اُس وقت غالباً کوئی بغاوت اُٹھکر ہماری قوت کے استحکام کو متزلزل نہ کریگی۔

(عہد کمپنی کی تاریخ تعلیم از میجر باسو صفحہ ۱۸۰ بحوالہ شاندار ماضی و روشن مستقبل صفحہ ۲۶)

بہرحال یہ برطانوی ڈپلومیسی کس قدر حیرت انگیز ہے کہ مسلمان اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں اور اس قدر وارفتہ ہیں کہ اس بربادی کو آبادی سمجھ رہے ہیں۔ (والی اللہ المشتکیٰ)

ایک اہم سوال ٹونیشن (دو قوم) کے اُصول پر اگر تقسیم کا مطالبہ ہوسکتا ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسی اُصول کے بموجب مرکز میں مساوی نمائندگی کا مطالبہ کیا جائے جیسا کہ نواب زادہ اور ڈیسائی فارمولا میں ہندو مسلمان دونوں کے لئے چالیس چالیس فیصدی نمائندگی طے کی گئی تھی۔ اس صورت کو قطعاً نظر انداز کرکے تقسیم ہند کے مطالبہ پر کیوں زور دیا جارہا ہے کیا یہ واقع اس حقیقت کو روشن کرنے کے لئے کافی نہیں کہ (کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں)۔

شاہراہِ مستقیم

پاکستان کے مبہم مطالبہ نے (۱) ہندوہندوستان کے تقریباً تین کروڑ مسلمانوں کو صرف ایک معاہدہ کا اطمینان دلایا۔ جو پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ہوگا درانحالیکہ ہندوہندوستان اس کا اتنا محتاج نہ ہوگا جتنا کہ پاکستان کیونکہ ہندوہندوستان میں مسلم آبادی اوسطاً دس فیصدی ہوگی اور پاکستان میں غیر مسلم آبادی تقریباً چالیس فیصدی (۲) پاکستان میں جمہوری حکومت کا اعلان کرکے اسلامی حقوق کو پنجاب میں ۴۴ فیصدی اور بنگال میں ۴۴ فیصدی اور آسام میں ۶۶ فیصدی غیر مسلم کی مرضی پر معلق کردیا۔ (۳) پاکستانی اور غیر پاکستانی کی تقسیم کرکے ہندوستان کی دس کروڑ مسلم آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ (۴) تقسیم بربنا مذہب کا اُصول قائم کرکے ہندوستان اور بالخصوص پاکستان کو بہت سے حصوں پر منقسم کردیا۔ (۵) اقوام ہند میں افتراق وانفصال کی تخم ریزی کرکے متحدہ ہندوستان کی عظیم الشان طاقت کو کمزور کردیا۔ (۶) بہانہ صرف یہ کہ مرکز میں ہندو اکثریت کے خطرہ سے مسلمان محفوظ ہوجائیں گے ہمارے نزدیک حقوق دو قسم کے ہیں۔

(الف) اسلامی حقوق مثلاً محاکم شرعیہ کا قیام مسلم حلقوں میں قانون شریعت کا نفاذ وغیرہ۔

(ب) مسلمانوں کے حقوق مثلاً وزارتیں۔ ملازمتیں۔ اسمبلیوں وغیرہ میں نشستیں۔

پاکستانی علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت کے باعث مسلمانوں کے حقوق کے متعلق تو اطمینان کیا جاسکتا ہے مگر جب کہ حکومت جمہوری ہو اور مسٹر جناح کے حالیہ اعلان کے بموجب سوشلزم کی بنیادوں پر نظام حکومت ہو تو صرف پاکستانی حیثیت کو اسلامی حقوق کے تحفظ کے متعلق کافی قرار دے لینا نادانی اور سراسر سادہ لوحی ہے۔ بالخصوص اِس صورت میں کہ پارٹی بحیر کیونسٹ جنگ میں داخل ہوکر اُس کی اصلاح کے درپے ہوں۔ یا مقصد برادری کرہے ہوں اور اسلام کے خوف باطلہ کو بھی مسلم لیگ مساوی حیثیت دے رہی ہو۔

تحفظ حقوق اسلامی کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء امارت شرعیہ کے قیام کی حامی رہی جس کا ایک نمونہ صوبہ بہار میں تحریک خلافت کے زمانہ سے قائم ہے نیز وہ اجلاس سہارنپور منعقدہ اگست ۱۹۴۵ء میں طے کرچکی ہے کہ جو دستور اساسی ہندوستان کے لئے مرتب ہو اُس میں۔ (۱) ہندوستان کی مختلف ملتوں کے کلچر۔ رسم الخط۔ پیشہ۔ مذہبی تعلیم۔ مذہبی تبلیغ۔ مذہبی آزادی۔ مذہبی عقائد۔ مذہبی اعمال۔ عبادت گاہیں۔ اوقاف آزاد ہوں گے۔ حکومت اُن میں مداخلت نہ کریگی۔ (۲) دستور اساسی میں اسلامی پرسنل لا کی حفاظت کے لئے خاص دفعہ رکھی جائے گی جس میں تصریح ہوگی کہ مجالس مقننہ اور حکومت کی جانب سے اُس میں مداخلت نہ کی جائیگی۔ اور پرسنل لا کی مثال کے طور پر یہ چیزیں فٹ نوٹ میں درج کیجائیگی

شلاً احکام نکاح ۔ طلاق ۔ رجعت ۔ عدت ۔ خیار البلوغ ۔ تفریق زوجین ۔ خلع ۔ عنین ۔ مفقود ۔ نفقۂ زوجیت ۔ حضانیت ۔ ولایت نکاح ۔ وراثت ۔ وقف ۔ وصیت ۔ تکفین و تدفین ۔ قربانی وغیرہ (۳) مسلمانوں کے لئے ایسے مقدمات فیصل کرنے کے واسطے جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے مسلم قاضیوں کا تقرر کیا جائے گا اور اُن کو اختیارات تفویض کے جائیں گے ۔ پھر اجلاس سہارنپور ۱۹۴۵ء کی دفعہ (ب) کے الفاظ یہ ہیں ۔ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے ۔ اُن کا مذہب آزاد ہوگا ۔ مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جسکی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو ۔

حقوق مسلم پاکستانی اسکیم کے ذریعہ جس قدر حقوق پاکستانی مسلمانوں کو پاکستان میں حاصل ہوتے ہیں ۔ جمیۃ علماء ہند کی رو سے وہ تمام حقوق پاکستانی مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ ہندو ہندوستان کے تین کروڑ مسلمان کسی جدید معاہدہ وغیرہ کے صوبائی حکومت میں حصہ دار ہوتے ہیں اور مرکز میں بھی اُن کا حصہ مساویانہ رہتا ہے ۔ ملاحظہ فرمایئے تجویز کے الفاظ یہ ہیں ۔ (ج) ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کے حامی ہیں ۔ غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو ۔ (د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی ، ملک نو کروڑ (دس کروڑ) نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اُصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی ۔ سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں ۔ تشکیل مرکز کے متعلق جمیۃ علماء نے ایک تشریح کے ضمن میں چند صورتیں پیش کی ہیں تشریح کے الفاظ درج ذیل ہیں ۔

(تشریح ملاحظہ ہو)

تشریح اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اُصول اور اُن کا مقصد واضح ہے کہ جمیۃ علماء مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ۔ وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور ایک مرکز پسند کرتی ہے کیونکہ اُس کے خیال میں مجموعہ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہ مفید ہے مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لئے حق خود ارادیت تسلیم کر لیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی سیاسی تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کر سکے مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے ۔ باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا اُن کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے ممکن ہے ۔

(۱) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو ۔ ہندو ۴۵ ۔ مسلم ۴۵ ۔ دیگر اقلیتیں ۱۰ ۔

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثرانداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی ۔

(۳) ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کے آخری فیصلے کرے گا ۔ نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے یا نہ ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت کے فیصلے سے

اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

(۴) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔　(ملاحظہ ہو رپورٹ اجلاس جمعیۃ علماء ہند سہارنپور)

مسٹر جناح نے اعلان فرمایا ہے کہ پاکستانی حکومت سوشلزم کی بنیادوں پر قائم کی جائے گی۔ پاکستان میں سوشلزم یا کمیونزم یا کسی ازم کی بنیاد پر حکومت کے قیام کے یہ معنی ہوں گے کہ نہ صرف اسلامی حکومت کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ بلکہ یہ بھی مشکل ہو جائے گا کہ وزارت میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ بلکہ اقتصادی اُصول پر پارٹیوں کا الیکشن ہو گا اور جو پارٹی غالب ہو گی۔ اُسی کی وزارت بنے گی خواہ مذہب کچھ بھی ہو۔ لیکن مسٹر جناح کچھ وسعت اور فراخ حوصلگی سے کام لیں اور صرف پاکستان کے بجائے متحدہ ہندوستان میں حکومت کی بنیاد سوشلزم کے اُصول پر ہو تو تشکیل مرکز کی ایک ایسی صورت ہو کہ پورے ہندوستان کے لئے بھی وہ مفید ہو اور مسلمانوں کو بھی اقلیت کی بنا پر جو مذہبی خطرات درپیش ہیں وہ کافور ہو جائیں کیونکہ اس صورت میں پارٹیوں کی نمائندگی مذہب کی بنا پر نہ ہوگی بلکہ سیاسی پروگرام کے موجب ہو گی اور مذہبی مسائل مرکز کے موضوع بحث سے خارج ہو جائیں گے۔ بہرحال تشکیل مرکز کی ایسی بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جس سے وہ خطرہ قطعاً زائل ہو جائے جس کی بنا پر تقسیم ہند کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

آج جبکہ باہمی اشتراک و تعاون سے یکجائی وفاق اور متحدہ محاذ بنانے کی لہر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور بڑی سے بڑی مرکزی حکومتیں بھی اس اشتراک و تعاون کی محتاج ہیں مسلمانان ہند بجائے اس کے کہ وہ افغانستان۔ ایران۔ مصر۔ عراق۔ شام۔ فلسطین۔ حجاز۔ سماترا۔ جاوا اور چین جہاں ہندوستان سے بھی زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ اُن سب کو ملا کر ایک ایشیائی وفاق بنانے کی کوشش کریں۔ جس میں مسلمانوں کی حیثیت بہت بلند اور بہت نمایاں ہو بلکہ قیادت مسلمانوں کے حصہ ہی میں آئے۔ وہ خود ہندوستان کو حصے بخرے کر کے مفتوح اور اپاہج بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس سعی ہی میں کہ خود اپنے ہاتھوں ہندوستان میں ایک السٹر قائم کر دیں کہ اگر ہندو ہندوستان کو ئٹ انڈیا (ہندوستان خالی کرو) کی تحریک میں کامیاب ہو کر اپنے حصہ کو انگریز کی دستبرد سے محفوظ کرے تو آئرلینڈ کی طرح ہندوستان کے پاکستان میں انگریز کا تسلط بدستور باقی رہے جس کے بہانے سے وہ تمام اسلامی ممالک بلکہ تمام ایشیا کو اپنی اغراض کا آماجگاہ بنائے رکھے۔ (بالیت قومی یعنی عدن)

ایک سوال اور اُس کا جواب

جمعیۃ علماء ہند کی اس واضح اور صاف تجویز کے بعد حامیان پاکستان اپنی خفت مٹانے کے لئے سوال کرتے ہیں کہ کیا جمعیۃ علماء اس تجویز کو کانگریس سے منظور کرا چکی ہے۔ مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ پاکستانی اسکیم بھی اب تک اسکیم ہی ہے اُس کو نہ کانگریس نے اب تک منظور کیا نہ اُس مہربان برطانیہ نے جس کا ہر ایک مہرہ۔ آج انتخابی مہم میں لیگ کی حمایت میں سرگرم نظر آ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس نے نمائندہ اسمبلی کا مطالبہ اس لئے کیا ہے کہ اہل ملک اپنی مصلحتوں اور ضرورتوں کو سوچ سمجھ کر ہندوستان کے لئے آئین بنائیں اُس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غور کریں کہ آیا تقسیم ہند اُن کے لئے بہتر ہے یا جمعیۃ علماء ہند کی متبادل تجویز آخری فیصلہ نمائندہ اسمبلی کے ہاتھ میں ہو گا۔

علاوہ ازیں واقعہ یہ ہے کہ صوبجات کی مکمل آزادی۔ غیر مصرحہ اختیارات کا صوبہ جات کے حوالہ ہونا۔ صوبجات کے لئے حق خود ارادیت کانگریس تسلیم کر چکی ہے ہر ایک مذہب اور ہر ایک تمدن کی آزادی کا اُصول بھی کانگریس کے (فنڈامنٹل رائیٹس) بنیادی اُصول میں تسلیم کیا جا چکا ہے تشکیل مرکز کا مسئلہ ابھی افہام و تفہیم کا محتاج ہے۔ اگر مسلمان پاکستانی مطالبہ کی لغویت کو محسوس کر کے جمعیۃ علماء کی حمایت کریں اور انتخابات میں اس کا ساتھ دیں تو کوئی طاقت نہیں جو تشکیل مرکز کے سلسلے میں مسلمانوں کے مطالبہ کو نظر انداز کر سکے۔

پاکستان اور بانی پاکستان

پاکستان کو خود مسلم لیگ کے نقطۂ خیال سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ مسلم لیگ کے قائد مسٹر محمد علی جناح کی ان تقریروں کا مطالعہ کریں جس میں اُنھوں نے پاکستان کے حق میں جغرافیائی، معاشی، صنعتی، زراعتی اور سیاسی نقطۂ نظر سے وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ان تمام تقریروں کو اُردو زبان میں کتابی شکل میں "ارشادات جناح" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں مسٹر جناح کی وہ تقریریں بھی شامل ہیں جن میں مسٹر جناح اور کانگریسی لیڈروں میں زبردست نوک جھونک ہی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پاکستان کے تمام پہلو سامنے آجائیں گے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پاکستان کے حامیوں کا اصل مقصد کیا ہے نیز آپ کا دماغ خود بخود یہ فیصلہ کرے گا کہ پاکستان ممکن ہے یا ناممکن؟ یہ کتاب جلد منگوائیے۔ قیمت دو روپیہ چار آنہ (۲؍۴)

خطبات جناح اس کتاب میں مسٹر محمد علی جناح کے تمام صدارتی خطبے اُردو زبان میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ قیمت تین روپیہ (۳؍)

حرف اقبال اس کتاب میں علامہ مرحوم کے تمام خطباتِ صدارت تقاریر اور بیانات یکجا جمع کر دئے گئے ہیں۔ علامہ اقبال نے سب سے پہلے الہ آباد کانفرنس کے خطبہ صدارت میں پاکستان کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ ہندوستان کی نجات کا واحد حل یہی ہے اسی لئے علامہ اقبال کو بانی پاکستان کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی تقریروں میں ہندوستان کی تقسیم کے وجوہات پر بھی پوری روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتب مطالعہ کی چیزوں سے خالی نہیں۔ قیمت تین روپے (۳؍) ان کے علاوہ اپنی پسند کی کتابیں منگائیے۔

ادبستان۔ بیرون موچی دروازہ لاہور

شاندار افتتاح

پرکاش پکچرز کا سوشل فلم جو ہر گھر اور گھر والوں کی زندگی کا عکس لطیف ہے

اور جس میں

موسیقی، مزاح اور جذبات کا تلاطم خیز سمندر موجزن ہے



ستارے

رنجنا۔ جیون

سمتی گپتے

سوشیل کمار۔ اُماں کانت

راج کماری شکلا



ڈائرکشن

شانتی کمار

موسیقی

گوبند رام





رٹز سینما میں جمعہ ۲۱ دسمبر سے شروع

جاری کردہ: ڈیسائی اینڈ کمپنی لاہور دہلی

پاکستان کے متعلق میری رائے

از ——————— ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے نہ تو پاکستان سے مخالفت ہے اور نہ ہندوستان کے ان شمالی مغربی و شمالی مشرقی حصوں میں قائم ہونے والی آزاد مسلم حکومت سے۔ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جبکہ بقول مسلم لیگی حضرات میں ہی اس اسکیم کا بانی ہوں۔ اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کا نعرہ بلند کیا۔ مزید یہی نہیں بلکہ اس تقسیم کی بنیاد پر ہندوستان کے لئے آئین بھی تیار کیا۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجھ میں اور مسٹر جناح یعنی قائد اعظم کی پاکستانی اسکیم جسے لاہور ریزولیشن کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ کیوں اور کس طرح کا اختلاف ہے۔

مسٹر جناح کا یہ خیال ہے کہ پاکستان ایک بالکل علٰحدہ حکومت ہوگی۔ اسے بقیہ ہندوستان سے کسی قسم کا قانونی لگاؤ نہ ہوگا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر پاکستان کی بنیاد انھیں اصولوں پر ہے تو یہ اصول پاکستانی ریاستوں کے حق میں زہر ہلاہل ہوں گے۔ اگر یہ پاکستانی ریاستیں اپنی اور ہندو اکثریت والے حصوں کے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی چاہتی ہیں تو انھیں اپنی اندرونی آزادی کے ساتھ ساتھ چند خارجی امور کیلئے جس کا لگاؤ سارے ہندوستان سے ہوگا بقیہ ہندوستان سے اشتراکِ عمل کرنا ضروری ہے۔ علٰحدہ پاکستان کے اصول پر میں نے مختلف پہلوؤں سے نگاہ ڈالی خصوصاً جغرافیائی اور معاشیاتی نقطۂ نظر سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس قسم کا پاکستان جلدی یا کچھ دنوں بعد اپنی آزادی کھو دیگا۔ اور اُسکی حیثیت یا تو ایک باجگذار ریاست کی سی ہو جائیگی یا پھر بقیہ ہندوستان سے اشتراک عمل کرنا ہی ہوگا۔

لاہور رزولیشن کے مطابق پاکستان کے اندر وہی خطے شامل ہوں گے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اس لحاظ سے شمال مغرب میں نصف پنجاب (انبالہ ڈویزن و کانگڑہ دہلی کا علاقہ) چھوٹ جاتا ہے۔ شمال مغرب میں لاہور کے مغرب تک کا پورا علاقہ اور شمال مشرق میں مشرقی بنگال اور آسام میں سلہٹ تک کا رقبہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ اگر اس کا رقبہ بڑھانا چاہیں تو ان کے سامنے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اندرونی شمالی علاقہ کی مسلم آبادی کو ان علاقوں میں تبادلہ آبادی کے ذریعہ بلالیں دوسرے یہ کہ ان علاقوں کی غیر مسلم آبادی کو تیار کریں کہ وہ پاکستان میں شامل ہو جائیں

تبادلہ آبادی انھیں پسند نہیں۔ ان میں سلف کے مسلمانوں کی سی قربانی کا جذبہ نہیں۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ غیر مسلم آبادی والے خطہ کو پاکستان میں شامل ہونے کیلئے رضامند کریں۔ اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئے تو یقینی پاکستان کا رقبہ وسیع ہو جائیگا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ پاکستان اس طرح کا ہوگا جیسا کہ یہ کہتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق پاکستان کو اسلامی حکومت کا نمونہ ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پاکستان کبھی بھی ان کے قول کے مطابق نہ ہوگا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ ایک مشترکہ حکومت ہوگی پاکستان نہیں۔ انھیں ایک مشترکہ گورنمنٹ بنانی ہوگی جو کسی صورت میں بھی حکومت الٰہیہ نہیں کہی جاسکتی۔ غیر مسلم آبادی کے ساتھ بتادی ہوئی آبادی کا سا سلوک نہیں کیا جاسکتا۔ یقین مانئے کہ اس طرح کا پاکستان ان کے سامنے پھر اسی طرح کے فرسودہ و پیچیدہ خانگی سوالات پیش کردے گا۔ جس کا حل انھوں نے اپنے معیار کے مطابق لاہور ریزولیشن میں پیش کیا ہے۔

اگر واقعی مسلم لیگ پاکستان بنانے کی دلی خواہش رکھتی ہے اور بے چین ہے تو اسے شمالی مغربی و شمالی مشرقی ہندوستان کے ان علاقوں پر جہاں غیر مسلم اکثریت ہے، حکومت کرنے کے ارادہ کو ختم کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ جس وقت اسے خود مختاری حاصل ہوگی دوسری پارٹیاں ان غیر مسلم علاقوں کا آزادیکر مقابلہ کیلئے صف آرا ہو جائیں گی۔ ان علاقوں کے علٰحدگی کے بعد ان کے پاس سوائے دو مسلم اکثریت کے خطے کے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کچھ بھی نہ بچے گا۔ رونا تو یہ ہے کہ یہ دو خطے بھی غربت کے زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان برّی اور بحری فاصلہ بھی کافی ہے۔ ایسی صورت میں ان دو خطوں سے مرکب ایک فیڈرل حکومت کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ بعض مسلم لیگی مفکروں نے اس فاصلہ کو پاکستان کے دونوں بازوؤں پر ایک دالان یا سائبان سے تشبیہ دی ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ سائبان ایک ایسا سائبان ہے جو بذات خود ایک خطہ کی حیثیت رکھتا ہے اور غیر مسلموں سے آباد ہے۔ کیا اس طرح کا دعویٰ کامیاب ہو سکتا ہے؟ کیا لاہور ریزولیشن اس کی اجازت دیتا ہے؟ یہ بیچ ہے سمندر اللہ کا عطیہ ہے اور اسے کسی قوم کو اپنانے کا حق نہیں۔ یہ ان خطوں کو ملحق کر سکتا ہے۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ ایک مستحکم بحری بیڑہ رکھ سکتے ہیں جو جنگ و جدال کے موقع پر بھی کام دے سکے اور ان علاقوں کے الحاق کا بھی باعث ہو۔

معاشیاتی پیچیدگیاں

کیا ایسے معاشی (ECNOMIC) ذرائع جو محدود اور غیر ترقی یافتہ ہیں۔ ایک موجودہ طرز کے اسٹیٹ کے متحمل ہو سکتے ہیں؟ کیا خطے اپنے تحفظ کے اخراجات کو بغیر کسی مدد کے برداشت کر سکتے ہیں؟ کیا ان خطوں میں موجودہ دور کے بڑے بڑے کارخانوں کو چلانے اور ان کے ذریعہ قوم کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کی صلاحیت اگر نہیں ہے تو پھر کیوں ہم ہندوستان کے ان ذخیروں سے محروم ہو جائیں جسے قدرت نے ہمیں ودیعت کی ہے۔

مسلمانوں کی حالت اقلیت کے صوبوں میں

جغرافیائی اور معاشیاتی نقصان کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو سوال ان لاکھوں مسلمانوں کا جو ہندو اکثریت کے صوبوں میں ہیں، ہمیں دیکھنا ہے کہ پاکستان ہندوستان سے علٰحدہ رہ کر کس طرح ان لاکھوں مسلمانوں کی بھلائی کر سکتا ہے؟ لاہور ریزولیشن تو ان مفلوک الحال مسلمانوں کیلئے سیف گارڈ حاصل کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سیف گارڈ کس کے ذریعہ حاصل ہوگا۔ سرکار برطانیہ یا پاکستان کے ذریعہ اس سیف گارڈ کو عمل میں لانے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا یہ ہر اس موقع پر جب مسلم اقلیت پر ظلم ڈھایا جائیگا کارآمد ثابت ہوگا؟ کیا آزاد ہندوستان اس قسم کے خارجی فرمان کو مان لینے کیلئے تیار ہوگا؟ بعض مسلم لیگی حضرات اس سوال کا یہ حل پیش کرتے ہیں کہ اگر ہندو اکثریت نے مسلمانوں پر

ظلم کیا تو وہ بھی ہندو اقلیت کو کچل ڈالیں گے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندو اقلیت آپ کے تابعداری کا دم بھرے تو ایسی صورت میں بھی آپ ان پر ظلم کا پہاڑ ڈھائیں گے؟ کیا اسلام آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہے؟

مسلم کلچر

اس علیحدگی اور کنارہ کشی کا تصور رکھتے ہوئے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کا ہمارے کلچر پر کیا اثر پڑے گا ہم ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک متحدہ قومیت کا تصور رکھتے ہیں۔ اگر اس طرح کی علیحدہ علیحدہ مسلم ریاستیں قائم ہو گئیں تو یہ دعویٰ بھی باطل ہوتا نظر آئیگا۔ کیا ایسی صورت میں ہم اپنے کلچر کا استحفاظ قائم رکھ سکتے ہیں؟ اس کنارہ کشی سے کیا ممکن نہیں کہ مسلم اقلیت والے صوبوں میں ہم پر اکثریت کا ایسا اثر ہو کہ ہم اپنی تہذیب، اپنا تمدن اور اپنا کلچر سب بھول جائیں اور ہمیشہ کیلئے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیں۔

اسی کا رونا مولانا حالی نے اپنی کتاب شکوہ ہند میں رویا ہے۔

گو یقیں ہے رفتہ رفتہ یاد ایام سلف — دل سے چھوڑے گی نہ گردش دورِ زماں
بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر — ٹوٹ کر آئے کہاں سے اور پکے آکر کہاں

اس قسم کا نظارہ اس وقت بھی ہمیں دیہاتی علاقوں میں دکھائی دیتا ہے کیا ہندوستان کو بہت سے صوبوں اور دیسی ریاستوں کے مسلمانوں کی تہذیب، تمدن، کلچر اور انتہا یہ کہ اعتقاد بھی نیچے ذات کے ہندوؤں سے ملتے جلتے نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو پھر اس طرح کی علیحدگی جسے پاکستان کہا جاتا ہے کسی صورت میں بھی کارآمد ثابت نہ ہوگی۔

ہندوستان کی مسلم ریاستیں

ہندوستان کی مسلم دیسی ریاستیں جن کے ارد گرد ہندوستان ہوگا اور جہاں کی آبادی ہندو اکثریت پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق کیا ہوگا؟ آیا ان کی حیثیت ایک خود مختار ریاست کی ہوگی یا سارے ہندوستان کے کامن ویلتھ میں ایک باعزت جزو کی حیثیت حاصل ہوگی۔

ایک مرکز کی ضرورت

سنہ ۱۹۳۹ء میں جب آل انڈیا مسلم ورکنگ کمیٹی کے سامنے ایک آئین مرتب کرنے کا سوال درپیش تھا تو میں نے متذکرہ بالا امور کو سامنے رکھ کر یہ صلاح دی تھی کہ مسلم دیسی ریاستوں سے مل کر ایک یونین بنائی جائے جو کہ مرکز میں ان مسائل پر جس میں مسلم اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں و نیز دیسی مسلم ریاستوں کا تعلق ہو۔ نمائندگی کرے۔

بعد میں اس طرح کے ایک مرکز کی انہیں بھی ضرورت محسوس ہوئی جسے سر سکندر حیات مرحوم اور مسٹر سید رضوان اللہ لکھنوی نے تجویز کی صورت میں لاہور کے اجلاس میں پیش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور ریزولیشن سنہ ۱۹۴۰ء نے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی "تحفظ" خارجی معاملات نقل و حرکت اور تجارت وغیرہ کے متعلق ایک آئین مرتب کرنے کی اجازت دی۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ پاکستانی حکومت کو آئندہ ایسے معاملات میں جس کا سارے ہندوستان سے تعلق ہو عارضی طور پر دوسروں سے اشتراک عمل کرنا ہی ہوگا۔ اگر یہ معنی ہیں تو پھر کس بنا پر مسٹر جناح دنیا کو بڑے آب و تاب کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ کسی قسم کے مشترکہ مرکز کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہوگی۔

اگر یہ سچ ہے تو پھر وہ مجھے بتائیں کہ لاہور ریزولیشن میں جن محکموں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا منتظم اس وقت تک کیلئے کون ہوگا؟ جب تک کہ پاکستانی حکومت اس قابل نہ ہو جائیگی کہ اس کا انتظام کر سکے؟ کیا وہ چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں لندن کیلئے چھوڑ دی جائیں؟ کیا لیگ واقعی اس کیلئے تیار ہے؟ اگر لیگ اس کیلئے تیار ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئینی لحاظ سے پاکستان کی کیا پوزیشن ہوگی؟ ویسٹ منسٹر کے

آئین اور کرپس پلان کے مطابق تو خود مختار حکومت (Dominion) اسکو کہتے ہیں جو ان محکوموں کی ہی ختم ہو۔ ایسی صورت میں پاکستان کی حیثیت ایک محکوم حکومت کی سی رہ جاتی ہے۔ کیا ہم لوگوں کے محنت و کوشش کا یہی صلہ ہوگا ؟

مجھے تو خوف ہے کہ مسٹر جناح اسی قسم کا صلہ دینا چاہتے ہیں' شروع میں میں نے سمجھا تھا کہ علیحدگی کا اعلان صرف اپنے حقوق کو منوانے کیلئے کیا گیا ہے۔ لیکن اب یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ حقیقت ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ حقیقت میں اس قسم کی چیز اگر ہوئی تو مسلمانوں اور ملک کی انتہا درجہ کی بدنصیبی ہوگی مسٹر جناح شمال مغرب کے چار صوبے (پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد) اور شمال مشرق میں پورا بنگال و آسام کو بنا کر ایک پاکستانی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن آزادی کے متعلق ان کا کیا خیال ہے' یہ بالکل خاموش ہیں۔

مارچ ۱۹۴۲ء میں لندن نیوز کرانیکل کے نمائندے کو انٹرویو دیتے وقت مسٹر جناح نے اپنے پاکستان کا خاکہ کھینچتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ جس وقت پاکستان ہندوستان سے علیحدہ ہو جائیگا اس وقت ایک عارضی مدت کیلئے سرکار برطانیہ کا رہنا ضروری ہے۔ یہ عارضی مدت اس وقت تک رہے گی جبکہ ہندو مسلمان دونوں نئے آئین کی ترتیب حاصل نہ کریں اور ہندوستان کی یہ دو قومیں سرکار برطانیہ سے الگ الگ معاہدہ کریں گی ٹھیک اسی طرح جس طرح مصر نے آزادی حاصل کرنے کے بعد برطانیہ سے کیا تھا۔

نیوز کرانیکل کے نمائندہ کے اس سوال پر کہ اگر برطانیہ اس وقت بھی یہ کہے کہ "پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات ہمسایہ ریاست ہونے کی حیثیت سے خوشگوار نہیں ہیں؟ اپنا تسلط قائم رکھے تو کیا ہوگا؟ مسٹر جناح نے جواب دیا "ایسا ہو سکتا ہے" لیکن ہونے کے امکان نہیں ہیں۔ جب ہم لوگ آزاد ہوں گے تو گورنمنٹ برطانیہ سے آسانی کے ساتھ معاملہ طے کر سکتے ہیں اور ایک معاہدہ قائم ہو سکتا ہے۔ جو کہ اسوقت باہمی کشمکش کی وجہ سے ممکن نہیں کیا اس قسم کا پاکستان حقیقت میں ویسٹ منسٹر کے آئین جس میں ایک آزاد حکومت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ برطانیہ کی طرح اپنے خارجی و تحفظی معاملات میں ایک آزاد حکومت ہوگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان اس کے صدر کے قول کے مطابق ایک ایسی ہندوستانی جاگیری ریاست ہوگی جس کا کوئی وارث نہ ہو' مزید یہ کہ مسٹر جناح مصر کی سی آزادی چاہتے ہیں اور ملک کو اتنا ہی ترقی یافتہ بھی قابل احترام ہے ان کا مذکورہ معیار اور تخیل۔

ہر ایک سمجھدار انسان اگر ٹریٹی آف الائنس (Treety of Alliance) جس کے ذریعہ مصر کی آزادی سرکار برطانیہ نے ۱۹۳۶ء میں تسلیم کی ہے اور خاص کر اس کے دفعہ آٹھ کا مطالعہ کیا ہے جس میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ نہر سوئز کے تحفظ کیلئے دستور اساسی انگلستان کے ذمہ افسر مرتب کریں گے" تو یہ چیز روز روشن کی طرح آشکار ہو جائیگی کہ حقیقت میں برطانیہ کا اقتدار مصر پر اب تک قائم ہے' مصر بغیر برطانیہ کی اجازت یا رضامندی حاصل کئے ہوئے کسی دوسرے ممالک سے معاہدہ نہیں کر سکتا۔

ہندوستان کی تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے ہمیشہ کورانہ تقلید کو برا جانا۔ ان کا جو بھی قدم اٹھتا تھا بہت ہی سوچ و بچار کا نتیجہ ہوتا تھا لیکن افسوس صد افسوس کہ آج مسلمان خود ہی کورانہ تقلید کے شکار ہو گئے اب وہ بغیر سوچے سمجھے جو کچھ بھی انھیں کہا جاتا ہے مان لیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ آخر اس کے بعد کیا ہوگا اور صد ہزار افسوس کہ کورانہ تقلید اب ان کا جزو ایمان بن چکی ہے۔

قرآن پاک مسلمانوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ انھیں ان چیزوں کو بھی تسلیم نہ کرنا چاہئے جسے وہ خود بھی نہ سمجھ سکیں۔ انھیں ہر چیزوں کو پرکھنے اور جانچنے کی طاقت خود ہی پیدا کرنا چاہئے' سوائے خدا کے کسی دوسری شے کی پرستش نہ کرنا چاہئے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ مسلم لیگی حضرات روزانہ ہزاروں کی تعداد میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہی حضرات شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا۔ فطرتی جذبہ انسانی ہے۔ یعنی

ہندوستانی مسلمان ہی کیوں اس مرض کے مریض ہیں! کیا اس کا سبب یہ ہے کہ موجودہ ہندوستانی مسلمانوں کے آباؤ اجداد بت پرست اور شخصیت پرست تھے۔ یہ چیز انھیں ترکہ میں ملی ہے! مسلم لیگی حضرات بڑے زور شور کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ اسلام جمہوریت پر زور دیتا ہے اور اس لحاظ سے بھی اس کی صفت اعلیٰ ہے۔ کیا میں ان سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا لیگ جمہوریت کا نمونہ پیش کرتی ہے! وہ مجھے بتائیں کہ یہ کہاں کی اور کیسی جمہوریت ہے کہ لیگ میں کسی کو اپنی آزاد رائے قائم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ لیگ ایک فسطائی جماعت ہے (Fascist organisiation) ہے۔

کاش ہر شخص ان کے قول و کردار کا گہری نظر سے مطالعہ کرے! ہم لوگوں کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے مدبروں میں بھی اختلاف ہے وہ یہ نہیں سوچتے کہ زلزلہ اگر ایک شہر میں آتا ہے تو بغیر کسی امتیاز کے ہر شخص پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں سوچنے اور سمجھنے کا مادہ اب بھی پیدا نہ ہوا تو یاد رکھئے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے ایک ایسے انجام پر پہنچے گی کہ جس کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائیگا۔ دراں بکھرے ہوئے شیرازوں کا سنبھالنا بھی مشکل ہوگا۔

مسلمان اب بھی ہوشیار ہوں۔ ورنہ پھر پچھتانا پڑے گا۔ وہ یقین کریں کہ علیحدہ پاکستان انھیں نہ تو ہندوؤں سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ انگریز بہادر سے مسلم لیگی حضرات کرپس پلان کے نن اکسیشن (Non Acession) کی شرط کو ایک خواب آور خوراک سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ لیکن بڑے مہربانی وہ یہ بجالائیں کو پ لینڈ کی کتاب "کرپس مشن" کا مطالعہ کریں۔ جس میں اس نے بتایا ہے کہ جس وقت ان شرائط کے مقصد کا انکشاف ہوگا اس وقت یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس کی حقیقت کیا تھی۔ آگے چل کر وہ مسلمانوں کی قسمت پر آنسو بہاتے ہوئے کہتا ہے کہ "مسلمانوں کا علیحدہ پاکستان ایک ممنوع پھل ہے۔ کاش مسلمان حضرت آدم علیہ اسلام کے واقعہ سے سبق لیں!"

شمالی مغربی خطہ اور شمالی مشرقی خطہ کے مسلمان یہ سمجھ لیں کہ اگر انھوں نے اب بھی نہ سمجھا اور مسٹر جناح کی صلاح کو تسلیم کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی تو انھیں آگے چل کر سخت نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ زمانہ انھیں اتنی بھی مہلت نہ دیگا کہ وہ اس کے تلافی کی کوشش کریں۔ انھیں چاہئے کہ وہ اپنی آزادی اور ایک آزاد متحدہ ہندوستان کیلئے ان تھک کوشش کریں اور کرتے جائیں یہاں تک کہ ملک اور ان کو آزادی حاصل ہو جائے۔ اسی میں ان کے فلاح و بہبودی کا راز مضمر ہے۔

ملک کے سامنے دو تجویزیں ہیں ایک تو کانگریس ریزولیشن کے ۱۹۴۲ء کی تجویز جس کے روسے ملک کے ہر خطہ کو خود مختاری اور آزادی حاصل ہوگی دوسرے وہ تجویز جسے میں نے سیاست میں قدم رکھنے میں مرتب کیا تھا جس میں یہ چیز پیش کی ہے کہ سارے ہندوستان کو آزاد صوبوں (Alltonomous Provinoe) میں نہیں بلکہ آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے جنھیں اپنے اندرونی معاملات میں اختیار کامل ہو اور ان چیزوں کے انتظام کیلئے جس سے سارے ہندوستان کا تعلق ہے ایک مرکز بنایا جائے۔ اس مرکز میں ان ریاستوں کی نمائندگی اس طرح کی ہو کہ ایک ریاست کا اثر دوسری ریاست پر غالب نہ ہو۔ یہ مرکز سارے ملک (ہندوستان) کی فلاح و بہبودی کا جواب دہ ہوگا۔ نہ صرف انھیں معاملات میں دخل ہوگا جس سے متحدہ ہندوستان کی فلاح و بہبودی کا تعلق ہو۔ اس طرح ہندوستان کی کل دیسی ریاستیں بغیر کسی تعصب شخصی و ملکی کے اس مرکز میں شریک ہو جائیں گی۔

یہ وہ تجویز ہے جس کے روسے علیحدہ تقسیم ہندوستان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر مسلم لیگ خود کرے اور پاکستان کے بجائے اسے تسلیم کرے تو مجھے یقین ہے کہ کانگریس کو اپنی ۱۹۴۲ء والی تجویز کو مسترد کرنا پڑے گا اور اس تجویز کے تحت ہندوستان کیلئے ایک آئین بنانے میں مسلم لیگ سے تعاون کرنا ضروری و لازمی ہوگا۔ مندرجہ ذیل اصولوں کے تحت آپ خود ہی تجویز کر لیں۔ یہ اسکیم کہاں تک مسلم مفاد کیلئے مفید ہوگی :-

۱۔ اس تجویز کے ذریعہ ایک طرف مسلمان مسلم اکثریت والے صوبوں کو پاکستان کہہ سکتے ہیں تو دوسری طرف ہندو بھی اتحاد ہندوستان پر خوش ہوگا اس طرح دونوں کے جذبات کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

۲۔ پاکستانی ریاست جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اپنے اندرونی معاملات میں بالکل خود مختار ہوگی۔ جس طرح چاہے اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کرے اور اپنی تہذیب و کلچر کو فروغ دے۔ اسے کسی دوسری طاقت (Unitry Centre) کے خلل انداز ہونے کا خوف باقی نہیں رہتا اس طرح ہندو اکثریت والے صوبہ بھی اپنی حالت کے خود ہی ذمہ دار ہوں گے۔

۳۔ پاکستانی ریاستوں کو دو الگ الگ سرحد بری اور بحری دونوں طرح سے (اپنے درمیان کافی فاصلہ رکھتے ہیں) کے تحفظ کے لئے پورا خرچ برداشت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس خرچ میں وہ ریاستیں بھی حصہ دار ہوں گی جو ان کی ہمسایہ ہوں گی جو ان کی بہ نسبت کہیں زیادہ مالدار ہیں۔

۴۔ ہندوستان کی مشترکہ صنعتی و معاشیاتی ترقی میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہوگا اور وہ ایک حصہ دار کی حیثیت سے نفع کے بھی مستحق ہوں گے جو تقسیم ہندوستان میں کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ ایک علٰحدہ پاکستان نہ ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں کو وہی سب سہولتیں اور آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں جس کے لئے وہ علٰحدہ پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس طرح انھیں نقصانات کا اندیشہ بھی نہیں رہتا جن کا امکان علٰحدہ پاکستان میں ہے۔

کاردار پروڈکشنز کا عظیم الشان شاہکار

شاہجہان

زیر ہدایت :- اے آر کاردار

اداکار :- سہگل ------ راگنی ------ جے راج

ایم ڈی کنور، سلوچنا چٹرجی، ہمالیہ والا، نذیر بیدی، انوری، کیسربائی، منیر سلطانہ

اور نسرین

موسیقی :- نوشاد نغمے :- مجروح سلطانپوری

کاردار پروڈکشنز کا ایک اور جذباتی

قیمت

سوشل شاہکار

کہانی و ڈائرکشن :- نذیر اجمیری

پروڈیوسر :- پی ان آروڑہ

موسیقی :- نوشاد

تفصیلات کے لئے لکھئے :- کاردار پروڈکشنز - پریل - بمبئی ۱۲



وہ بہادر سردار جس نے تن تنہا ایک طاقتور دشمن کو چیلنج کیا

شہرۂ آفاق اداکار اشوک کمار کو "فلمستان" کے تازہ ترین فلم

شکاری

میں ملاحظہ فرمایئے

جس میں پردۂ سیمیں پر پہلی بار ویرا اور پاروتی کا تعارف کرایا جائیگا

ڈائرکشن :- واچا

کہانی :- گیان مکرجی

گانے :- نیپالی موسیقی :- کمار چندیو ورما

راکسی سینما بمبئی میں چل رہی ہے

فلمستان لمیٹڈ - فورٹ بمبئی

پاکستان پر اجتماعی نظر

از ــــــــــــــ ڈاکٹر راجندر پرشاد

پروفیسر ریجنالڈ کوپ لینڈ نے ہندوستان کے مجوزہ پاکستان کے موافق نکات کو بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ دل نشین پیرائے میں بیان کیا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک طویل اقتباس یہاں پیش کر دوں:۔

(۱) "سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بٹوارے کا امکان فخر و خوف کے اُس احساس کا حل پیش کرتا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کا زیادہ تر ذمہ دار ہے۔ اس بٹوارے کے عمل میں آتے ہی آدھے سے زیادہ مسلمانوں کو ہندو راج کی دہشت سے نجات مل جائے گی۔ یہ تقسیم ان کے جذبۂ فخر (خود اعتمادی) میں اس طرح اضافہ کرے گی کہ ایک طرف تو وہ ایک بڑی ہندوستانی ریاست میں اقلیت کی حیثیت سے رہنے کے بجائے دو نسبتاً چھوٹی ریاستوں میں اکثریت میں ہو جائیں گے اور دوسرے ان کو ایک الگ ذات ماننے کے بجائے ایک علٰحدہ اور منفرد قوم تسلیم کر لیا جائے گا جسے اپنی ریاستوں میں قومی آزادی نصیب ہوگی۔ پھر یہ تقسیم بین الاقوامی حیثیت سے بھی ان کا درجہ بلند کر دے گی۔۔۔۔ ان کی ریاستیں مشرق وسطیٰ کی اسلامی ریاستوں کے دوش بدوش رہ کر آج سے کہیں زیادہ اسکا احساس دلا سکتی ہیں کہ وہ ایک ایسی اُخوت اور برادری سے متعلق ہیں جس کی سرحدیں ہندوستان سے بہت آگے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ برخلاف اس کے اگر وہ ان تمام نئے امکانات سے منہ موڑ کے ہندو اکثریت کے ہاتھوں میں اپنی قسمت مستقل طور پر سونپ دیتے ہیں۔ تو ان کا بھی وہی انجام معلوم ہوتا ہے جو اقلیتوں کا یورپ میں ہوا۔"

(۲) دوسرے اس کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پاکستان ہندوستان کی اقلیت کے مسئلہ کا سب سے بہتر حل ہے۔ ایک یا ایک سے زیادہ ہندو ریاستوں کے مقابلے میں ان اسلامی ریاستوں کی وجہ سے توازن قائم رہے گا کیونکہ رقبہ میں کم ہونے کے باوجود یہ ریاستیں اپنے بین الاقوامی حقوق میں برابر رہیں گی۔ اقلیتیں ان ریاستوں میں بٹوارے کے بعد بھی رہیں گی کیونکہ فرقہ وارانہ یکسانیت کا خیال مہمل ہے لیکن ان اقلیتوں کا مسئلہ اتنا پیچیدہ اس لئے نہ رہ جائے گا کہ طاقت اور اقتدار حاصل کرنے کی کشمکش ختم ہو جائے گی اور ہر قوم اپنی اپنی ریاست میں برسر اقتدار رہیگی۔ مشترکہ حکومتیں (COALITION GOVTS.)

بنانا اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرنا لیگ کے پروگرام میں شامل ہے لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ریاستیں اسلامی ہونگی جن میں اسلامی روایات و ثقافت اسی طرح غالب نظر آئے گی جس طرح ہندو ریاستوں میں ہندو تہذیب اُجاگر رہیگی۔ ایسی صورت میں اپنی اپنی اکثریتوں سے اقلیتوں کو لڑتے رہنے کے لئے بھی نہ اُبھارا جائے گا اور سب اکثریتیں اپنے اپنے فرائض ذمہ دارانہ طور پر انجام دیتی رہیں گی"۔

(۳) "تیسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ بٹوارہ ہندوستان کی حفاظت اور دفاع میں آسانیاں پیدا کردے گا۔ شمال و مغرب میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی سرحدی صوبہ کی ساری اہمیت ختم ہو جائے گی۔ سرحد کے اُس پار بسنے والے قبیلے سب مسلمان ہیں۔ اپنے اسلامی بھائیوں سے براہ راست تعلق ہونے کی وجہ سے ان کا غیر مسلموں سے لڑنے اور جہاد کرنے کا سارا جوش ختم ہو جائے گا اور کافروں سے ہر دم آمادہ جنگ رہنا چھوڑ کر وہ میل محبت سے اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرلیں گے مجلس پاکستان اور پڑوس کے اسلامی ممالک کے درمیان معاہدہ کرکے اور مضبوط کرلیا جائے گا۔ آخر کیوں نہ پاکستان بھی سعد آباد کے معاہدہ کی طرح کسی سمجھوتے پر دستخط کردے جس نے ترکی۔ ایران عراق اور افغانستان کو ہم رشتہ کردیا تھا"

(۴) چوتھے یہ کہ ایک غیر منقسم ہندوستان میں جب فوجی نظام ہندوستانی اور خصوصاً ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے گا تو لازمی طور پر مسلمانوں کا تناسب فوجی ملازمتوں میں گھٹ جائے گا گو یا مسلمان سپاہیوں کا یہ تناسب جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء میں ایک تہائی سے زیادہ تھا اور اب ۸ر ۳۰ فیصدی ہے ایک چوتھائی سے بھی کم رہ جائے گا۔ اس کا نتیجہ نہ صرف یہی ہوگا کہ پنجاب میں لوگوں کا معیارِ زندگی گر جائے گا بلکہ ہندو راج کو فوجی قوت کی گارنٹی بھی مل جائے گی۔ پنجاب کے بیشتر خاندانوں کا ذریعہ آمدنی فوج کی نوکری ہے اور مسلمانوں کی اُس صوبے میں اکثریت ہونے کے باعث اس کا زیادہ اثر انھیں پر پڑیگا"۔

(۵) "پانچویں یہ کہ پاکستان اور صرف پاکستان کے ذریعہ ہندوستانی مسلمان اقتصادی آزادی اور اختیار حاصل کرسکتا ہے۔ ہندو مسلم مخالفت کا اقتصادی پہلو ہمیشہ سے زیر غور رہا ہے اور مسلمان کا ہندو راج سے دہشت زدہ رہنے کا اہم سبب یہی ہے کہ ہندو راج میں ہندوؤں کو ایسے اختیارات حاصل ہوجائیں گے جس سے وہ ملک کے تمام حقوق پر اقتصادی اثر اور غلبہ حاصل کرلیں گے۔ سود پر روپیہ چلانے اور تجارت کی مختلف شاخوں میں ہندوؤں کی واحد اجارہ داری نہ صرف ہندو اکثریت کے علاقوں میں بلکہ مسلمان اکثریت کے علاقوں پنجاب اور سندھ وغیرہ میں تو مسلمانوں کو نقصان پہنچا ہی رہی تھی ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ملک میں کاروباری صنعتوں نے عروج پکڑ لیا اور نئے اُبھرتے ہوئے متوسط طبقے یہ صورتِ حالات دیکھ کر برگشتہ ہوگئے ....

مسلمانوں کی اُڑی پھیمی ختم ہوئی زیادہ تر زراعتی ہے۔ اسکی آبادی برطانوی ہند کی آبادی کا ۳ر۱۲ ہے لیکن جہانتک اندازہ لگایا گیا ہے کہ صنعتیں ۱ر۵ ہی ہیں اور معدنی ترقیوں کا تناسب بھی صرف ۴ر۵ فی صدی ہے۔ بنگال اگرچہ مجموعی حیثیت سے اس سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ صوبہ ہے کیونکہ اس کی آبادی برطانوی ہند کی آبادی کی ۲۰ فی صدی ہے اور صنعتوں کا تناسب

۳۳ فیصدی تک پہنچا ہے لیکن اس کے تجارتی حلقے جیسے ہندو کلکتے اور اس کے پڑوس میں ہیں جہاں اکثریت ہندوؤں کی ہے جس میں ہندو سرمایہ لگا ہے اور جس سے ہندو مزدوروں کو فائدہ پہنچا ہے۔ کلکتے سے قطع نظر مسلمانوں کی اتری بنگال جنوبی اُتری بھی عموماً سے بھی زیادہ زراعتی ہے اس لئے بنگال کی صنعتوں سے مسلمانوں کو بہت کم فائدہ پہنچا ہے پاکستان قائم ہونے کی صورت میں خود اپنے فائدہ کی باتوں پر نظر کی جاسکتی ہے اور مسلمان مزدوروں کو صنعتوں کے قیام سے فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ اُتری بھی حصے میں خود اپنے کارخانے قائم کئے جاسکتے ہیں اور خام کپاس بمبئی کی ملوں میں بھیجنے کے بجائے اسے اپنے ہی یہاں کام میں لایا جاسکتا ہے اور اگر سرمایہ مہیا ہو سکے تو اپنی عظیم الشان پانی کی قوت سے صنعتی ترقی میں مدد لی جاسکتی ہے۔ کراچی کو بھی ترقی دے کر اس منزل پر پہنچایا جاسکتا ہے کہ یہ بمبئی سے ٹکر لینے لگے کیونکہ اُتری بھی علاقے کی درآمد و برآمد کا یہی واحد بندرگاہ ہے۔[۵۸]

اب ہمیں مندکرہ بالا نکات پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا چاہیئے۔

(۱) جذبات جب اس قدر بھڑکا دئے جائیں تو ان سے اہم معاملات پر سکون اور غیر جانبداری سے رائے قائم کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ فخر، خود اعتمادی ڈر اور خوف دور کر دیتے ہیں لیکن اگر پروفیسر کوپ لینڈ صاحب کا تجزیہ صحیح ہے تو مسلمانوں میں یہ دونوں چیزیں بہ یک وقت موجود ہیں۔ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر ان کا یہ خوف اور ڈر کس بنا پر ہے؟ جب سے انگریزوں نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کیا تب سے وہ برابر حکومت کرتے چلے آرہے ہیں۔ مسلمانوں کی برتری اور ان کا اقتدار گھٹنے کا باعث ہندو یا ہندوستان کے دوسرے غیر مسلم ہرگز نہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برطانوی حکومت کے ابتدائی عہد میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے زیادہ دبایا گیا اور انہیں پر حکومت کی معاندانہ نظریں بھی پڑتی رہیں لیکن جیسے ہی ان غیر ملکی حکمرانوں کو اس کا اندازہ ہوا کہ ہندو اب حکومت سے آنکھیں لڑانے لگے ہیں ویسے ہی انھوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ہندوؤں کی حمایت کا زمانہ نہیں رہا اور مسلمانوں پر سے بے جا دباؤ اب ہٹا لینا چاہیئے۔ سرکاری پالیسی کی اس تبدیلی نے ملک کی دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے مشتبہ اور بدظن کر دیا لیکن اس تیسری قوت پر کسی نے غور نہ کیا جو ہمارے سروں پر مسلط تھی۔ اگر اطمینان قلب اور غیر جانبداری سے ان واقعات کا جائزہ لیا جاتا تو یقیناً اس تیسری قوت کی کارستانیوں سے ہم آگاہ ہو جاتے لیکن بد قسمتی سے پیچیدگیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی کا باعث ہندو نہیں بلکہ گورنمنٹ کے وہ اختیارات ہیں جو اس کے ہاتھوں میں کوئی ڈیڑھ سو برس تک رہے اور جسے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۵ء کے قوانین کے ذریعے ہندوستانیوں کو دیا گیا۔ ۱۹۳۵ء کے قانون کے ماتحت مسلمانوں کی حکومت اپنے اکثریت کے صوبوں میں بنگال کے علاوہ آسام میں بھی رہی جہاں کہ وہ اقلیت میں ہیں۔ مرکزی حکومت اس سارے عرصے میں برطانوی رہی ہے۔ ستائیس ماہ کے قلیل عرصہ کے علاوہ ہندو اکثریت کا راج تو ان صوبوں پر بھی نہیں رہا جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ پھر اگر مسلمان پست ہیں تو کیسے ہندو اکثریت کو ان کی اس پستی کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ اس اکثریت کو اب تک اصلاح و ترقی کے اقدام کا موقع ہی کہاں ملا ہے۔ آخر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مشرقی و مغربی علاقوں کے مسلمان وزیروں نے کیا اقدام کئے ہیں؟ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ہندو اقلیتوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ لوگ کوئی اہم تعمیری کام نہیں کر سکے (حالانکہ اس مفروضہ کے لئے کوئی ثبوت نہیں) تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر ان علاقوں کی بالکل علیحدگی کے بعد کس طرح ہندو اقلیتوں کی یہ مخالفت دبائی جاسکے گی۔

---

۵۸ فیوچر آف انڈیا مصنفہ پروفیسر کوپلینڈ صفحہ ۷۵-۷۹۔

ہم اس سے پہلے بھی دیکھ چکے ہیں کہ پنجاب میں مسلمان صرف ۵۷ فی صدی ہیں جس میں شمالی مغربی حصہ کا بھی اگر شمار کر لیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد ۶۲ فیصدی ہو جائے گی اور اگر اس میں سے ہندوؤں کی اکثریت کے ضلعے علٰحدہ کر دے جائیں تو بھی یہ کسی طرح ۷۵ فی صدی سے زیادہ نہ ہوں گے۔ اسی طرح مشرق میں آسام اور بنگال کے مسلمان صرف ۵۱ یا ۵۲ فی صدی ہوں گے اور اگر ہندوؤں کی اکثریت کے علاقے نکال دئے جائیں تو بھی کسی حالت میں ۶۹ فیصدی سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ ایسی حالت میں ان حصوں کو اسلامی ریاستیں مشکل سے کہا جا سکتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کی تسکین کے لئے یہ ضرور ہوگا کہ وہ ایک بڑی ریاست میں اقلیت ہونے کے بجائے دو نسبتاً چھوٹی ریاستوں میں اپنے کو اکثریت میں سمجھیں گے۔ لیکن انھیں سوچنا ہے کہ آیا اس قسم کی تسلی ان قربانیوں کا معاوضہ بھی ہے جو اس کے حصول میں اُنھیں بھینٹ کرنی ہوں گی۔

بین الاقوامی حیثیت سے اپنی اہمیت جتانے کا مسئلہ بھی بڑی حد تک ان کے اسلامی ریاست ہونے پر مبنی ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کے زیر نگیں ہوتے کوئی ایسا ملک نہیں جس میں غیر مسلموں کی اتنی بڑی اقلیت ہو جیسی کہ مغربی و شرقی علاقوں میں ہوگی۔ اس کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے ہم مذہب غیر ملکیوں سے ہمدردی رکھنے یا رابطہ پیدا کرنے میں اب تک کونسی ایسی چیز مانع رہی ہے؟ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خلافت کی تحریک کے سلسلہ میں ہندوستان کے سارے مسلمان متحد ہو کر اپنے غیر ملکی بھائیوں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اس انداز سے اپنی قربانیاں پیش کی تھیں جس طرح پنجاب میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے مل کر ہندوستانی حقوق کے لئے اپنی جانیں نذر دیں۔

ہندوؤں نے کسی اسلامی ممالک کے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی اور میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ کیوں نہ ہندوستان مشرق وسطیٰ کے تمام اسلامی ممالک کے ساتھ باہمی امداد کا معاہدہ کر لے۔

یہ سب کہہ چکنے کے بعد یہ جاننا پڑے گا کہ اس کا فیصلہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو کرنا ہے کہ آیا وہ اپنی اس ذرا سی تسلی کو باہمی و تاریخی یگانگت و دوستی پر ترجیح دیتے ہیں یا نہیں۔ اُنھیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس طرح کا منقسم ہندوستان علٰحدہ رہ کر ایک متحدہ ہندوستان کے بہ نسبت کمزور ہو جائیگا اور ان فوائد میں بھی کمی آجائے گی جو ایک مستحکم منظم اور متحدہ ہندوستان سے اُنھیں حاصل کر سکتے ہیں۔

اس بٹوارے پر اگر پاکستانی یا ہندوستانی علاقے کے غیر مسلم مشتبہ نظریں ڈالیں تو ان کا یہ نقطۂ نظر بالکل معقول ہے کیونکہ پاکستان کے اعلان کے بعد انھیں اس کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ منقسم ہندوستان ایک متحدہ اور مستحکم ہندوستان کے مقابلے میں کمزور رہے گا اور بین الاقوامی مشوروں میں اسے وہ اہمیت نہ حاصل ہوگی جو متحدہ ہندوستان کو ہو سکتی ہے۔ منقسم ہندوستان کو دوسرے ممالک کے ساتھ اپنی کمزوری کے باعث وہ تجارتی رعائتیں اور صنعتی ترقیاں بھی حاصل کرنے کی سہولتیں کم ہو جائیں گی۔ بلاشبہ اس کا زیادہ اثر اسلامی علاقوں یعنی پاکستان پر پڑے گا کیونکہ اس کے ذرائع اور رقبے نسبتاً محدود ہوں گے لیکن ہندوستان کے بقیہ حصے پر بھی اس کا اچھا خاصا اثر پڑے گا اور اس بٹوارے سے اُسے بھی کافی نقصان اُٹھانا پڑیگا۔

لیکن اس سے بڑھ کر ان باتوں کا خوف ہے جو بٹوارے کے حامی اپنے اعلانات میں پیش کرتے ہیں۔ میں یہاں دُرّانی صاحب کی کتاب THE MEANING OF PAKISTAN کے دیباچے سے ایک اقتباس پیش کروں گا جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پاکستان کے بہانے اسلامی حکومت پھر سے قائم کرنے کا خیال ہے۔ یہ دیباچہ ۱۱ر نومبر ۱۹۴۳ء کو لکھا گیا:-

"سرزمین ہند کا ایک چپہ بھی ایسا نہیں جسے ہمارے آبا و اجداد نے اپنے خون سے نہ خریدا ہو۔ ہم اپنے آبا سے پھر نہیں سکتے۔ سارا ہندوستان ہماری میراث ہے اور اسلام کی خاطر اسے پھر خریدا جائے گا۔ روحانی طور پر وسعت و توسیع کی

کوشش کرنا ہمارا پیدائشی حق اور دین کی اشاعت و ترویج میں اضافہ کرنا ہمارا عقیدہ ہے جسے ہندوؤں سے نفرت یا دشمنی کے مترادف نہ سمجھنا چاہئے۔ ہمارا اصل مقصد ہندوستان کو اسلامی جھنڈے کے سایہ میں روحانی اور سیاسی طور پر متحد کرنا ہونا چاہئے اور ہندوستان کی سیاسی نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں:"[1]

ایک پنجابی صاحب لکھتے ہیں کہ

"یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے علاقوں سے ہمارے علاقوں کی علیحدگی ہی ہمارا آخری مقصد نہیں ہے بلکہ یہ محض ایک ذریعہ ہے جس سے ایک بہترین اور مثالی اسلامی ریاست قائم کی جا سکتی ہے۔ مجوزہ بٹوارے سے ہمیں بلاشبہ ہندوؤں کی اقتصادی غلامی سے نجات مل جائے گی لیکن ہمارا مقصد چونکہ ایک بہترین اور مثالی اسلامی ریاست ہے۔ اس لئے اس اقتصادی غلامی سے نجات کا مفہوم مکمل آزادی ہوگا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ہمارے لئے ایک غیر اسلامی دنیا میں زیادہ عرصہ تک ایسی مثالی اسلامی ریاست حاصل کرنا ناممکن ہو جائے گا اس لئے ہم خالص اسلامی طریق پر ایک عالمگیر انقلاب کی حمایت کریں گے۔ علیحدگی، ہندوؤں کے اقتصادی دباؤ سے نجات اور برطانوی حکومت کے آہنی شکنجوں سے آزادی یہ چند ذرائع ہیں جن سے ہم اپنا مقصد یعنی خالص اسلامی طریق پر ایک عالمگیر انقلاب حاصل کر سکتے ہیں:"[2]

"زمانۂ ماضی میں مسلمان اقلیتیں دنیا کے مختلف حصوں میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بہت گھل مل کر رہی ہیں لیکن ایسی حالت میں انھوں نے کبھی اقلیت بننا قبول نہیں کیا جب وہ اپنی تعداد یا اپنی قوت کے اعتبار سے ایک خود مختار اسلامی ریاست قائم کر سکتے تھے ...... ہندوستان میں خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کرنے کی اس تحریک سے چین، اور روس میں اسی قسم کی تحریکوں کو تقویت ہوگی جہاں مسلمانوں کو ابھی تک محض اقلیت کی حیثیت حاصل ہے:"

"وسط ایشیا میں دو کروڑ کی آبادی میں پچانوے فی صدی مسلمان ہیں لیکن پھر بھی وہ چینی اور روسی حکومتوں کے زیرنگیں ہیں:"

"اسلامی سیاسی مسائل ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ اس لئے ایک اسلامی ملک آزادی حاصل کرنے سے دوسرے ملکوں پر بلاواسطہ اثر پڑے گا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت کا براہ راست اثر دنیا کے دوسرے حصوں بالخصوص چین کے مغربی صوبوں اور روس کے جنوبی اور مشرقی علاقوں پر پڑے گا جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ہندوستان کے براعظم میں اقلیت کی حیثیت تسلیم کرنے کے معنی صرف نو کروڑ ہندوستانی مسلمانوں ہی کی قسمت کا فیصلہ کر دینا نہیں بلکہ تین کروڑ روسی مسلمانوں اور پانچ کروڑ چینی مسلمانوں کی دائمی غلامی کا بھی قبالہ لکھ دینا ہے:"

"یہ سمجھنا بالکل فطری ہے کہ اگر ہندوستان کو متحدہ حیثیت سے کانگریس کی قیادت میں آزادی نصیب ہوتی ہے تو یہ یقین

F.K. KHAN DURRANI — THE MEANING OF PAKISTAN P. 10.　　۱

CONFEDERACY OF INDIA BY A PUNJAB P. 269-70　　۲

اور روس سے دوستانہ تعلقات قائم کرے گی تاکہ مسلمان ان تینوں ممالک میں دوسری اقلیتوں کے دباؤ میں مستقل طور پر رہیں۔ وسط ایشیا میں ایک خودمختار اسلامی ریاست کا قیام متحدہ ہندوستان کی ہونے والی کانگریس حکومت کی طرف سے خطرے کی نظروں سے دیکھی جائے گی کیونکہ وسط ایشیا میں اس تحریک سے ہندوستانی مسلمانوں کو بھی ایک علٰحدہ خودمختار ریاست قائم کرنے کی طرف رغبت ہو سکتی ہے۔" [1]

"ہندوستانی مسلمان کی اپنی علٰحدہ خودمختار ریاست بنانے کا خیالی سلسلہ جامع وحدتِ اُمم اسلام کی تحریک سے متعلق ہے جسے تمام اسلامی ممالک کو متحد و متفق کرنے کے لئے مصطفیٰ کمال اتاترک مرحوم اور سید جمیل احمد مرحوم کی سرپرستی میں شروع کیا گیا تھا۔ اس تحریک کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ موجودہ اسلامی سلطنتوں کے علاوہ ایسی اسلامی سلطنتیں جو مسلم اکثریت کے علاقوں میں قائم کی جائیں جو اب تک موجود نہیں۔ اس سلسلہ میں جن دس جمہوریتوں کا قیام تجویز کیا گیا تھا ان میں ایک اسلامی بنگال کی جمہوریہ تھی۔ دوسری شمالی مغربی ہندوستان کی اور تیسری ریاست حیدرآباد دکن کی۔" [2]

یہ اعلانات پڑھ کے اگر غیرمسلم اس بٹوارے کو ایک ایسے مرحلے کی ابتدا سمجھیں جس کی تکمیل اسلام کے لئے ہندوستان کی فتح، وسط ایشیا کے مسلمانوں کی چین و روس کے شکنجے سے رہائی اور آخر میں اسلامی طریق پر ایک عالمگیر انقلاب پر ہوگی تو ان کا یہ خیال غلط نہ ہوگا۔ ہندوؤں، چینیوں اور روسیوں پر اگرچہ اس قسم کے پاکستان کے حامیوں کی گرم نظریں پڑتی رہی ہیں ان کی اس تخیل کی داد دینی چاہیے کہ خواہ مخواہ انھوں نے ایسی صورتیں فرض کر رکھی ہیں جس سے ہندوؤں، چینیوں اور روسیوں کو غالباً اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں کہ مسلمان کو دبانے اور پیسنے کے مختلف طریقے سوچا کریں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مسلمانوں میں نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کو تسخیر کرنے کا خیال اور بہت پروفیسر کوپ لینڈ کے اس نکتہ کو جھٹلاتا ہے کہ مسلمان اقلیت ہندو اکثریت سے خوف زدہ ہے۔

(۲) یہ بات سمجھنا آسان نہیں کہ ایسی دو اسلامی ریاستیں ہندوستان میں قائم کرکے اقلیتوں کے مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں اس وقت کوئی ملک ایسا نہیں جہاں کی آبادی بالکل یکساں ہو۔ ہر جگہ اقلیتوں کا رہنا فطری ہے چنانچہ ہندوستان بھی اس اُصول سے مستثنیٰ نہیں اور نہ ہی اپنے قیام کے بعد یہ دو اسلامی ریاستیں اقلیتوں سے مستثنیٰ رہیں گی۔ تبادلے سے مسلمان اقلیت کا ہندوستان سے منتقل کرنے کے خیال کو مہمل کہا جا چکا ہے۔ مسلم اکثریتوں کے علاقوں میں غیرمسلم اکثریت کا جائزہ ہم لے چکے ہیں۔ برطانوی ہند کے غیرمسلم علاقہ میں مسلمان صرف ۱۰.۱۶۲ فی صدی بچ رہیں گے۔

---

[1] MR. M.R.T. – INDIA'S PROBLEM OF HER FUTURE CONSTITUTION PP. 60 – 67

[2] ANJARI – PAKISTAN – THE PROBLEM OF INDIA P. 47

برطانوی ہند میں مسلمانوں کی کل آبادی ۹۳،۱۹۵،۹۳ لاکھ ہے جس میں سے ۲۰۲ر۹۵ لاکھ (یعنی ۵۶ر۲۵ فیصدی) غیر مسلم علاقے میں رہ جائیں گے اور اگر آسام، بنگال اور پنجاب کے غیر مسلم اکثریت کے ضلعے پاکستان میں شامل نہ کئے جائیں تو ۲۹۹ر۹۴ لاکھ (یعنی ۷۷ر۳ فیصدی) بچ رہیں گے ان کا تناسب صوبہ وار اس طرح مختلف رہے گا کہ اڑیسہ میں ۶۸ر۱ فیصدی تو ۳۰ر۱۵ فیصدی صوبہ متحدہ میں اور ۲۲ر۲۳ فی صدی دہلی کے مختصر صوبہ میں۔

ان مختصر اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دو ہند و مسلم علاقوں میں اقلیت کی اچھی خاصی تعداد موجود رہے گی۔ مسلمان اکثریت کے علاقے میں غیر مسلم اقلیت کی تعداد نسبتاً زیادہ رہے گی (اعداد و شمار چھوڑ دیئے گئے) جہاں ایک طرف ہندو علاقے میں مسلمانوں کی اقلیت بنگال سے لیکر پنجاب تک اور ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک پھیلی رہے گی وہاں غیر مسلم اقلیت چھوٹے حلقوں میں محدود رہے گا جس کا یہ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمان اقلیت کسی ایک مخصوص علاقے میں اپنا سارا زور صرف نہیں کر سکتی اور اپنے مطالبات اور حقوق کی ویسی حفاظت نہیں کر سکتی جیسا کہ غیر مسلم اقلیت گنجان اور قریب قریب آباد ہونے کی وجہ سے کر سکے گی۔

اقلیتیں صرف ایک صورت سے ناپید ہو سکتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک وسیع پیمانے پر آبادی کا تبادلہ کر دیا جائے۔ آبادی کا یہ تبادلہ دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک اپنی مرضی پر اور دوسرے زبردستی۔ مسلموں اور غیر مسلموں کی اتنی بڑی تعداد کا اپنی مرضی سے ہجرت کرنا ناقابل تصور ہے۔ بلقان میں خود اختیاری ہجرت کی اسکیم اسلئے ناکامیاب رہی کہ لوگوں نے اپنے اردگرد کی چیزیں اور اپنا ماحول چھوڑنا پسند نہ کیا پھر ہندوستان میں تو زمین کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اتنی زیادہ محبت اور اتنا زیادہ لگاؤ ہے کہ وہ صرف ایک دوسری ریاست کے بانٹنے ہونے کے لئے اپنا وطن چھوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔ خلافت کی تحریک کے سلسلے میں ہجرت کی تجویز پر جو ناکامیابی مسلمانوں کو ہو چکی ہے اس سے بالکل یہ اُمید نہیں کہ اس قسم کے تبادے کا خیال بھی کبھی ذہن میں لایا جائے گا۔

ہجرت کرنے کے مسئلہ میں ماحول، آب و ہوا، طرز زندگی وغیرہ کا اختلاف ہی ایسا ہے جو اس کے امکانات بالکل ختم کر دیتا ہے لیکن اس کے علاوہ مالی مشکلات بھی ایسی ہیں جو اسے ناممکن بنا دیتی ہیں۔

اگر یہ ہجرت خود اختیاری کے بجائے جبریہ قرار دی جلئے تو مشکلات کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے معاوضہ ادا کرنے کے لئے رقم لائی جا سکتی ہیں یا کہاں سے اتنی بڑی آبادی کی ہجرت کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ ترکی اور یونان کے درمیان کچھ لاکھ کی معمولی تعداد کا ذکر اس درمیان میں لاتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہاں چھ سات کروڑ کے تبادلے کا معاملہ ہوگا اور پھر ہجرت کا فاصلہ اس قدر زیادہ ہوگا کہ تمام تجاویز بے سود ہو جائیں گی۔

مسلم لیگ کی قرارداد سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم اکثریتوں کے مذہبی، ثقافتی، سماجی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق کے تحفظ کے لئے معقول اور مناسب انتظام کیا جائے گا جس میں مسلمان علاقوں کی غیر مسلم اقلیت اور غیر مسلم علاقے کی غیر مسلم اکثریت سے بھی مشورہ لیا جائیگا۔

اب اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ خود مختار ریاستیں قائم ہوں گی جنہیں اپنے اپنے آئین بنانے کا خود اختیار رہے گا تو کس طرح ایک خود مختار ریاست دوسری خود مختار ریاست کو کسی اقلیت کو خاص مراعات دینے پر مجبور کر سکتی ہے؟ فرض کرتے ہوئے کہ ریاستوں کے قیام کے بعد ان میں سے کوئی ریاست اپنے قوانین میں اقلیت کا کوئی خاص خیال نہیں رکھتی۔ ایسی حالت میں کون سی قوت ایسی ہے جو

اس ریاست کو اپنے آئین میں ترمیم کرنے پر مجبور کر سکتی ہے؟

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ ابتدا ہی میں اس قسم کی مراعات مدنظر رکھ لی جائیں گی تو بھی اس کی گنجائش تو رہ ہی جاتی ہے کہ ریاستیں قائم ہونے کے بعد قوانین میں ایسی ترمیم کر دی جائے جس سے اقلیت کو صدمہ پہنچے کا امکان ہو یا قوانین بنے ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد نہ کیا جائے تو کیسے ایک خودمختار ریاست دوسری خودمختار ریاست پر دباؤ ڈال سکتی ہے؟

جمعیت بین الاقوام (LEAGUE OF NATIONS) کی خیال سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ دوسری حکومتوں کی ضمانت اور گارنٹی بھی اس سلسلے میں زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتی۔ بدلہ نکالنے کا نظریہ بھی ناقابل قبول ہے۔ آنکھ کے لئے آنکھ اور دانت کے لئے دانت کا پرانا قانون بھی ناکافی ہے۔ انصاف پسندی کبھی یہ روا نہیں رکھ سکتی کہ ایک گروہ کے لوگوں کو دوسرے کے مظالم کی پاداش میں سزا دی جائے یا معتوب قرار دیا جائے جب کہ ان دونوں کے درمیان سوا اس کے اور کوئی تعلق نہیں، کوئی ربط نہیں کہ وہ ایک خاص طریقہ سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ ایک معزز مسلمان ہی کے خیال کے مطابق "بدلہ نکالنے کا طریقہ استعمال نہیں کیا جا سکتا اور اگر یہ استعمال کیا گیا تو یہ سیاست کی بنیاد تہذیب و شائستگی سے ہٹا کر بربریت و شقاوت پر رکھ دیں گے"[1] اور خواہ پاکستان کے حامی کچھ ہی کیوں نہ کہیں میں کبھی یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ذہن کا لطیف حصہ اس بربریت و شقاوت پر اتر سکتا ہے۔

ان ریاستوں کا ایک دوسرے سے غیر متعلق اور خودمختار رہنے کی وجہ سے کسی گروہ کے ساتھ ایک ریاست دوسری ریاست میں معقول اور مناسب برتاؤ رکھنے پر اتنا زیادہ زور نہیں دے سکتی جتنا کہ ایک وفاقی نظام کی دو ریاستیں ایک دوسرے پر اثر ڈال سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں کسی بھی خودمختار ریاست کے پاس صرف ایک پُرامن علاج ہو سکتا ہے اور وہ ہے سیاسی وفد و نمائندگی یعنی اپنی شکایات دوسرے کے سامنے پیش کی جائیں۔ اس سیاسی نمائندگی کے بعد صرف جنگ کا چارہ کار رہ جاتا ہے یہ جنگ اقتصادی بھی ہو سکتی ہے اور فوجی بھی، لیکن سنگین الزامات اور سخت شکایتوں کے باوجود لڑائی چھیڑنا اس وقت تک آسان نہیں ہوتا جب تک کہ ہر دو ممالک کے باشندے ایک دوسرے سے اتنے عاجز نہ ہو جائیں گے کہ کوئی اور چارہ کار نہ رہ جائے۔ معمولی شکایات کی صورت میں تو خیر اس کا امکان ہی نہیں لیکن کوئی ریاست جنگ کا خطرہ اس وقت تک مول لینے پر تیار نہ ہوگی جب تک کہ اول اسے شدید صدمہ نہ پہنچا ہو اور دوم یہ کہ اپنی ریاست کو اس جنگ سے فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔ دور دراز ملک میں صرف اپنے ہم مذہبوں کی ایک معمولی اقلیت کے لئے اپنی جان جوکھم میں ڈالنے کو کوئی ریاست تیار نہ ہوگی۔

یہ صرف تحریری مباحثہ نہیں بلکہ یہ نتیجہ حقائق پر مبنی ہے۔ ہندوستان کے پڑوس میں اسلامی ریاستیں موجود ہیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کبھی ان میں سے کسی نے ہندوستان سے اعلان جنگ اس بنا پر نہیں کیا کہ ان کے ہم مذہبوں کے ساتھ یہاں بُرا سلوک روا رکھا جاتا ہے ہندوستانی مسلمانوں پر انگریزوں کے ذریعہ یا کانگریسی وزارتوں کے ہاتھوں ان کے مفروضہ مظالم ٹوٹا کئے لیکن ان اسلامی ممالک کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ یہ تو رہے بنگال، پنجاب یا سندھ کی مسلم لیگی وزارتوں نے بھی منہ سے ایک لفظ تک نہ نکالا جب کہ ان کے نزدیک کانگریسی وزارتیں

---

[1] A TREATY BETWEEN INDIA AND THE UNITED KINGDOM BY SIR SULTAN AHMED (P. 84.)

مسلمانوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کر رہی تھیں۔

یہ محض حسن تخیّل ہے کہ دو اسلامی ریاستوں کے بعد غیر مسلم علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ یا اسی کے برعکس اسلامی علاقوں میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھے اور مناسب برتاؤ کا تیقّن اور گارنٹی ہو جائے گی۔ اقلیتوں کو ہمیشہ فطرت انسانی کی ان عمومی خوبیوں پر بھروسہ کرنا ہوگا جو سب تہذیب یافتہ اقوام میں مشترک ہیں اور رنگ یا مذہب سے جن میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس نکتہ پر زور دینے سے کوئی فائدہ نہیں کہ غیر مسلموں کو اس کے علاوہ اور کوئی خیال ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ مسلمانوں پر ظلم اور تشدّد کو روا رکھیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ غیر مسلموں کو مان لینا چاہئے کہ مسلمان ان کے ساتھ ناروا، بیجا اور غیر منصفانہ برتاؤ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ عجیب سادگی سے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان کبھی غیر مسلموں پر بھروسہ نہیں کریں گے اور اسی وجہ سے کسی مرکزی حکومت کے ہاتھوں خواہ اس کے قواعد کیسے ہی کیوں نہ بنے ہوں کبھی اپنے کو سپرد نہ کریں گے اور اس پر طرّہ یہ کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں پر بھروسہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں گے اور ان کے ساتھ کھرا معاملہ کریں گے۔ اگر اعتبار کا معاوضہ اعتبار ہوتا ہے تو بے اعتباری کا معاوضہ بے اعتباری بھی ہے۔ اگر آپ کو غیر مسلموں پر اعتماد نہیں اور ہر قدم پر ان سے بھڑکتے رہتے ہیں تو آپ کو یہ اُمید رکھنے کا کوئی حق نہیں کہ دوسرا عطائے تو بر لقائے تو کے مقولے پر عمل پیرا ہو کر اسی طرح کا برتاؤ آپ کے ساتھ نہ روا رکھے۔

خود مختار ریاستوں کا قیام کسی طرح اقلیتوں کے مسئلہ کا حل نہیں بلکہ اس طرح خود مختار ریاستوں میں اقلیتیں اور زیادہ مجبور اور بے بس ہو کر رہ جائیں گی۔

(۳) اور (۴)۔

پاکستان ہندوستان کے دفاع میں بھی کوئی آسانی نہیں پیدا کر سکتا نہ شمالی مغربی سرحد اور نہ شمالی مشرقی سرحد پر۔ کہا گیا ہے کہ شمالی مغربی سرحد کے بسنے والے قبیلے سب مسلمان ہیں۔ جب ایک اسلامی ریاست قائم ہو جائے گی تو ان کا غیر مسلموں سے جہاد کرنے کا سارا مذہبی و سیاسی جوش ختم ہو جائے گا۔ اس اُمید کی نہ تو تاریخ میں کوئی مثال ہے اور نہ واقعات سے اس کا کوئی ثبوت ہی ہے۔ اسلامی ریاست کا یہ قیام ہندوستان کی تاریخ میں پہلا نہ ہوگا۔ جب سے قطب الدین ایبک نے دہلی کے سلطان کی حیثیت اختیار کی اُس وقت سے سکھوں کے زور پکڑنے کے زمانے تک برابر ہندوستان کے شمالی مغربی حصے میں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ چھ سو برس کے اس عرصے میں ہندوستان پر اُس سمت سے جتنے حملے ہوئے ہیں سب مسلمانوں نے مسلمان بادشاہوں پر ہی کئے ہیں کیونکہ اس وقت کوئی ہندو راجہ نہ تھا۔ علاء الدین خلجی نے سرحد پر کافی فوجی مورچہ بندی کر رکھی تھی پھر بھی بار بار حملہ آور یلغار کرتے رہے اور یہی حالت مسلمانوں کی حکومت کے تقریباً سارے زمانے میں رہی۔ تیمور۔ بابر۔ نادر شاہ۔ اور احمد شاہ ابدالی کے تمام حملے مسلمانوں نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں پر کئے۔ تاریخ سے اس بچکانہ مفروضہ کی کوئی تائید نہ ملے گی کہ مسلمانوں کی حکومت اُتری پچھمی علاقے میں قائم ہونے کے بعد حملے کے سارے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آج کل کے زمانے میں اِدھر سے کوئی حملہ نہ ہونے کی وجہ اسلامی ریاست کا قیام نہیں بلکہ دوسرے وجوہ ہوں گے۔

صرف یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے خلاف دوسرے مسلمانوں نے حملے کئے بلکہ خود مسلمانوں کے درمیان

حکومت، سلطنت اور تخت و تاج کے لئے جنگیں ہوتی رہیں۔ اگرچہ اسلام کی تعلیم کے مطابق نسل و وطن کے سارے امتیاز دور ہوجانا چاہئے پھر بھی اسلام مسلمانوں کے درمیان باہمی جنگ روکنے میں عیسائی مذہب کی طرح ناکامیاب رہا۔ اس کے ثبوت کے لئے گذشتہ تاریخ میں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم میں عربوں نے ترکوں کے خلاف لڑنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ ایسے وقت میں جب کہ ہندوستانی مسلمان سلطان ترکی کی عظمت اور حکومت بہ طور خلیفۃ المسلمین برقرار رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگارہے تھے عربوں نے انکے خلاف علم بغاوت بلند کئے تھے۔ فارس میں رضا شاہ پہلوی جسے بجا طور پر ایران کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ دول یورپ کی تحریک و سازش سے اپنے ہی ملک کے مسلمانوں کے ہاتھوں ایسا پریشان ہوا کہ تخت سے دست بردار ہوکر اپنا آخری زمانہ غربت میں بسر کرنا پڑا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان افغانستان میں دو بڑے انقلابات ہوئے۔ امان اللہ شاہ کے بجائے بچہ سقہ اور بچہ سقہ کی جگہ نادر شاہ کو اسی ملک کے مسلمانوں نے بادشاہ بنایا بلکہ آج بھی اس کی کوشش ہوتی رہتی ہے کہ ترکی، فارس اور افغانستان کو چھوڑ کے اور عربی سلطنتیں ایک دوسرے سے متحد ہوجائیں۔ اس طرح مذہبِ اسلام مختلف نسلوں، قوموں اور فرقوں کے مسلمانوں کو کیا ایک بھی ملک کے تمام مسلمانوں کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس لئے یہ کہنا فضول ہے کہ مسلمان سلطنتیں ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کرسکتیں۔

یہاں تک تو شمالی مغربی سرحد کے حملوں کے متعلق ہوا۔ مشرقی سرحد پر حملہ روکنے یا اس کے امکانات کم کرنے کا اس طرح کا بھی کوئی بہانہ نہیں جیسا کہ شمالی مغربی سرحد کے بارے میں کہا گیا۔ شمالی مشرقی ہندوستان میں اسلامی ریاست قائم ہونے سے یہ البتہ ہے کہ غیر مسلم علاقہ (ہندوستان) اپنی قدرتی حفاظت کے سامنے سے محروم ہوجائے گا اور اس کے مقابلے میں اسلامی ریاست کو اس طرح کا کوئی خاص فائدہ بھی نہ پہنچے گا۔ جیسا کہ شمالی مغربی علاقے کے قیام کی تائید میں بیان کیا جاتا ہے۔

شمالی مغربی علاقے کے تحفظ کی تائید میں جو نکتہ پیش کیا جاتا ہے وہ اسلامی علاقے کو آسانیاں پہنچانے کے علاوہ غیر مسلم علاقے کے دفاع کا مسئلہ اور زیادہ نازک بنا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں کہ مذہبی و ملکی مصالح کے موافق جہاد کا جوش موجود ہو غیر مسلم علاقے کو جہاد کا خطرہ اس وقت اور زیادہ بڑھ جائے گا جب مسلمانوں کی ایک ریاست ہندوستان کے حدود کے اندر قائم ہوجائے گی اور غیر مسلم علاقے کے قبضے میں تحفظ و دفاع کے قدرتی علاقے یعنی پہاڑ بھی نہ رہ جائیں گے۔

اگر پاکستان کی تائید میں اس بنیاد پر (یعنی جہاد) کوئی بحث کی جاسکتی ہے تو اس سے غیر مسلم ریاست اندیشہ کرنے میں حق بجانب ہے خصوصاً اس حالت میں کہ اس قسم کی مسلسل پاکستانی حکومت قائم ہوجانے سے جو خطرے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا بھی تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے۔ اس سے وہ یہی نتیجہ نکالیں گے کہ بٹوارے کی یہ تجویز محض اس لئے ہے کہ غیر مسلموں کو ان قدرتی حصاروں سے محروم کردیا جائے اور اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ بٹوارے پر کس طرح رضامند ہوسکتے ہیں۔

بہرحال ڈاکٹر امبیدکار کے اس مقولے کی بابت بہت کچھ کہا جاسکتا ہے کہ "ایک مضبوط فوج مضبوط سرحد سے زیادہ بہتر ہے" ملک کے تحفظ و دفاع کے مسئلہ کو زمانۂ حال کی جدید ایجادات اسلحہ و اسلوب جنگ کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ لیکن قدیم طرز جنگ کے اعتبار سے بھی چونکہ مسلمان اور ہندو علاقوں کے گرد سمندر ہوگا اس لئے تینوں ریاستوں کو سمندری دفاع کے مسئلے

پر بھی توجہ دینا ہوگی۔ ان ریاستوں کو صرف غیر ممالک کے حملوں ہی سے حفاظت کا سامان بہم پہنچانے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حملے سے مدافعت کے لئے بھی تیار رہنا پڑے گا۔ اس کے لئے کچھ بہت زیادہ حساب لگانے یا تخمینے کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے کہ بٹوارہ ہو جانے کی صورت میں ہندو اور مسلمان دونوں ریاستوں کے وسائل بہت کم ہو جائیں گے اور دفاعی سامان کی تو بڑھنے کے ساتھ ہی دونوں ریاستوں کو (مسلم و غیر مسلم) اس کا خرچ پورا کرنا پڑے گا جس کا لازمی بار ان علاقوں کے رہنے والوں پر پڑے گا جس کا انجام پریشانی ہے۔

مالی و صنعتی وسائل کے سلسلے میں ہم ہندو مسلم دونوں علاقوں کا جائزہ لے چکے ہیں کہ اگرچہ بٹوارے سے دونوں کے وسائل کو ضرر پہنچے گا لیکن پھر بھی غیر مسلم علاقہ مسلم علاقوں کے مقابلے میں بہتر حالت میں رہے گا۔ اسلامی علاقوں کے پاس نہ تو اتنا سرمایہ ہوگا اور نہ ہی اتنے وسائل ہوں گے کہ اپنی دفاعی تیاریاں مکمل کر سکے۔ بہرحال یہ معاملہ تمام ہندوستان کے باشندوں کے لئے اہم ہے کہ انکی دفاعی صلاحتیں منتشر اور متفرق نہ ہوں اور نہ اخراجات ہی اتنے زیادہ ہوں جسے ملک برداشت نہ کر سکے اور ضروری دفاعی سامان مہیا کرنے سے معذور رہے بلکہ ہندوستان کی حالت بین الاقوام میں قابل اطمینان رہنی چاہئے۔

مسئلہ دفاع کی ایک دوسری صورت بھی ہے جسے پروفیسر کوپ لینڈ نے بیان کیا ہے اور جسے پاکستان کے حامیوں کو غور سے سُننا چاہئے۔

اگر اسلامی و غیر اسلامی خود مختار ریاستیں قائم ہوئیں تو ہر ایک کو جداگانہ برّی، بحری اور ہوائی فوجیں رکھنا ہوں گی جس میں لازمی طور پر اسی قوم اور فرقے کے لوگ ہوں گے جن کا وہ ملک ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فوج کی موجودہ ترتیب میں تبدیلی واقع ہوگی۔ ڈاکٹر امبیدکار نے بتایا ہے کہ قبل غدر ۱۸۵۶ء میں فوج میں ۹۰ فی صدی شمالی و مشرقی ہندوستان، بہار و صوبہ متحدہ کے لوگ ہوتے تھے اور دس فی صدی شمال و مغرب کے لوگ لیکن بعد غدر ۱۸۵۸ء میں حکومت کی پالیسی بدل جانے کے باعث یہ حالت بالکل اُلٹ گئی جس سے ۴۷ فیصدی شمالی مغربی حصہ کے سپاہی ۶ فیصدی نیپال، گڑھوال اور کمایوں کے اور ۴۷ فی صدی شمالی مشرقی ہندوستان، بہار اور صوبہ متحدہ کے بھرتی ہونے لگے۔ جنگجو اور ناقابل جنگ قوم کا فرق پہلے پہل ۱۸۷۹ء میں بھرتی کے اُصول کے طور پر مقرر ہوا جس کی مزید تائید لارڈ رابرٹ اور لارڈ کچنر نے بھی کی جس سے شمالی مغربی ہندوستان کی قومیں زیادہ بھرتی ہونے لگیں یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں ان کی تعداد میں بڑا اضافہ ہو گیا یعنی ۵۸٫۵ شمالی مغربی ہندوستان کی قومیں ۲۲ فی صدی نیپال، گڑھوال اور کمایوں کے لوگ اور ۱۱ فیصدی بہار اور صوبہ متحدہ کے لوگ رہ گئے بقیہ میں ۵٫۵ فیصدی جنوبی ہندوستان کے اور ۳ فیصدی برہما کے سپاہی تھے۔

ڈاکٹر امبیدکار کی کتاب سے ذیل کا نقشہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ فوج کی ترتیب میں قوموں کا تناسب کس طرح بدلتا رہا۔

نمبر	علاقہ و قوم	فیصدی ۱۹۱۴ء میں	۱۹۱۸ء میں	۱۹۱۹ء میں	۱۹۳۰ء میں
I	پنجاب، سرحد و کشمیر	۴۷	۴۶٫۵	۴۶	۵۸٫۵
۱	سکھ	۱۹٫۲	۱۷٫۴	۱۵٫۴	۱۳٫۵۸
۲	پنجابی مسلمان	۱۱٫۱	۱۱٫۳	۱۲٫۴	۲۲٫۶
۳	پٹھان	۶٫۲	۵٫۴۲	۴٫۵۴	۶٫۳۵
II	نیپال، کمایوں، گڑھوال	۱۵	۱۶٫۶	۱۲٫۲	۱۴٫۴
۱	گورکھے	۱۳٫۱	۱۶٫۶	۱۲٫۲	۱۶٫۴
III	شمالی ہندوستان	۲۲	۲۲٫۷	۲۵٫۵	۱۱
۱	صوبہ متحدہ کے راجپوت	۶٫۴	۶٫۸	۷٫۷	۲٫۵۶
۲ IIII	ہندوستانی مسلمان	۴٫۱	۳٫۴۲	۴٫۴۵	ندارد
۳	برہمن	۱٫۸	۱٫۸۶	۲٫۵	ندارد
	جنوبی ہند	۱۶	۱۱٫۹	۱۲	۵٫۵
۱	مرہٹہ	۴٫۹	۳٫۸۵	۳٫۷	۵٫۳۳
۲	مدراسی مسلمان	۳٫۵	۲٫۷۱	۲٫۱۳	ندارد
۳	تامل	۲٫۵	۲	۱٫۶۷	ندارد
V	برمی (یعنی برما کے باشندے)	ندارد	برائے نام	۱٫۷	۳

ان اعداد سے پنجابی مسلمان اور سرحدی پٹھانوں کی تعداد میں کافی اضافہ پایا جاتا ہے سکھوں کی حیثیت نمبر اول سے نمبر سوم پر راجپوتوں کی نمبر چہارم پر ہوگئی ہے اور یوپی کے برہمن تاملوں اور مدراسی مسلمانوں کی تعداد ندارد ہوگئی ہے۔ ۱۹۳۰ء کے فوجی اعداد میں قومیت کے لحاظ سے تجزیہ کر کے ڈاکٹر امبیدکار اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد پیدل فوج میں ۲۶ فیصدی (اگر گورکھے شامل نہ کئے جائیں ورنہ ۳۰ فیصدی) اور سواروں میں ۳۰ فیصدی ہے۔ علاوہ ایک فیصدی پیدل کے جو دہلی کے قرب و جوار کے رہنے والے ہیں بقیہ پیدل فوج کے تمام مسلمان اور ۱۹ فیصدی سوار فوج پنجاب اور سرحدی صوبے کے مسلمانوں سے مرکب ہے۔

مرکزی اسمبلی کے ممبروں کے استفسار کے باوجود ۱۹۳۰ء کے بعد کے فوجی اعداد و شمار گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کئے۔ سر سکندر حیات خاں نے ایک پنجابی مسلمان کی حیثیت سے ہندوستان کے لئے ایک وفاقی سلطنت کا خاکہ بنایا تھا جس میں یہ شرط رکھی تھی کہ ہندوستانی فوج میں مختلف قوموں کا تناسب ہر صورت میں وہی رکھا جائے جو جنوری ۱۹۳۶ء کی ہندوستانی فوج میں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا تناسب فوج میں یقیناً اتنا زیادہ تھا کہ انھیں یہ شرط لگانی پڑی۔ مسلمانوں کے علاوہ ۱۹۳۰ء میں ۱۳٫۵۸ فیصدی سکھ سپاہی بھی پنجاب کے تھے۔ لہٰذا بٹوارے کا سب سے پہلا اثر یہ ہوگا کہ ہندوستانی

فوج کے بہت زیادہ لوگ اپنی نوکریوں سے برطرف کر دیے جائیں گے اور اسلامی ریاستوں کو ان سب برطرف شدہ لوگوں کو اپنے یہاں جگہ دینی پڑے گی۔

یہ سچ ہے کہ جنگی اور غیر جنگی قوموں کی تخصیص محض عجلت پسندی کا نتیجہ ہے جس کا ایک مقصد پنجابیوں کو ان کی خدمات کے صلے میں انعام دینا اور صوبہ متحدہ و بہار کے باشندوں کو ان باغیانہ اقدام کے لئے سزا دینا تھا جو ان سے غدر کے سلسلہ میں ہوئی تھیں۔ یہ امتیاز کسی تاریخی یا حقیقی بنیاد پر مبنی نہیں اور اسی لئے شاید کوئی قومی حکومت اسے برقرار نہ رکھے۔ اگر بٹوارہ نہ ہوا تو غالباً فوجیوں کا تناسب ہر صوبہ کی آبادی کے لحاظ سے رہیگا لیکن ان کی تعداد میں تخفیف یا زیادتی یکایک نہ ہوگی بلکہ آہستہ آہستہ اس پر عمل کیا جائے گا۔ پروفیسر کوپ لینڈ نے کہا ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا تناسب جو ۱۹۳۹ء میں $\frac{1}{2}$ تھا اور اب ۳۰ فیصدی ہے جب ۲۵ فیصدی سے بھی کچھ کم کر دیا جائے گا تو اس کا اثر پنجابیوں کے طرز زندگی پر کافی اثر پڑے گا کیونکہ ان کا ایک بڑا حصہ اسی آمدنی پر گزر کرتا ہے۔ اب یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ جب بٹوارے کی وجہ سے اکھنڈ ہندوستان میں پنجابی مسلمانوں کی آمدنی کا یہ دروازہ بالکل ہی بند ہو جائے گا تو ان کی حالت کس قدر خراب ہو جائے گی۔

کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اب حکومت ہند کی فوج میں ہیں وہی اپنی اسلامی ریاستوں میں بھرتی ہو جائیں گے۔ یہ بیشک ممکن ہے لیکن اس صورت میں چھوٹی سی مسلم ریاست کیسے ان تمام لوگوں کو اپنی فوج میں جگہ دے دیگی جو ہندوستانی فوج سے برطرف ہوں گے اور اگر اتنی فوج رکھ بھی لے تو اس کا بار انھیں کی گردن پر پڑے گا جس سے بقیہ غیر مسلم حصہ کو کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اس طرح گویا مسلم علاقے کا جو نقصان ہوگا وہی غیر مسلم علاقے کا فائدہ ہے کیونکہ وہ روپیہ جو ایک ریاست اپنی فوج پر خرچ کریگی وہی دوسری ریاست ان لوگوں پر صرف کریگی جو اس کی آمدنی میں اضافہ کرنے والے ہوں گے۔

(۵) کہا جاتا ہے کہ صرف بٹوارے سے مسلمانوں کو اقتصادی خود اختیاری حاصل ہو سکتی ہے۔ اقتصادی مسئلہ کی دو صورتوں میں ایک سرکاری نوکریوں کا ذریعہ اور دوسرے صنعتی ترقی کے ذریعہ اقتصادی فارغ البالی۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے خود مختار اسلامی ریاستیں قائم ہونے کے بعد اس سے مسلمانوں کی حالت بہتر ہونے کے بہت کم امکانات ہیں کیونکہ ملازمتوں کی تعداد اقوام کے تناسب سے معین ہے جو اگر نامناسب اور غیر منصفانہ بھی جائے تو ترمیم کی جا سکتی ہے لیکن جب تک کہ یہ طے نہ کر لیا جائے کہ غیر مسلموں کو سرکاری نوکریاں دی ہی نہ جائیں گی یا ان کا تناسب اس سلسلہ میں زبردستی گھٹا کر انھیں محض فرق مذہب کی بنا پر پست ٹھہرایا جائے گا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے مسلمانوں کی حالت میں زیادہ تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ صرف سرکاری ملازمتوں کا معاملہ ہی ایسا ہے جس میں باہمی اتفاق کی صورت نکل سکتی ہے اور آنکھ کے لئے آنکھ اور دانت کے لئے دانت کی پرانی مثل پوری اتر سکتی ہے۔

چونکہ غیر مسلم ملازمین کا تناسب مسلمان ریاستوں میں زیادہ رہے گا اس لئے انھیں اپنی مانگیں پیش کرنے اور حقوق حاصل کرنے میں آسانی رہے گی برخلاف اس کے غیر مسلم ریاست میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کے ساتھ بکھری ہے۔ اس لئے وہ اپنے مطالبات شاید اتنے زوردار اور منظم طور پر نہ پیش کر سکیں۔ مسلمانوں کا تناسب چونکہ مختلف صوبوں میں ایک فیصدی

ے ۱۲ فیصدی تک ہے اور انھیں جگہیں اس سے زیادہ حاصل ہیں۔ اس لئے اس کا زیادہ امکان ہے کہ غیر مسلم ریاست کی سرکاری ملازمتوں میں ان کی تعداد اور گھٹائی جائے۔ اس وقت ملازمتوں کے بارے میں اگر کسی قسم کا معاہدہ ہو تو بٹوارے کے وقت اس میں ترمیم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس معاہدے کے وقت بٹوارہ ہرگز مدنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ اسطرح گویا ہندوستان کے مسلمان سرکاری ملازمتوں کے سلسلہ میں نقصان اُٹھائیں گے اور ایسا نقصان جس کے عوض میں ان کے ہم مذہب بھائیوں کو اسلامی ریاستوں میں بھی کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

اقتصادی ترقی و فارغ البالی کا دوسرا پہلو صنعتوں کی ترقی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر مسلم آبادی کو تجارت میں جو ترقی حاصل ہے وہ ان سیاسی رعایتوں کے باعث ہیں جو انھیں حاصل تھیں۔ ہندوستان میں جو سیاسی اختیارات تھے وہ نہ تو ہندوؤں نے استعمال کئے ہیں اور نہ مسلمانوں نے بلکہ یہ تو برطانیہ کے قبضہ میں رہے ہیں۔ اگر آج ہندوؤں کو تجارت کے میدان میں مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے تو اس کا سبب سیاسی سرپرستی نہیں بلکہ اپنی محنت و کارپردازی ہے۔ اگر اقتصادی برتری آبادی کے تناسب سے حاصل کئے ہوئے اختیارات پر مبنی ہوتی تو پارسی جن کا تناسب ہندوستان کی آبادی میں بہت ہی کم ہے کہیں قابل ذکر ہی نہ ہوتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انھیں اقتصادی اعتبار سے جو درجہ حاصل ہے وہ ہندوؤں سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں کہی جا سکتی۔ اُن کی اس فارغ البالی سے کوئی حسد نہیں کرتا اور نہ اُنھوں نے کبھی اس کی شکایت کی ہے کہ غیر پارسی اکثریت ہندوستان میں اُنھیں کچلے ڈال رہی ہے۔ یہ کہنا کوئی معقول بات نہیں کہ ہندوؤں کی موجودہ حالت ان کے سیاسی اثرات و مراعات کی بنا پر ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد کسی طرح اپنی اس حالت سے اس وقت تک گرائے جا سکتے ہیں جب تک کہ اسلامی حکومت ان کے ساتھ تعصب کا برتاؤ نہ شروع کر دے۔ اگر پاکستان کے حامیوں کا مطلب یہی ہے کہ پاکستان میں تاجر کو صرف اس لئے ترجیح دی جائے کہ وہ مسلمان ہے تو وہ غلطی پر ہیں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلم اس بٹوارے کو قبول کرینگے۔

اگر ہندوؤں کے ہاتھ میں اختیارات رہے ہوتے اور انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کو تجارتی مراعات دینے میں ان اختیارات کا بیجا استعمال کیا ہوتا تو یقیناً صورت دوسری ہوتی لیکن جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے مرکزی حکومت میں انھیں کبھی اختیارات حاصل نہیں رہے اور صوبوں میں اختیارات انھیں حاصل بھی ہوئے تو صرف ۲۷ مہینہ کی مختصر سی مدت کے لئے۔ اور اُدھر مسلمانوں کے ہاتھوں میں پاکستانی صوبوں میں حکومت کی لگام تقریباً آٹھ سال تک مسلسل رہی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پنجاب کے بعض ہندوؤں اور سکھوں نے اپنی صلاحیت، محنت، اور قابلیت کی بنا پر پنجاب کے باہر بھی صنعتی ادارے قائم کئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے بعض طبقے شلاً خوجہ وغیرہ کی طرح راجپوتانہ، کاٹھیاوار اور گجرات وغیرہ کے ہندو ہندوستان کے صنعتی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے موجودہ حیثیت کسی سیاسی حق یا رعایت کی بنا پر حاصل نہیں کی۔ ان کے مقابلے میں اور مسلمانوں کا بڑھنا اور ترقی کرنا اس وقت تک مشکل ہے جب تک غیر مسلموں کو دبانے اور کچلنے کا فیصلہ نہ کر لیا جائے جو خود مختار اسلامی ریاستوں کے غیر مسلم باشندوں پر صریحی زیادتی اور ظلم ہوگا۔

اسی طرح ہم نے دیکھا کہ جن وجوہ کی بنا پر بٹوارہ طلب کیا جاتا ہے وہ یا تو غیر معقول ہیں یا ایسی کہ انھیں بٹوارے کی جائز

وجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ برخلاف اس کے بٹوارے کے خلاف بڑی معقول وجہیں ہیں جن میں سے چند کا اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(۱) چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کے دن اگر ابھی نہیں تو جانے ہی والے ہیں۔ حال کے واقعات نے بتادیا ہے کہ چھوٹی ریاستیں اپنی حفاظت تو کر ہی نہیں سکتیں بڑی بڑی ریاستوں کو اپنی آزادی برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے آج کل کا سیاسی رجحان مختلف ریاستوں کو مجتمع کرنے کی طرف زیادہ ہے اور اگر بڑی ریاستوں سے بھی بڑھ کے کوئی عظیم تر ریاست کا قیام عمل میں آجائے تو چنداں تعجب و حیرت کا مقام نہ ہونا چاہئے۔ ایسی صورت میں یہ زبردست غلطی ہوگی اگر ہندوستان کو متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک بار ہم بٹوارے پر آگئے تو ہندوستان نہ صرف مسلم و غیر مسلم ریاستوں میں بٹ جائے بلکہ ان مسلم و غیر مسلم ریاستوں کے بھی حصے ہو جائیں جس سے والیان ملک کی مختلف ریاستیں تو ایک طرف برطانی ہندوستان بھی کٹ کٹ کے نجانے کتنے حصوں میں بٹ جائے۔ ایسی حالت میں ہندوستان کی مثال ایک ایسے مکان کی ہوگی جس میں یکجہتی نہ ہو اور جو غیر ملکی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار بنا رہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں کمزور، باہری حملوں سے اپنی دفاع کرنے کے ناقابل اور باہریوں کے اشارے پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے پر تیار ہیں۔

(۲) یکجا طور پر سارے ملکی وسائل سب کے فائدے کے لئے زیادہ بہتر طریقہ سے استعمال میں لائے جا سکتے ہیں اگر سب مل جل کر، ہنسی خوشی، اس میں مدد کریں، بہ نسبت اس کے دو خود مختار ریاستیں قائم کر لی جائیں جس میں مال علٰحدہ علٰحدہ بٹ جانے کی وجہ سے اتنا مفید نہیں ہو سکتے۔ دو ریاستوں کا محض خود مختار ہونا ہی ایک ایسی بڑی دیوار ہے جو مل جل کے کام کرنے میں حارج ہو جائے گی۔

ہندوستان کے سے وسیع ملک میں قدرتی دولتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس ملک کے مختلف حصوں میں تقسیم ہو جانے سے یہ ہوگا کہ ہر حصہ یا ریاست اپنی بعض بہت اہم اور ضروری چیزوں کے لئے دوسرے کی دست نگر رہے گی جس کا نتیجہ کچھ اچھا نہ ہوگا۔ یہ امر کہ اسلامی مغربی و مشرقی علاقے اس بٹوارے میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے کہیں اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس کا بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اسلامی ریاستوں کے پاس سرمایہ بھی اتنا نہ ہوگا کہ عملہ اور دفاع کا خرچ برداشت کر سکیں۔

(۳) ہندوستان کی سب سے بڑی ضرورت اس وقت یہ ہے کہ ملکی ترقی پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے کیونکہ برطانوی حکومت نے اپنے کو کم و بیش پولیس کی حکومت سمجھا ہے جس سے ملکی ترقی کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس نقصان کے پورا کرنے کے لئے سارے ملک کو توجہ کرنا ہے جس سے اسلامی ریاستیں بھی مستثنٰی نہیں، لیکن ریاستوں کا بٹوارہ ملکی ترقی پر بہت برا اثر ڈالے گا جس میں اس رفتار ترقی میں روڑا اٹکے گا۔ پھر وسائل گھٹ جانے کے باعث دونوں ریاستوں کو اس مد میں خرچ کے لئے بھی کافی رقم نہ میسر ہو سکے گی۔

(۴) دنیا کی قوتوں کا نیا رحجان جس سے اسلامی ممالک بھی علیٰحدہ نہیں ہے کہ سیاست اور اقتصادیات کو مذہب سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ مسلم لیگ اور پاکستان کے نام لیوا خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ دنیا کی تمام اسلامی حکومتیں یورپ کی عیسائی حکومتوں کی طرح دنیادار اور لامذہب ہوتی جا رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہندوستانی مسلمان وقت کے اس بہتے ہوئے دھارے کو بدل دیں گے اور ہندوستان میں عالمگیر رجحانات کے خلاف بعض دوسری بنیادوں پر حکومت قائم کرلیں گے؟

(۵) یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ بٹوارے کی اس تجویز کی سب غیر مسلموں اور کچھ مسلمانوں نے بھی سخت مخالفت کی ہے۔ مجھے یہاں فیصلہ کرنا نہیں کہ آیا مسلم لیگ مسلمان اکثریت کی نمائندہ جماعت ہے یا جمعیت العلماء، جمعیت المومنین، مجلس احرار، نیشنلسٹ مسلمانوں کے گروہ، آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور دوسری جماعتیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ آخرالذکر تمام جماعتوں نے بٹوارے سے شدید اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ پھر مسلمانوں میں صورتِ حال جیسی بھی ہے ہو، ہندوؤں اور سکھوں نے صاف صاف پاکستان کی مخالفت کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بٹوارے کے مسئلہ پر جتنا زور دیا جائے گا تعلقات اتنے ہی خراب ہوتے جائیں گے۔

یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ آیندہ کیا ہوگا لیکن اتنا ضرور ہے کہ پاکستان ہنسی خوشی حاصل نہیں کیا جاسکے گا اور اگر یہ تجویز منظور بھی ہوگئی تو بٹوارے کے بعد بھی ایک دوسرے کے خلاف یہ بے اعتباری دونوں کے دلوں میں قائم رہے گی۔ یہ اُمید کہ بٹوارہ ہوجانے کے بعد دلوں کے غبار دُھل جائیں گے محض موہوم ہے۔ امکانات تو اسی کے زیادہ ہیں کہ یہ بے اعتباری اور کینہ یہاں تک بڑھے کہ دونوں ریاستوں کو فوجوں کی فکر پڑجائے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو اقتصادی مقاطعہ یا معاشی جنگ کا ہونا ناممکن نہیں۔

(۶) اس تمام جنگ وجدل، کینہ پروری اور بغض سے اقلیتوں کی حالت پر زبردست اثر پڑے گا۔ اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں کے اس تصادم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ جو ہمدردیاں ایک دوسرے کے دلوں میں اقلیتوں کے لئے ہیں وہ بھی ختم ہوجائیں گی اور اقلیتوں کا آج کل سے بھی بُرا حال ہوجائے گا۔ یہ صورتِ حال بٹوارے کی منظوری کی حالت میں غیر مسلم اقلیتوں پر تو زبردستی نازل کی جائے گی لیکن مسلمان اقلیتیں بیشک اِسے خود ہی مول لیں گی اور کسی دوسرے پر اس کا الزام نہیں لگا سکیں گی۔

ہماری کتابیں

اُردو کی عشقیہ شاعری — از — فراق گورکھپوری

فراق کے کلام میں دنیا کی اعلیٰ ترین عشقیہ شاعری کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ فراق کی نثر موجودہ زمانے کے بلند ترین تفکر کی مثال ہے۔ عشقیہ شاعری پر حسن و عشق کے معاملات پر ابتک ایسی کتاب اُردو میں نہیں آئی۔

مجلد با تصویر — قیمت دو روپیہ بارہ آنہ

اصغر شاعر بھی تھا، نقاد بھی اور ادیب بھی اُس نے شمع سخن کو اس شان سے فروزاں کیا کہ ساری فضائے ادب جگمگا اُٹھی اب بھی سخن آرائی اس کے طرز ادا کی ندرت پہ وجد کرتی ہے اور ارباب علم اس یگانۂ فن کی نازک خیالیوں پر سر دُھنتے ہیں اگر آپ ان کے مطالب علمیہ اور افادات ادبیہ سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہیں تو

اصغر گونڈوی

کا مطالعہ کیجئے۔ اس مجموعہ کو پرنسپل عبدالشکور ایم اے نے مرتب کیا ہے اور اس بزم میں خان بہادر اسد اللہ کاظمی ایم۔ اے، ایم، ایڈ، پروفیسر مظہر عزیز بی۔ اے آنرز اور ملک کے دوسرے نقادوں نے شرکت کی ہے — قیمت دو روپیہ ۱۲ آنہ

اُردو شاعری کی ذہنی تاریخ

اصغر گونڈوی مرحوم بیسویں صدی کے ہمارے ادب میں جو مرتبہ رکھتے ہیں وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے مرحوم کی ... یہ بالا تصنیف اہم اور غیر معمولی تنقیدی تفکر کی جگمگاتی ہوئی مثال ہے۔ خارجی طور پر تو اُردو شاعری کی کئی تاریخیں لکھی گئی ہیں لیکن داخلی اور ذہنی طور پر اردو شاعری کی تاریخ حضرت اصغر کی اس تصنیف میں اُجاگر کی گئی ہے۔ اپنا آرڈر پہلے سے بک کرالیں — قیمت فی جلد دو روپیہ چار آنہ

ساتھی اور دوسرے افسانے — از۔ حمیدہ بیگم بی۔ اے

یہ کتاب سات دلکش افسانوں کا مجموعہ ہے۔ ہر افسانے کا پلاٹ دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ مطالعہ کے بعد موجودہ معاشرت کا تاریک اور روشن پہلو نقوش کے سامنے آجاتا ہے اور اسطرح ہر مطالعہ گزنوالا پہلے سے زیادہ تجربہ کار ہوجاتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ :— سعید برادرس پبلشرز الہ آباد



اور
...ے کیلئے پیلیکو چھت گیر پنکھے

...ں کے سبب کام اور توجہ کی تمام طاقت ختم ہو جاتی
...ے پیلیکو برقی پنکھا لے لیجئے یہ سستی اور تھکان کو کافور
...و چھت گیر پنکھے قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ ایک ...
...ں عمدگی سے چلتے رہتے ہیں اور شاذ و نادر ہی مرمت کی حاجت
...اعلیٰ قسم کے پنکھے ذرا سی دیر میں بڑے بڑے کمروں کو ٹھنڈا
...خوبصورتی اور کارگری میں بالکل ولایتی پنکھوں کی مانند ہیں
...قیمت اسقدر کم ہے کہ ہر شخص انہیں لے سکتا ہے۔ اے سی اور ڈی سی دونوں قسم کے کرنٹ کے ملتے ہیں۔

PELIC...
Ceiling Fa...

پیلیکو الکٹریکل انڈسٹریز لیمیٹڈ

لاہور - امرتسر - بمبئی

خیام پکچرز

ہندوستانی متکلم فلم سازی کے ایک نئے معیاری ادارے کا قیام

...ی پرستی :- مہاراجہ جگت جیت سنگھ صاحب بہادر، والئی کپورتھلہ اسٹیٹ

پہلی تصویر **راج ہٹ**

کہانی اور مکالمے و گانے
پروفیسر واقف مرادآبادی

...ڈیوسر ڈائرکٹر : ______ صادق علی

...یں کے لئے لکھئے :-



کیونکر قائم رہ سکتی ہے جبکہ طبیب نسخہ لکھے اور دوا صحیح نہ ملے یا مریض کو حکیم ہی عطائی ملے۔ یہی پاکیزہ خیال آنا تھا کہ حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم نے ۱۹۰۳ء میں ہندوستانی دواخانہ دہلی کو قائم کیا۔ تاکہ صحیح دوائیں میسر آسکیں ساتھ ہی آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج دہلی کی بنیاد رکھی تاکہ مستند حکیم و وید ملک کی خدمت کر سکیں۔ اور صاف اعلان کر دیا۔ کہ ہندوستانی دواخانہ دہلی کا کل نفع کالج پر صرف ہو۔ اپنی عمر کا اندوختہ جو لاثانی نسخہ جات تھے۔ صرف ہندوستانی دواخانہ کو عطا فرمائے۔ تاکہ ہندوستانی دواخانہ کی آمدنی اتنی کافی ہو جائے کہ کالج بغیر کسی امداد کے چلتا رہے حتیٰ کہ یونیورسٹی کے درجہ تک پہونچ جائے۔

آج ہم فخر محسوس کرتے ہیں کہ حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے مسیح الملک حکیم جمیل صاحب اپنے والد مرحوم کے ہندوستانی دواخانہ دہلی اور طبیہ کالج دہلی کی سرپرستی جس مجاہدانہ سرگرمی سے کر رہے ہیں۔ اس کے نتائج اتنے شاندار کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ طبیہ کالج یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرے گا۔ اور یہ سب نتیجہ حکیم صاحب مرحوم کے خلوص اور آپ کی امداد سے ہوگا۔

چند مخصوص اور مجرّب دوائیں پیش کیجاتی ہیں

اکسیر نسواں

اس اکسیر کے استعمال سے سیلان الرحم (لیکوریا) اور ایام حیض کی تمام خرابیاں (مثلاً بے قاعدہ آنا اور غیر معمولی تکلیف سے آنا وغیرہ) دور ہو جاتی ہیں۔ حمل ساقط ہونے اور قرار نہ پانے کے لئے بھی مفید ہے۔ سوائے حالات حیض اور ایام حمل کے ۳-۴ ماشہ صبح و شام پاؤ سیر دودھ میں استعمال کریں۔ قیمت فی شیشی ۱ تولہ دو روپے عہ

اکسیر پائریا

ہندوستان بھر میں پائریا کا مرض تیزی سے پھیل رہا ہے اور رفتہ رفتہ خوفناک امراض کا باعث بن رہا ہے سوڑھوں سے خون اور ریپ نکل کر غذا میں شامل ہو کر جب معدے میں پہنچتا ہے تو یکے زہریلے اثر سے مہلک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹری میں پائریا کا صرف یہ علاج ہے کہ دانت نکلوا دئے جائیں لیکن یونانی طب دانت نکلوانے پر مجبور نہیں کرتی اور اکسیر پائریا پیش کرتی ہے جو پائریا کی بہترین دوا ہے۔ ہزار بار مریضوں پر تجربہ ہو چکا ہے۔ ترکیب استعمال صبح و شام سوڑھوں پر ملیں قیمت ۱ تولہ عہ

الماس کیمیادی

مردانہ قوتوں کی ترقی و حفاظت کے لئے لاثانی دوا ہے۔ دل و دماغ کی کمزوری دور کرتی ہے تازہ خون زیادہ پیدا ہونے لگتا ہے معدہ اور جگر کے لئے مفید ہے یہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب کی ترتیب دادہ اور دواخانہ کی سب سے زیادہ موثر بے بہا اور بے نظیر اکسیر ہے جس پر ہمیں فخر ہے اور ہمارا یقین و مشاہدہ ہے کہ یہ چیز ہمارے سوائے کسی قیمت پر کہیں سے بھی نہیں مل سکتی۔ ترکیب استعمال ایک حب سہ پہر کو تازہ گائے کے دودھ کے ساتھ کھائیں۔

قیمت فی حب ڈیڑھ روپے چار آنے آٹھ گولی سولہ روپے۔ بیس گولی ستائیس روپے

اجملان

ہمارے زمانہ میں قبض (اجابت کا کھل کر نہ ہونا) ایک عالمگیر بیماری ہے جس کی وجہ سے خراب اور زہریلے مادے جسم میں جمع ہوتے ہیں اور پھر طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں "اجملان" کو ہر ایک قبض کشا دوا سے بڑھ کر پایا گیا ہے قطعی بے ضرر ہے۔ دست نہیں لاتی کہ جس سے کمزوری ہو جاتی ہے۔ معدے کی خرابی اور رطوبت زائدہ کو دور کرتی ہے اور پیٹ کا بڑھنا روک دیتی ہے ایک بے مثل چیز ہے احتیاط پسند لوگ سفر و حضر میں ساتھ رکھتے ہیں اور پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ترکیب استعمال ایک قرص رات کو سوتے وقت نیم گرم پانی سے کھائیں۔ بچوں کو چوتھائی یا نصف قرص عمر کے مطابق دیں۔ قیمت چھتیس قرص ایک روپیہ بارہ آنے فی قرص ار

استعمالی

رحم کے ورم کے لئے مفید ہے (استعمالی حیض و حمل کے زمانہ میں استعمال کرنا ممنوع ہے) دائی یا کسی دوسری عورت کے ذریعہ روزانہ صبح دو پھوئے لے کر ان میں سے ایک کو فم رحم (بچہ دانی کا منہ) کے دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف رکھیں ۲۴ گھنٹہ کے بعد ان پھولوں کو نکال پھینکیں اور ان کی بجائے دوسرے پھوئے اسی طرح رکھیں۔ پندرہ سولہ روز تک استعمال کرنا کافی ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۶ پھوئے عہ

جمیلان :- مسیح الملک حکیم جمیل خاں صاحب حکیم اعظم کا نادر الوجود عطیہ

یہ عجیب و غریب دوا جریان کے لئے تیر بہدف ثابت ہو چکی ہے لیکن اس خاص مرض کے علاوہ بھی تمام اعصابی اور دل و دماغ کی قوت کو بحال کرتی ہے ناتوانی توانائی سے اور بڑھاپا جوانی سے اور مایوسی امید سے تبدیل ہو جاتی ہے جسم میں تازہ خون گردش کرنے لگتا ہے۔ چہرے پر جوش جوانی کی سرخی جھلکنے لگتی ہے

اس کے چند روزہ استعمال سے اکثر مایوس العلاج نوجوانوں نے دوبارہ زندگی پائی ہے۔ قیمت فی قرص ۲ر۔ ۳۲ قرص کی شیشی ہے۔ ۶۴ قرص کی شیشی پچاس روپے ا

جوہری

آتشک جیسا کہ تکلیف دہ مہلک اور رسوا کن مرض ہے وہ ظاہر ہے یونانی طب بلکہ تمام دنیا میں اس مرض کی جو دوائیں مشہور ہیں۔ ان سب سے جوہری بہتر ثابت ہوئی ہے۔ خوبی یہ ہے کہ مقدار استعمال بہت کم اور فائدہ زیادہ آتشک اور اس کے مادے سے پیدا ہونے والے ہر قسم کے سوداوی امراض گنٹھیا۔ عرق النساء۔ فساد خون وغیرہ کیلئے جوہری اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ترکیب استعمال ایک کیپسول کو نہار منہ جیسا کہ خوراک حلق کے نیچے اتار لیجئے۔ گھی چربی ملے پرہیز کیجئے۔ دوران استعمال میں کوئی دوسرا استعمال نہ کریں۔ قیمت فی عدد ۳ر۔

جوارش زرعونی عنبری نسخہ کلاں

گردہ، مثانہ و جگر و دماغ کو قوت دیتی ہے۔ پشت اور ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط کرتی ہے اور معدہ کی اصلاح کرتی ہے۔ بلغمی اور سوداوی امراض مثلاً زیادتی پیشاب درد سر بلغمی اور کھانسی و نقرس وغیرہ بیماریوں میں نفع پہنچاتی ہے۔ ریاح کو دور کرتی ہے مادہ تولید کی پیدائش کو بڑھاتی ہے۔ قوت مردمی کے لئے بھی نافع ہے۔ ترکیب استعمال ۵ ماشہ۔ صبح کو پان کے ساتھ کھائیں۔ قیمت فی تولہ ۷ر۔

حب جواہر

دل، دماغ و معدہ و جگر اعضائے رئیسہ ہیں۔ ان اعضائے رئیسہ کو قوت دینے کی یہ ایک لاثانی دوا ہے۔ قوت اعضائے رئیسہ کے علاوہ یہ حرارت غریزی کی جو مدار زندگی ہے حفاظت کرتی ہے بیماری کے بعد جو کمزوری باقی رہ جاتی ہے اس کو دور کرتی ہے یہ دوا بیش قیمت اجزا سے مرکب ہے ترکیب استعمال ایک گولی خمیرہ المسک معتدل جواہر والا ۷ ماشہ یا خمیرہ گاؤزبان سادہ ایک تولہ کے ساتھ یا جس بدرقہ کے ساتھ طبیب سمجھے ہر موسم میں استعمال ہو سکتی ہے۔ قیمت فی عدد ۲ر

حب خاص

دماغ، جگر اور نظام جسمانی کی خرابی اور کمزوری کو زائل کرتی ہے قوت مردانہ کا ضعف جس میں آج کل کثرت سے نوجوان مبتلا ہیں بالکل دور کرتی ہے اس کے استعمال سے بھوک کھل جاتی ہے جسم میں خون کی پیدائش زیادہ ہو جاتی ہے اور قیمتی اجزا سے بنائی جاتی ہے۔ ترکیب استعمال ایک گولی صبح کو کھانا کھانے کے بعد اور ایک گولی شام کو استعمال ہو۔ لطیف و نفیس اور قوی غذائیں خاطر خواہ استعمال ہو سکتی ہیں۔ دودھ مکھن کا استعمال ضرور کیا جائے۔ قیمت فی عدد ۲ر۔

حب بواسیر

ہر قسم کی بواسیر میں تیر بہدف دوا ہے حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے خاص مجربات میں سے ہے پہلی خوراک اپنا اثر دکھاتی ہے اگر بواسیر معمولی ہے (یعنی خون اور آنتیں نہ آتا ہو) تو رات کو سوتے وقت ایک گولی کھالیں اور اگر خون اور آنتیں آتا ہو تو پہلے سدے نکالنے کے لئے ارنڈی کا تیل چار تولہ دودھ میں ملا کر استعمال کریں جب سدے نکل جاویں تو ایک گولی رات کو سوتے وقت استعمال کریں مگر دونوں حالت میں ایک گھنٹہ تک کسی قسم کی حرکت نہ کیں۔ قیمت فی گولی ۴ر۔

خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر والا

دل و دماغ کی خلقی خیالات فاسدہ و دماغی تکان وغیرہ کیلئے بھروسہ کی دوا ہے۔ یادداشت اگر خراب ہو گئی ہو تو ضرور استعمال کریں۔ خوراک ۷ ماشہ صبح و شام۔ قیمت فی تولہ ۷ر

خمیرہ مروارید ورق طلا والا فی تولہ عہ۔

خمیرہ مروارید

دل و دماغ کو قوت دیتا ہے خفقان اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے چیچک اور موتی جھرہ (میعادی بخار) میں مفید ہے جن امراض میں دل کی حرکت خراب ہونے کا اندیشہ ہو اس میں قطعی استعمال کرایا جاوے ہر مقام پر جو کسو سے ملنا مشکل ہے پورے اجزا سے تیار کیا جاتا ہے خوراک ۷ ماشہ۔ مرض اگر تیزی پر ہو تو کئی بار استعمال کرائیں۔ قیمت فی تولہ ۷ر۔ خمیرہ مروارید نسخہ کلاں (سونے کے ورق شامل

خمیرہ ابریشم حکیم ارشد والا

بیماری کے بعد کی کمزوری کو دور کرتا ہے۔ اعضائے رئیسہ کو قوت دیتا ہے۔ مالیخولیا۔ خفقان اور خیالات فاسدہ کو زائل کرتا ہے۔ بیسیوں بیش قیمت دواؤں کا ایک مرکب ہے جو ہر جگہ اور ہر مقام پر میسر نہیں آتا طبیب اکثر سفارش کرتے ہیں۔ اصلی آپ کو صرف ہندوستانی دواخانہ ہی سے مل سکتا ہے۔ قیمت فی تولہ ۴ر۔ ترکیب استعمال چھ ماشہ صبح وشام استعمال کریں۔

دواء الشفاء

دنیا میں جنون (پاگل پن) کی بہترین دوا ہے اس کے علاوہ مرگی اختناق الرحم (ہسٹریا) کیلئے بھی نہایت مفید ثابت ہوئی ہے جنون کے مریض کو اس کی چند خوراکوں سے نیند آنے لگتی ہے جو اس کے مفید ہونے کی پہلی علامت ہے۔ ترکیب استعمال کا پرچہ دوا کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔ قیمت چالیس قرص مثلہ رتی فی قرص ۴ آنہ

سفوف چنگی

بچوں کو نہایت مفید ہے ان کے معدے کو درست حالت میں رکھتا ہے بدہضمی کو دور کرتا ہے عیالدار اصحاب کو تو یہ سفوف گھر میں رکھنا چاہیے۔ ترکیب استعمال حسب عمر ۲ رتی سے ۲ ماشہ تک یہ سفوف بچوں کی ماں کے دودھ کے ساتھ دیا جائے یا بچوں کی ماں کو کھلایا جائے۔ قیمت فی تولہ ۲ر۔

سی کو

معدہ جگر اور آنتوں کی اکثر بیماریوں مثلاً قبض، پیٹ کی گرانی، نفخ شکم (اپھارہ) درد شکم۔ بھوک نہ لگنا۔ بدہضمی۔ تلی وغیرہ کیلئے نہایت مفید ہے علاوہ ازیں فالج، لقوہ، رعشہ، مرگی، ام الصبیان (بچوں کی مرگی) اور ان تمام بیماریوں کیلئے جو پیٹ کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت سودمند ثابت ہوئی ہے جگر کمزور ہوگیا ہو یا بڑھ گیا ہو وہ بھی اس کے استعمال سے اصلی حالت پر آجاتا ہے بشرطیکہ جگر کی یہ شکایتیں زیادہ پرانی نہ ہوں۔ ترکیب استعمال کا پرچہ ہمراہ دوا روانہ کیا جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی آٹھ خوراک ایک روپیہ (عہ)۔

سنون تمباکو

دانتوں کو مضبوط کرتا ہے اور نزلہ کی رطوبتوں کو جو دانتوں میں درد پیدا کرتی ہیں دور کرتا ہے۔ ترکیب استعمال صبح وشام دانتوں پر ملیں اور تھوڑی دیر کلی نہ کریں۔ قیمت فی تولہ ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ۸)۔

سنون پوست مغیلاں

ہلتے ہوئے دانتوں کو جما دیتا ہے بشرطیکہ دانت جگہ نہ چھوڑ چکے ہوں۔ ترکیب استعمال دانتوں پر ملیں اور تھوڑی دیر کلی نہ کریں۔ قیمت فی تولہ ۳ر۔

شربت صدر

شربت صدر زبان، حلق اور پھیپھڑوں کی تمام بیماریوں کا واحد علاج ہے خشک کھانسی۔ کالی کھانسی۔ خون تھوکنا۔ دمہ اور سل ودق کے مریضوں پر اس کا تجربہ ہو چکا ہے ان بیماریوں کی بہترین دوا ہے ہر مہینے ہزاروں شیشیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اس دواخانہ کی یہ مشہور اور کامیاب دواؤں میں سے ایک خاص دوا ہے ترکیب استعمال صبح وشام (خالی پیٹ) شربت صدر کی ایک ایک خوراک۔ اکثر تازہ پانی اور گائے کے دودھ کے ساتھ پئیں۔ قبض کی صورت میں ایک عدد قرص ملین کھاکر اوپر سے شربت صدر پئیں۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عہ)۔

شربت کاسنی

تمام اندرونی اعضاء کے اورام مثلاً ورم رحم (بچہ دانی کا ورم) ورم جگر، ورم معدہ، ورم طحال، ورم امعاء (آنتوں کا ورم) ورم گردہ اور ورم مثانہ کیلئے نہایت مفید اور مجرب دوا ہے۔ ترکیب استعمال صبح وشام یہ شربت ۵ تولہ عرق برنجاسف بارہ تولہ (یا پانی) میں ملا کر پئیں (اگر مقام ماؤف پر ضماد سنبل الطیب لگائیں) اور ورم رحم میں استعمال بھی کرائیں تو بہت جلد فائدہ ہوتا ہے۔
قیمت فی بوتل ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ۱۲)۔

صفائی اکسیری

صفائی خون کی سب سے اچھی دوا ہے برسات میں عام طور پر بچوں کے پھنسیاں نکل آتی ہیں۔ بڑی عمر والوں کو بھی اس موسم میں عموماً جلد یا خون کی کوئی نہ کوئی شکایت ہو جاتی ہے۔ گرمی دانے نکل آتے ہیں پھوڑے پھنسیاں نکل آتی ہیں اکثر لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ طبیعت پر ایک وحشت اور بے چینی سی چھائی رہتی ہے کھانا ٹھیک طور پر ہضم نہیں ہوتا لیکن صفائی اکسیری ان تمام شکایتوں میں مفید ہے بچہ ہو یا بڑا سب کو یکساں فائدہ ہوتا ہے بقدر خوراک ۲ ماشہ صبح وشام۔ قیمت فی تولہ چار آنہ (۴ر)

طلاء مقوی

عضو مخصوص میں قوت اور تحریک پیدا کرنے کیلئے نہایت مفید چیز ہے اس کے استعمال سے عضو مخصوص میں بہت جلد اس طلاء کی قوت اور تاثیر ہونے لگتی ہے سن رسیدہ لوگوں کو ضعف باہ کی شکایت ہو تو ان کے لئے نہایت مفید چیز ہے مقوی ہونے کے علاوہ بے ضرر طلاء ہے۔ لذت کیلئے وقت خاص سے کچھ دیر پہلے استعمال کیا جاتا ہے۔ ترکیب استعمال کا پرچہ دوا کے ساتھ ہوگا۔ قیمت ۳ ماشہ کی شیشی [illegible]

طلاء عجیب

عضو مخصوص کی لاغری۔ کمزوری اور کوتاہی وکجی میں نہایت مفید ہے اس کا نسخہ مسیح الملک بہادر کا ترتیب دیا ہوا ہے دراصل یہ عجیب وغریب طلاء ہے ترکیب استعمال ایک رتی سے شروع کرکے آہستہ آہستہ ۴ رتی تک پہنچائیں اگر کسی کی جلد کمزور ہوگئی ہو اور وہ اسے برداشت نہ کر سکے تو ہموزن گھی ملالیں۔ قیمت ۳ ماشہ کی شیشی دو روپیہ (عہ)۔

طلاء ہیرے والا

خراب عادتوں اور غلط کاریوں کے باعث قوت مردی ضعیف ہوجاتی ہے عضو میں کجی اور لاغری پیدا ہوجاتی ہے ان سب شکایتوں کو دور کرنے کیلئے یہ طلاء بہتر اور اعلیٰ ہے اس کے اجزا نہایت قیمتی ہیں۔ فی تولہ قیمت [illegible]

عرق ماء اللحم خاص الخاص

جدید سائنٹفک طریقہ سے تیار کیا جاتا ہے بیماری امتحان سے اس کے فوائد کی تصدیق ہو چکی ہے یہ اعلیٰ درجہ کا مقوی جسم ہے۔ جسمانی قوتوں کو قوی کرنا۔ اعضائے رئیسہ اور دماغ کو قوت دینا اور حرارت غریزی کو برانگیختہ کرنا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ترکیب استعمال ۲ تولہ عرق ماء اللحم میں عرق گاؤزبان ۵ تولہ۔ عرق بید مشک ۲ تولہ۔ شربت انار شیریں ۲ تولہ ملا کر صبح کے وقت پئیں۔ قیمت فی بوتل پانچ روپیہ آٹھ آنے (للہ)

عرق سوزاک

پیشاب کی سوزش جلن درد خون اور پیپ آنے میں بہت مفید ہے پیشاب کی سوزش میں پہلے دن فائدہ معلوم ہوتا ہے ترکیب استعمال شیشی کو ہلا کر ایک خوراک صبح ایک سہ پہر ایک سوتے وقت پی جائے تین دن تک۔ اصل صرف ہم ہے لیکا گرم چیزوں سے پرہیز۔ قیمت فی شیشی [illegible]

قرص زریں

یہ عجیب وغریب قرص دل اور دماغ جگر گردہ اور مثانہ کو طاقت دیتے ہیں۔ درد نقرس اور پیشاب کی زیادتی میں بھی مفید ہیں۔ مقوی معدہ ہیں۔ ان کے استعمال سے ریاح بھی خوب تحلیل ہوتے ہیں۔ ترکیب استعمال ۲ قرص صبح کو پانی سے استعمال کریں تیل، ترشی اور زیادہ ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔ قیمت فی شیشی [illegible]

قرص نقرہ مرکب

دماغ کی طاقت کیلئے مخصوص دوا ہے تمام دماغی امراض چند روز کے استعمال سے دور ہوجاتی ہیں۔ پرانے درد سر میں بھی نہایت مفید ہے۔ ترکیب استعمال ایک قرص صبح مکھن میں رکھ کر کھائیں۔ [illegible] قیمت [illegible]

قرص نسواں

عورتوں کی تندرستی کی خرابی کا سبب عموماً چھوٹی عمر کی شادی ہے یا سیلان الرحم کی عالمگیر شکایت ہے۔ کسی حالت میں حمل قرار نہیں پاتا اور اگر پاتا ہے تو رحم کی کمزوری سے اسقاط ہوجاتا ہے یا بچہ نہایت کمزور ہوتا ہے اور آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو کر تلف ہوجاتا ہے قرص نسواں رحم کو مضبوط کرتے ہیں۔ رحم کی تمام خرابیاں دور کرتے ہیں حمل کی حفاظت کرتے ہیں۔ بچہ نہایت قوی اور تندرست پیدا ہوتا ہے یہ ہماری بہترین اور کامیاب ترین دوا ہے جو طب میں کثرت سے برتے جاتے ہیں۔ ترکیب استعمال ۲ قرص صبح کے وقت پانی کے ساتھ کھائیں اگر حمل ہو اور اسقاط کا خوف ہو تو تیسرا مہینہ شروع ہوتے ہی ان قرصوں کا استعمال شروع کردیں اور تین ماہ تک برابر استعمال رکھیں۔ انشاء اللہ اسقاط حمل نہیں ہوگا۔ ترشی تیل مچھلی اور زیادہ گرم چیزوں سے اور حمل کی حالت میں زیادہ حرکت سے پرہیز

کھائیں۔ قیمت ۲۰ قرص سات روپیہ آٹھ آنے (پیٹر)

قرص ملین دائمی قبض اور دماغ کے سدوں کو کھولتے ہیں۔ ملین ہی بکثرت فروخت ہوتے ہیں۔ خوراک ۲ قرص پانی کے ساتھ سوتے وقت کھائیں۔ قیمت فی قرص ایک آنہ۔ (ار)۔

قرص پودینہ معدہ کو قوت دیتے ہیں۔ بھوک خوب لگاتے اور غذا کو ہضم کرتے ہیں۔ معدے اور آنتوں سے ریاح کو خارج کرتے اور ان کی پیدائش کو روکتے ہیں۔ بادی بواسیر کے لئے مفید ہیں۔ ترکیب استعمال ۲۔۲ قرص کھانا کھانے کے بعد دونوں وقت کھائیں۔ قیمت فی قرص دو پیسے (۰ر)۔

قرص کلاں جس طرح مردوں کو جریان سے نقصان پہنچتا ہے اور ان کے اعضاء دن بدن کمزور ہوتے جاتے ہیں اسی طرح عورتوں کو سیلان الرحم نقصان پہنچاتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھلتی چلی جاتی ہیں۔ قرص کلاں کے استعمال سے یہ شکایت رفع ہو جاتی ہے اور پیشاب سے پہلے یا بعد رطوبت کا آنا بند ہو جاتا ہے کمر کا درد جاتا رہتا ہے جسم کی کمزوری اور نقاہت دور ہو کر چہرے پر رونق آجاتی ہے عورتوں کیلئے یہ بہترین دوا ہے۔ ترکیب استعمال ۲ قرص صبح کو پانی کے ساتھ کھائیں تیل اور ترشی سے پرہیز کریں۔ قیمت ۲۰ قرص تین روپے بارہ آنے (۱۲؍۳)۔

قرص دمہ اس عجیب و غریب دوا نے ان مریضوں کو شفا بخشی جو رات بیٹھ کر گزار دیتے تھے دمہ پرانا ہو یا نیا ہر صورت میں فائدہ پہنچاتا ہے ترکیب استعمال ایک ایک قرص شربت صدر میں ملا کر صبح و شام کھائیں قیمت فی قرص تین پیسے

قرص ہیل درد معدہ اور ہضم کی خرابی اور دستوں کیلئے مفید ہیں حضرت مسیح الملک بہادر کے مطب میں سالہا سال سے برتے جاتے ہیں اور تجربے میں نہایت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ ہزارہا اشخاص شفایاب ہو چکے ہیں۔ ترکیب استعمال ۲ سے ۴ قرص تک حسب ضرورت غذا کے بعد کھائیں قیمت ۳۲ قرص ۱۲؍

قرص جریان جس طرح گیہوں کو گھن کھا جاتا ہے اسی طرح جریان آدمی کو کھوکھلا کر کے قبر میں پہنچا دیتا ہے۔ جب مرض بڑھنے لگتا ہے تو مریض بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں میں سکت نہیں رہتی۔ دل دھڑکتا رہتا ہے دماغ اور تمام اعضائے رئیسہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ ذرا سا کام کیا اور تکان محسوس ہونے لگا۔ بینائی اور قوت حافظہ جواب دیدیتی ہے۔ امیر لطیف زندگی سے اور غریب دو پیسے کمانے سے محروم ہو جاتا ہے مسیح الملک بہادر نے جو ملک کے بچے ہمدرد بہی خواہ ہیں۔ اس مرض کی بہت سی دوائیں ایجاد فرمائی ہیں جن سے امیر و غریب طبقہ کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قرص جریان نہایت مفید اور اکسیری دوا ہے غریبوں کی مالی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قیمت بہت کم رکھی ہے۔ ترکیب استعمال ۲۔۲ قرص صبح و شام گائے کے دودھ یا تازہ پانی کے ساتھ استعمال کریں قیمت ۸۰ قرص عہ؍

قرص کشتہ طلا اعظم ابتک یہ بیش بہا کشتہ ہندوستانی دواخانہ کو نہیں دیا گیا تھا اور مسیح الملک بہادر کے مطب میں خاص خاص لوگوں کو مرحمت ہوتا تھا۔ یا امراء و والیان ملک کیلئے مخصوص تھا ہم نہایت شکر گزار ہیں کہ عالیجناب مسیح الملک حکیم جمیل خان صاحب بالقابہ نے کمال فیاضی کیا۔ یہ کشتہ بھی ہمیں مرحمت فرمایا یوں تو سونے کے بہت سے کشتے ہیں لیکن یہ ایک خاص الخاص کشتہ ہے جو بڑی محنت سے تیار ہوتا ہے ایک اکسیری چیز ہے فوراً اثر دکھاتا ہے تمام اعضائے رئیسہ کو قوت دیتا ہے۔ بدن کی اصلی حرارت قائم رکھتا ہے قوت مردانہ کیلئے خاص طور پر مفید ہے جسمانی کمزوری کو دور کر کے نئی طاقت پیدا کرتا ہے باہ کو تقویت

دیتا ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے چند خوراکیں استعمال کرنے سے رگ رگ میں اس کا اثر دوڑ جاتا ہے اور تندرستی میں نمایاں تبدیلی مزاج میں شگفتگی اور بشرے میں شادابی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ترکیب استعمال ایک قرص صبح مکھن میں ملا کر کھائیں قیمت فی قرص

قرص کشتہ طلا خورد یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے استعمال سے مرض کو کسی قسم کا ضرر [illegible] مشورہ کرتے ہیں کہ سونے کا کونسا کشتہ ہمارے [illegible] ہم ان کو قرص طلا خورد [illegible] کا مشورہ دیتے ہیں اگرچہ اسکی لاگت بہت زیادہ ہے مگر ہم اسے بلا نفع پر فروخت کرتے ہیں۔
قیمت فی قرص چار آنے (۴ر) فی ماشہ آٹھ روپیہ (للعہ)۔

کشتہ طلا کلاں یہ کشتہ جدید سائنٹفک اصولوں کے ماتحت بشکل سفوف تیار کیا جاتا ہے ۔ ہر کمزوری کو دور کرنے اور تمام جسمانی قوتوں کو بحال کرنے کے لئے مفید ہے۔ ترکیب استعمال ایک یا دو چاول یہ کشتہ طلائی ایک تولہ خمیرہ گاؤزبان جواہر والا یا ۲ ماشہ لبوب کبیر یا ۲ ماشہ میں صبح کے وقت کھائیں قیمت فی ماشہ پندرہ روپے۔

کشتہ فولاد معدہ اور جگر کیلئے بہت مفید ہے خون کی اصلاح کرتا ہے اور ضعف معدہ کو زائل کرتا ہے خون بکثرت پیدا کرتا ہے۔ ترکیب استعمال ۲ چاول یہ کشتہ جوارش جالینوس ۷ ماشہ میں دواء المسک جواہر والی ۷ ماشہ ملا کر صبح کے وقت کھائیں۔ قیمت فی تولہ نو روپیہ (لعہ)۔

کحل الجواہر آنکھوں کی بینائی کو قائم رکھتا اور کمزور آنکھوں کو قوت دیتا ہے قیمتی اجزاء سے بنایا جاتا ہے بینائی کو قوت دینے کے لئے بذریعہ سلائی کے دونوں وقت آنکھوں میں لگایا جاتا ہے قیمت فی شیشی ۳ ماشہ عہ؍

کحل چکنی دوا جالا، دھند اور نزول الماء (موتیا بند) کی ابتدا میں مفید ہے ترکیب استعمال دانہ باجرہ کے برابر یہ دوا ایک قطرہ پانی میں حل کر کے روزانہ تین مرتبہ آنکھوں میں لگائیں۔ ۳ ماشہ ۱۲؍

کحل نزول نزول الماء کے لئے بہت مفید ہے صبح و شام سلائی سے استعمال کریں قیمت فی تولہ سے ؍

لبوب کبیر دماغ و اعصاب کو قوت دیتا ہے اور قوت باہ کو بڑھاتا ہے گردوں کو گرم اور قوی کرتا ہے اور مادہ تولید کو بکثرت پیدا کرتا ہے طب قدیم کی بہترین اور قابل اعتماد دواؤں میں سے ہے ترکیب استعمال ۶۔۶ ماشہ یہ لبوب صبح و شام دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ ۶؍ آنہ

مصفی خون کی خرابی سے پیدا ہونے والے ہر مرض کی بہتر ین دوا ہے خارش، بھیگی کھجلی، پھنسیاں، پھوڑے پھنسی، داد، چنبل، گنج، جھائیں، اگزیما، چھائیں، مہاسے، گرمی دانے ہر قسم کے پھوڑے، پھنسی اور جسم، آنکھوں کا دکھنا، بدہضمی اور قبض کو دور کرتی ہے وجع مفاصل، گنٹھیا، نقرس، عرق النسا، [illegible] سوزاک، آتشک، بواسیر، [illegible] جذام کو دفع کرنے میں مفید ہے [illegible] ہمراہ ہوگا۔ قیمت ۱۲ خوراک کی شیشی لحہ ؍

معجون مغلظ جواہر والی جریان، رقت، احتلام، سرعت اور ضعف باہ کو دور کرتی ہے معدہ، جگر، آنتوں اور دماغ کو قوت دیتی ہے قبض کشا بھی ہے [illegible] خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان سب کیلئے اکسیر دوا ہے ترکیب استعمال ایک ایک تولہ دوا صبح و شام دودھ کیساتھ کھائیں قیمت [illegible]

معجون مقوی و ممسک:۔ یہ معجون مقوی و ممسک ہے [illegible] ترکیب استعمال [illegible] دودھ کیساتھ رات کو غذا سے پہلے استعمال کریں اگر غذا کی خواہش ہو تو صرف مٹھائیاں یا شیریں ہوئے کھائیں قیمت فی تولہ عا؍

نمک سلیمانی خاص ضعف ہضم کی بیماری اکثر دماغ اور ذہن کو گھٹا کر [illegible] کرے اور کھانے کی حرکت کے بعد بگڑ جانے کا لازمی نتیجہ ہے حالانکہ حرکت کیساتھ اور روزش کو [illegible]

پاکستان کی مختلف اسکیمیں

از

ادارۂ نئی زندگی

ابتک پاکستان کی جتنی اسکیمیں ہمارے سامنے آئی ہیں انہیں خاص طور پر پانچ اسکیمیں قابل ذکر ہیں:۔
(۱) ڈاکٹر سید عبداللطیف (ہائی پاکستان اسکیم) (۲) علی گڑھ اسکیم (۳) سکندر حیات اسکیم (۴) اسداللہ اسکیم اور (۵) پنجابی کی اسکیم پاکستان نمبر کے ناظرین کی معلومات کے لئے ہم یہ تمام اسکیمیں، اپنے سرسری تبصرے کے ساتھ درج کر دیتے ہیں۔ گرچہ پاکستان اسکیم کے اول فلسفی ڈاکٹر سید عبداللطیف ہی ہیں، لیکن یہ اسکیم آپ نے ۱۹۴۰ء میں پیش کی تھی، اور اب اسے جن معنوں میں استعمال کیا جارہا ہے، اس سے ڈاکٹر صاحب کو اختلاف ہے۔ آپکا مضمون اسی نمبر میں شامل ہے جو بصیرت افروز ہے ——————— ایڈیٹر

(۱)

ڈاکٹر سید عبداللطیف کی اسکیم

اس اسکیم میں ہندستان کو چار مسلم اور گیارہ ہندو ثقافتی حلقوں CULTURAL ZONES. میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مسلم علاقے

(۱) شمالی مغربی حلقہ۔ اس حلقہ میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے برطانی صوبے ہوں گے اور خیرپور اور بھاول پور کی ریاستیں شامل ہوں گی۔

(۲) شمالی و مشرقی حلقہ۔ اس میں مشرقی بنگال اور آسام کا صوبہ ہوگا۔

(۳) دہلی۔ لکھنؤ حلقہ۔ یہ حلقہ ریاست پٹیالہ کی مشرقی سرحد سے لیکر رام پور کو احاطہ کرتا ہوا لکھنؤ تک جائیگا اور اس میں آگرہ دہلی سہارنپور اور لکھنؤ کے شہر ہوں گے۔ ریاستوں صرف ایک رام پور ہی ہوگی۔

(۴) دکنی حلقہ۔ اس میں ریاست حیدرآباد، اور برار کا صوبہ ہوگا۔ مزید برآں اس حلقہ میں کرناٹک، کرڈاپا، چتوڑ (CHITTOOR) شمالی آرکوٹ اور چنگل پٹ کے برطانی اضلاع (جو فی الحال صوبہ مدراس میں ہیں) شامل کر دئے جائیں گے تاکہ اس حلقہ کو سمندری کنارہ بھی مل جائے۔

ہندو حلقے

(۱) اس حلقے میں مغربی بنگال کے وہ اضلاع، جو مسلم حلقے سے بچ رہے ہوں، اور بہار کے وہ اضلاع جن میں بنگلہ زبان بولی جاتی ہے، ہوں گے۔

(۲) اڑیسہ۔ جس میں تمام اڑیہ بولنے والے اضلاع شامل ہوں گے۔

(۳) بہار۔ اور یو پی کا حلقہ جس کی رست لکھنؤ، اور دہلی کے مسلم حلقے کی سرحد تک ہوگی اور وہ کوہ ہمالیہ اور بندھیا کے درمیان واقع ہوگا، اس میں وسط ہند کی چند ریاستیں بھی شامل ہوں گی۔

(۴) راجپوتانہ کی راجپوت ریاستیں مل کر ایک خطہ بنائیں گی۔

(۵) گجرات اور کاٹھیاوار

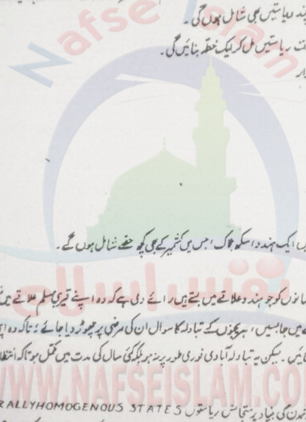
(۶) مہاراشٹر

(۷) کنارا

(۸) آندھر

(۹) تامل ناڈو

(۱۰) مالابار اور



(۱۱) شمالی و مغربی ہند میں ایک ہندو، سکھ بلاک، جس میں کشمیر کے بھی کچھ حصے شامل ہوں گے۔

تبادلۂ آبادی

مصنف اسکیم نے ان مسلمانوں کو جو ہندو علاقے میں بستے ہیں رائے دی ہے کہ وہ اپنے تیرہ مسلم علاقے میں منتقل ہو جائیں اور اسی طرح جو ہندو مسلم علاقے میں ہیں وہ ہندو علاقے میں جا بسیں، ہر بچوں کے تبادلہ کا سوال ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے؛ تاکہ وہ اپنی خواہش کے مطابق ہندو یا مسلم علاقہ جس میں وہ رہنا پسند کریں چلے جائیں۔ لیکن یہ تبادلۂ آبادی فوری طور پر نہ ہو بلکہ کئی سال کی مدت میں مکمل ہو تاکہ انتظام میں سہولت ہو۔

مرکز

اس اسکیم کا مقصد کلچر اور تمدن کی بنیاد پر متجانس ریاستوں CULTURALLY HOMOGENOUS STATES کی ایک امدہ (CONFEDERACY) قائم کرنا ہے۔ لیکن فی الحال یہ اسکیم ان تمدنی منطقوں کا ایک کل ہند وفاق قائم کرنا چاہتی ہے اسکی رائے ہے کہ وفاق کی تمام وحدتوں UNITS کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے اور صرف ناگزیر معاملات۔ جیسے دفاع، خارجی حکمت عملی، تجارت رسل و رسائل وغیرہ وفاق کے سپرد کئے جائیں۔ اس دستور میں دیسی ریاستوں اور ان کے حکمرانوں کے حقوق کو موروثی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تسلیم کرلیا گیا۔

صوبہ یا مرکز کی منتظمہ (EXECUTIVE) اکثریت مرتب نہ کریگی، جیسا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ کا قاعدہ ہے، بلکہ ایسی منتظمہ ہوگی جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ملا کر بنائی جائے گی۔ اگرچہ یہ مجلس منتظمہ مجلس مقننہ ہی منتخب کریگی لیکن یہ مجالس مقننہ کی گرفت سے آزاد ہوگی اور بقول مصنف STABLE EXECUTIVE INDEPENDENT OF LEGISLATURE ہوگی۔ وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو

کا نسل نکال نہ سکیگی۔

ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب لکھتے ہیں:۔

"منتخبہ وزیر اعظم صرف مجلس مقننہ کی میعاد میں برسرِ خدمت رہے گا۔ مگر مقننہ کو اس کی علیحدگی کا اختیار نہ ہوگا"۔ (متبادل دستور ہند صفحہ ۱)

نمائندگی کا طریقہ جداگانہ انتخاب ہوگا اور تمام صوبوں میں مسلمانوں کی موجودہ تعداد صوبائی اسمبلیوں میں علی حالہ قائم رہے گی۔

نقائص

ان بنیادی نقائص اور کمزوریوں کے علاوہ جو تقسیم ہند کی تمام اسکیموں میں مشترک ہیں، موجودہ اسکیم کے مخصوص نقائص درج کرتا ہوں۔

(۱) مندرجۂ بالا تقسیم کسی اصول کی بنا پر نہیں کی گئی ہے اور کئی جگہ نہایت غیر منصفانہ ہے، اس تقسیم میں ان مقامات کو بھی مسلم حلقے میں شامل کر دیا گیا ہے جہاں ہندو اکثریت ہے۔ صوبۂ آسام شمالی مشرقی بلاک میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں ۵۶ فیصدی ہندو بستے ہیں اور صرف ۳۰ فیصدی مسلمان۔ ہاں صوبۂ آسام کا سلہٹ ضلع شامل کیا جا سکتا ہے۔ جہاں ۵۸ فیصدی مسلمان ہیں۔ پھر دہلی اور لکھنؤ کا علاقہ بھی مسلم حلقے میں نہیں آسکتا کیونکہ اس علاقے میں ہندوؤں کی بہت زیادہ اکثریت ہے۔ صوبۂ متحدہ میں مسلمان صرف ۱۴ فیصدی ہیں۔ پھر دہلی میں بھی قریب قریب اسی تناسب میں آباد ہیں، حیدر آباد کسی طرح مسلم حلقے میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ یہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اگر حیدر آباد صرف اس سبب سے کہ اس کا تاجدار مسلمان ہے مسلم حلقے میں شامل کیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کشمیر کو پاکستان میں رکھا جائے۔ کیونکہ کشمیر کا تاجدار ہندو ہے۔ علاوہ اس کے آرکوٹ، چنگل پٹ اور مدراس میں بھی ہندو اکثریت ہے۔ صرف اس لئے کہ ریاست حیدر آباد کو سمندر کا راستہ مل جائے، ہندو اسے دینے پر رضامند نہ ہوں گے۔ کوئی وجہ نہیں کہ مدراس ایسا بندرگاہ نظام کو دیدیا جائے۔ کلکتہ میں ہندو اکثریت ہے۔ اس لئے اسے بھی مسلم حلقے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) تبادلۂ آبادی اس اسکیم کی ایک بنیادی چیز ہے جو بالکل ناقابل عمل ہے۔ اسکیم مذکور کے مطابق تبادلہ منظور کیا جائے تو تقریباً بیس کروڑ (۲۰) ہندو اور مسلمانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑے گا۔ اس بڑے پیمانہ پر تبادلۂ آبادی بالکل ناقابل عمل ہے۔ یہ تبادلہ صرف برطانوی صوبوں کے درمیان نہیں بلکہ برطانوی صوبوں اور ریاستوں کے درمیان بھی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ برطانوی ہند کا باشندہ، جسے ریاستوں سے زیادہ شہری آزادی اور سہولتیں حاصل ہیں، ریاستوں کی شخصی حکومتوں میں جانا پسند کرے۔

اگر انتقال آبادی اختیاری رکھا گیا تو شاید ہی کوئی اپنا وطن چھوڑنے پر راضی ہو۔ اور اگر جبری رکھا گیا تو ملک اس سے ایک بے پناہ عذاب میں مبتلا ہو جائیگا۔ تبادلۂ آبادی کے اخراجات حکومت کیلئے ناقابل برداشت ہوں گے اور کروڑوں نو واردوں کے لئے حکومت روزگار کا بھی انتظام نہ کر سکے گی۔

(۳) مصنف اسکیم نے برطانوی اقتدار کے ماتحت 'فیڈریشن' مانا ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ ملک کی دائمی غلامی۔ علاوہ اس کے ریاستوں کو اس کی شخصی اور دقیانوسی حکومت کے ساتھ علی حالہ قائم رکھا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ چھ کروڑ ہندوستانیوں پر شخصی اور ظالمانہ حکومت کی لعنت تا ابد قائم رہے۔ اور وہ کبھی اپنی جمہوری اور آزاد حکومت قائم نہ کر سکیں۔

(۴) یہ اسکیم منتظمہ EXECUTIVE کو مجلس قانون ساز LEGISLATIVE کے ماتحت نہیں رکھتی، جس کا مطلب چند اشخاص کی ڈکٹیٹر شپ ہے۔ موجودہ وائسرائے کی (مرکزی) حکومت اور اس حکومت میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ وائسرائے اور ان کی ایگزیکٹو کانسل مرکزی مجلس مقننہ کے آگے اپنے اعمال کیلئے جوابدہ نہیں اور اسمبلی انہیں نکالنا چاہے بھی تو نہیں نکال سکتی۔ غرضیکہ اس اسکیم کا مقصد ہندستان میں جمہوریت کا

فاذکر کے مطابق FASCIST طرز حکومت لاتا ہے

(۵) یہ کہنا کہ تقسیم کے بعد بھی مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن صوبوں میں قائم رہیگی ناممکن العمل ہے۔ مسلمانوں کو جو ویٹیج WEIGTAGE اور ملازمتیں ان کے تناسب سے زیادہ ملی ہوئی ہیں اور وہ ہندو اکثریت کے حقوق سے وضع کر کے دی گئی ہیں، وہ مذہبی فرقوں کی بنیاد پر تقسیم ہند کے بعد قائم نہیں رہ سکتیں۔

(۶) شمالی و مغربی صوبوں کی اس تقسیم سے پنجاب کی بڑی بڑی نہروں کے دہانے ہندو علاقے میں رہ جاتے ہیں۔

(۲)

علی گڈھ اسکیم

اس اسکیم کے مصنف علی گڈھ اسکیم یونیورسٹی کے پروفیسر سید ظفر الحسن اور افضل حسین قادری ہیں۔ یہ اسکیم سارے ہندوستان کو متعدد حصوں میں بانٹتی ہے۔ جس کا ہر حصہ مکمل طور پر ایک سلطنت ہوگا اور تمام معاملات میں آزاد و خودمختار ہوگا۔

تقسیم اس طور پر ہوگی۔

۱۔ پاکستان

اس میں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے برطانوی صوبے ہوں گے اور کشمیر مع جموں، منڈی، چمبا، سکیت، سرمور، فریدکوٹ، نابھہ، جھند، پٹیالہ، کپورتھلہ، مالیرکوٹلہ، چترال، دیر، تلات، لوہارو، بلاس پور، بھاول پور اور شملہ کی پہاڑی ریاستیں ہوں گی۔

مجموعی آبادی ۔ ۳ کروڑ ۹۲ لاکھ۔ مسلمانوں کا تناسب ۶۰ فی صدی۔

۲۔ بنگال

اسمیں صوبہ بنگال (ہاوڑا اور مدناپور کے اضلاع کے ماسوا) ہوگا اور آسام کا سلہٹ ضلع اور بہار کا پورنیہ ضلع ہوگا۔

مجموعی آبادی ۵ کروڑ ۲۵ لاکھ۔ مسلمان ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ۔ مسلمانوں کا تناسب ۵۰ فی صدی

۳۔ ہندستان

اس میں ہندستان کے تمام بقیہ حصے اور ریاستیں (حیدرآباد، پاکستان، بنگال اور بنگال کی ریاستوں کے ماسوا) شامل ہوں گے۔

مجموعی آبادی ۔ ۲۱ کروڑ ۶۰ لاکھ۔ مسلمان ۲ کروڑ ۹ لاکھ۔ مسلمانوں کا تناسب ۹ فی صدی۔

۴۔ حیدرآباد

اس سلطنت میں ریاست حیدرآباد، صوبہ برار اور کرناٹک (جس کے کچھ اضلاع مدراس سے لینے پڑیں گے اور کچھ اڑیسہ سے) شامل ہوگا۔

مجموعی آبادی ۲ کروڑ ۹۰ لاکھ۔ مسلمان ۲۱ لاکھ۔ مسلمانوں کا تناسب ۰ فی صدی۔

(۵)۔ دہلی

اس میں صوبۂ دہلی، اور صوبۂ متحدہ کا میرٹھ ڈویژن اور روہیلکھنڈ ڈویژن، اور علی گڈھ کا ضلع ہوگا۔

مجموعی آبادی۔ ایک سو ۲۶ لاکھ۔ مسلمان ۳۵ لاکھ۔ مسلمانوں کا تناسب ۳۰ فی صدی۔

۶۔ مالابار

اس سلطنت میں مالابار کا صوبہ اور جنوبی کنارا ہوگا۔

مجموعی آبادی۔ ۹۴ لاکھ۔ مسلمان ۲۷ لاکھ۔ مسلمانوں کا تناسب ۲۷ فی صدی۔

۷۔ آزاد شہر

ہندوستان میں جتنے شہر ۵۰ ہزار یا اس سے زیادہ آبادی رکھنے والے ہوں گے انھیں آزاد شہر (FREE CITY) کا درجہ دیا جائے اور وہ خود بطور ایک سلطنت کی مانند آزاد ہوں۔ ان آزاد شہروں میں مجموعی طور پر تقریباً ۴۳ لاکھ مسلمان ہوں گے۔ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ گاؤں میں جس طرح مسلمان بکھرے ہوئے ہیں، وہ آس پاس سے سمٹ کر ۵۰ ہزار آبادی کا شہر بنائیں اور اس طرح خود مختار ہو جائیں۔

بہرحال یہ اسکیم مندرجۂ ذیل ڈائگرام کے ذریعہ آسانی سے سمجھ میں آسکے گی۔

	خطے	مسلم آبادی فی صدی	ہندو آبادی فی صدی
شمال	(۱) پاکستان (جس میں صوبہ سرحدی، سندھ، بلوچستان، پنجاب اور ریاستیں شامل ہیں)	۶۰	۴۰
	(۲) بنگال	۵۷	۴۳
جنوب	(۱) ہندوستان جس میں صوبۂ متحدہ، بہار، اڑیسہ، بمبئی، مدراس، سی پی، وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ شامل ہیں)	۱۰	۹۰
	(۲) دہلی	۲۸	۷۲
	(۳) مالابار	۲۷	۷۳
	حیدرآباد (جس کو جداگانہ خطہ قرار دیا گیا ہے)	۷	۹۳

مرکز

مرکز کی مشینری کے متعلق پروفیسر صاحبان کوئی صاف چیز نہیں پیش کرتے۔ بہرحال آپ فرماتے ہیں کہ مندرجۂ بالا ہر ایک ریاست تمام معاملات میں

"مکمل طور پر" آزاد" ہوگی اور اسے کامل سروری (SOVEREIGNTY) حاصل ہوگی۔ کوئی مرکزی حکومت ان کے اوپر حکمراں نہ ہوگی۔ ہاں یہ تینوں حکومتیں علیحدہ علیحدہ برطانیہ کے ماتحت ہوں گی۔ اور شہنشاہ برطانیہ سے ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ معاہدے ہوں گے۔ اور ان میں تاج کے تین علیحدہ علیحدہ نمایندہ رہیں گے۔ پھر یہ تینوں ریاستیں آپس میں ایک مدافعانہ و جارحانہ OFFENSIVE AND DEFENSIVE اتحاد کریں گی۔ جس کی بنیاد یہ ہوگی۔

(۱) ایک دوسرے کی حکومت کو تسلیم کرنا ایک دوسرے کو ہر قسم کی مراعات و سہولتیں بہم پہونچانا۔

(۲) پاکستان اور بنگال میں مسلمانوں کا وطن (HOME LAND) قرار دیا جائیگا اور ہندستان میں ہندوؤں کا، جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں منتقل ہو جائیں۔

(۳) ہندوستان میں جو مسلمان رہ جائیں۔ انھیں پاکستان اور بنگال کی بڑی قوم کا جز تصور کیا جائے اور ان سے ویسا ہی سلوک کیا جائے۔

(۴) پاکستان کی ہندو اقلیت اور ہندستان کی مسلم اقلیتوں کو یہ حقوق ملیں گے

(الف) تناسب آبادی کے مطابق نمایندگی (ب) جداگانہ

(۵) اور ایک مستند سیاسی جماعت کو ہندوستان کی مسلم اقلیت کی نمایندگی کا حق ہوگا۔

نقائص

(۱) پاکستان میں مشرقی پنجاب (انبالہ ڈویژن) اور امرتسر کا ضلع (کل بارہ ضلع ایسے شامل کر لئے گئے ہیں جن میں ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت ہے اور مسلمان اقلیت میں ہیں۔ ان بارہ اضلاع میں ۴۴ لاکھ ہندو، ۱۰ لاکھ سکھ اور صرف ۲۹ لاکھ مسلمان ہیں۔ بنگال میں بردمان ڈویژن اور پریسیڈنسی ڈویژن کے دس ضلعوں کو خواہ مخواہ مسلم علاقے میں رکھا گیا ہے ان دونوں کمشنریوں میں ایک کرور ۲۳ لاکھ ہندو اور اس کے مقابلے میں صرف ۶۰ لاکھ مسلمان ہیں یعنی ان اضلاع میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی ہے۔ اسی طرح بہار کے پورنیہ ضلع کو شامل کرنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۴۰ فیصدی اور اس کے مقابلے میں ہندوؤں کا ۵۰ فی صدی ہے۔

(۲) ہندستان کے تمام شہروں کو جن میں پچاس ہزار یا اس سے زیادہ کی آبادی ہے، آزاد شہر (FREE CITY) قرار دیدیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان شہروں کیلئے ہندستان میں ہمیشہ خانہ جنگی ہوتی رہے۔ آزاد شہروں کا یورپ میں جو نتیجہ ہوا وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ گذشتہ جنگ ڈینزگ ہی کے آزاد شہر سے شروع ہوئی ہے۔ علاوہ اس کے یہ چھوٹے چھوٹے شہر اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتے۔ اتنی بڑی تعداد میں ملک کے اندر آزاد شہر پیدا کر دینا بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے ہندستان اسی دور میں چلا جاتا ہے۔ جبکہ قدیم ہند میں ملک میں قدم قدم پر ریاستیں تھیں، اور ان میں باہمی خانہ جنگی ہوا کرتی تھی اور باہر کے حملہ آوروں کو ملک کے اندر دندناتے چلے آنے کا موقع ملتا تھا۔ علی گڈھ اسکیم ہندستان کو صرف چند حصوں میں نہیں بلکہ سیکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔

(۳) مسلم اقلیت کے مسئلے کا اس میں کوئی حل موجود نہیں۔ تقریباً ۳ کرور مسلمان پھر بھی ہندستان میں رہ جاتے ہیں۔

(۴) مسلم اقلیت جو ہندستان میں رہ جاتی ہے۔ ان کے متعلق مصنفین اسکیم یہ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کو انھیں پاکستان کی ایک بڑی قوم کا جز سمجھنا چاہئے، لیکن وہ پاکستان کی ہندو اقلیت کو ہندستان کی ایک بڑی جماعت کا حصہ کیوں نہیں قرار دیتے؟

(۵) حیدرآباد کو دوسرے حصوں سے زیادہ آزادی دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور نیپال کے مساوی بنا دینے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے، جو بھی

دوسری قوموں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا ، علاوہ اس کے برار اور کرناٹک کے ہندو علاقوں کو حیدر آباد کی ریاست میں کس بنا پر ملا دیا جائے اور اسے ہندو کیوں منظور کریں اس کی کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی ہے ۔

(۶) یہ اسکیم ہندستان ، پاکستان اور بنگال تینوں کے لئے برطانیہ سے علیٰحدہ علیٰحدہ معاہدے کرنا چاہتی ہے ۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ ہندستان برطانیہ کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے اور جس طرح انگریزوں کی اوائل فتوحات کے زمانہ میں ہیٹنگس اور کلائو وغیرہ نے ہندستانی سلطنتوں کو ایک دوسرے سے لڑایا اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے کبھی ان کا ساتھ دیا اور کبھی ان کا وہی نقشہ ہندوستان میں دوبارہ نظر آسکتا ہے۔

(۷) ہندستان کی آزادی ہمیشہ کیلئے مسدود ہو جاتی ہے ۔

(۸) پاکستان اور بنگال میں جنہیں مسلمانوں کا وطن قرار دیا گیا ہے ۔ غیر مسلموں کی اتنی زبردست اور طاقت ور اقلیت رہ جاتی ہے ۔ جسے سنبھالنا مشکل ہوگا ۔ پاکستان میں ۴۰ فی صدی ہندو اور سکھ رہ جاتے ہیں اور بنگال میں ۴۴ فیصدی ہندو ۔ ۴۰ یا ۴۴ فیصدی کی اقلیت نہیں بلکہ اسے مساوی قوم کہنا چاہئے ۔ پھر یہ اقلیت دولت علم اور ریاست تدبر سے مالامال ہے اور دولت میں بھی مسلمانوں سے بہت آگے ہے ۔ ان کی اتنی بڑی تعداد میں مسلم علاقوں میں موجودگی کبھی بھی اسلامی حکومت قائم کرنے نہیں دے گی ۔

(۳) سکندر اسکیم

یہ اسکیم سر سکندر حیات مرحوم نے مسلمانوں اور دیسی رئیسوں کو مطمئن کرنے کے نقطۂ نظر سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (۱۹۳۵ء) کی ترمیم کیلئے پیش کی تھی ۔ اس اسکیم میں ہندوستان کیلئے وفاق (FEDERATION) کو ناگزیر قرار دیا گیا ہے ۔ اور اس میں ہندوستان کو مندرجۂ ذیل سات متجانس (HOMOGENEOUS) منطقوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

منطقہ ۱

اس میں آسام اور بنگال (ایک یا دو مغربی اضلاع کے ماسوا) کے صوبے اور بنگال کی ریاستیں اور سکم شامل ہوگا ۔

منطقہ ۲

بہار اڑیسہ کے صوبہ جس میں بنگال کے دو اضلاع بھی شامل کئے جائیں گے ۔

منطقہ ۳

صوبۂ متحدہ اور اس کی تمام ریاستیں ۔

منطقہ ۴

صوبۂ مدراس ، مدراس کی ریاستیں

منطقہ ۵

اس میں بمبئی ، حیدرآباد ، مغربی ہند کی ریاستیں ، صوبہ بمبئی کی ریاستیں ، میسور اور صوبۂ متوسط کی دیسی ریاستیں شامل ہوں گی

منطقہ ۶

راجپوتانہ کی ریاستیں (بیکانیر اور جیسلمیر کے ماسوا) گوالیار وسط ہند کی ریاستیں اور صوبۂ بہار و اڑیسہ کی ریاستیں اور صوبۂ متوسط اور برار

منطقہ ۷

اس منطقے میں صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، کشمیر، بلوچستان، صوبہ پنجاب کی ریاستیں اور بیکانیر اور جیسلمیر کی ریاستیں شامل ہوں گی

مرکز

یہ اسکیم گویا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی ترمیم ہے۔ اس لئے اس میں اکثر وہی چیزیں ہیں جو اس ایکٹ میں موجود ہیں۔ ایک آل انڈیا فیڈریشن تسلیم کیا گیا ہے۔ ہر منطقے (ZONE) کے لئے ایک منطقی مجلس مقننہ (REGIONAL LEGISLATURE.) رکھی گئی ہے جس میں اس منطقے کے برطانی حصوں اور ریاستی حصوں کے نمائندے ہوں گے۔ اس طرح مندرجہ بالا سات منطقوں کی نمائندگی کے لئے جو اراکین منتخب ہوں گے، وہ فیڈرل لجسلیٹو اسمبلی بنائیں گے اور اس اسمبلی کے اراکین کی تعداد ۴۰۲، اراکین (۲۵۰ برطانی ہند سے اور اور ۱۵۲ ریاستوں سے) کی ہوگی۔ اس تعداد میں ۱/۳ حصہ (یعنی ۱۳۵ ممبر مسلمان ہوں گے۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسری اقلیتوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو موجودہ دستور (۱۹۳۵ء) میں موجود ہیں۔

فیڈرل منتظمہ (FEDERAL EXECUTIVE.) ان اراکین پر مشتمل ہوگی۔ (۱) وائسرائے اور (۲) وزراء کی ایک کانسل۔ وزراء کی تعداد کم سے کم سات اور زیادہ سے زیادہ گیارہ ہوگی جنھیں فیڈرل اسمبلی کے اراکین میں سے چنا جائے گا۔ وزیر اعظم کے انتخاب کا حق وائسرائے کو ہوگا اور کابینہ کے بقیہ وزراء بھی وائسرائے ہی نامزد کریں گے، لیکن اس امر میں وزیر اعظم سے مشورہ لے لیں گے۔ یہ لازمی ہوگا کہ ہر منطقے سے ایک وزیر لیا جائے اور وزراء کی ۱/۳ تعداد مسلمان ہو۔ کم از کم دو۔ اور اگر وزراء کی تعداد ۸ سے زیادہ ہوئی تو تین وزراء ریاستوں سے لئے جائیں گے۔ ابتدائی پندرہ یا بیس سال تک وائسرائے کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ دو وزراء فیڈرل اسمبلی سے باہر سے لیں، جن کے ذمے دفاع (DEFENCE) اور خارجی معاملات ہوں گے۔ اگر کوئی وزیر اپنے منطقے کا اعتماد کھو دے گا تو اسے وزارت سے استعفیٰ دے دینا پڑے گا۔ فیڈرل اسمبلی میں کابینہ کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پاس ہونے پر ساری کابینہ کو استعفیٰ دے دینا پڑے گا، لیکن دفاع اور خارجی معاملات کے وزراء کے خلاف، جو اسمبلی سے باہر کے ہوں گے عدم اعتماد کی کوئی تجویز نہ لائی جا سکے گی۔

فیڈرل اسمبلی کے اراکین کا انتخاب صوبوں میں مجالس مقننہ کریں گی۔ لیکن ریاستوں کے نمائندوں کا انتخاب اس طرح ہوگا کہ ابتدائی دس برسوں تک ۳/۴ اراکین دیسی رجواڑے نامزد کریں گے۔ اور ۱/۴ تعداد دیسی ریاستوں کی اسمبلیوں سے لئے جائیں گے۔

دستور میں ان امور کا تحفظ کیا جائے گا (۱) انگریزوں کے خلاف نسلی امتیاز کا کوئی جذبہ نہ پیدا ہونے پائے (۲) ریاستوں اور برطانیہ کے درمیان جو پرانے عہد نامے ہیں انھیں قائم رکھا جائے۔ یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو انڈین آرمی کی جو شکل و صورت تھی اسے علیٰ حالہ قائم رکھا جائے۔ خارجی تعلقات رسل و رسائل، کرنسی، جنگی، وغیرہ کے محکمے مرکز کے ہاتھ میں رہیں گے۔ مابقیہ (RESIDUARY) اختیارات صوبوں ہی کو حاصل رہیں گے۔

نقائص

اس اسکیم پر ہم اس لئے زیادہ توجہ دینا نہیں چاہتے کہ یہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی ایک دوسری شکل ہے۔ ہندستان اس دستور کو ناقابل قبول ٹھہرا چکا ہے اور خواہ اسے کسی شکل میں بھی پیش کیا جائے اسے منظور نہیں کر سکتا۔ سر سکندر حیات مرحوم نے اس اسکیم میں مسلمانوں کے جو حقوق رکھے ہیں ان پر البتہ غور و خوض کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال، اس اسکیم میں جو نقائص ہیں وہ مختصر الفاظ میں یہ ہیں۔

(۱) صوبائی اور مرکزی (فیڈرل) مجالس مقننہ کے درمیان ایک مزید مجلس مقننہ یعنی لجسلیچر کے نام سے رکھ دی گئی ہے۔ جس سے انتظامی امور

اور تاقانون سازی میں چند چند مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲) ریاستی نمائندوں کے لئے براہ راست انتخاب کے عوض نامزدگی رکھی گئی ہے اور ان کی ایک بڑی تعداد فیڈرل اسمبلی میں رہیگا۔ نامزد ہوکر آئیگی ظاہر ہے کہ یہ نامزد شدہ اراکین جاگیرداروں کے مفاد کی نگرانی کریں گے اور عوام سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

(۳) وزیر اعظم کے انتخاب کا اختیار فیڈرل اسمبلی کو نہیں دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں بقیہ وزراء کا انتخاب بھی عملی طور پر وائسرائے ہی کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری کابینہ وائسرائے کی ہوگی۔ وائسرائے ان کے ذریعہ جس طرح کی حکومت چاہیں گے چلا سکیں گے۔ فیڈرل اسمبلی میں رجواڑوں کے نامزد کردہ اراکین اور پھر فرقہ وارانہ انتخاب کی بنا پر منتخب شدہ اراکین کی ایک خاصی تعداد آجائے گی۔ جس کے سبب کابینہ پر عدم اعتماد کی تجویز کا پاس ہونا مشکل ہو جائیگا۔

(۴) کابینہ میں ۲ ایسے وزراء کا شامل کیا جانا جو فیڈرل اسمبلی کے ممبر نہ ہوں اور دفاع اور خارجی معاملات جیسے اہم محکمے ان کے سپرد کرونیا یقینی ملکی مفاد کے لئے سخت مضرت رساں ثابت ہوگا۔ پھر یہ چیز بھی ہے کہ ان وزراء پر عدم اعتماد کی تجویز قطعاً نہیں لائی جاسکتی اور وہ بالکل محفوظ و مامون ہیں۔

(۵) اس اسکیم سے ہندوستان کی پوزیشن موجودہ دستور سے آگے نہیں جاتی اور آزادی وطن تو محض ایک خواب وخیال ہو جاتا ہے۔

لیکن بہر حال اس اسکیم میں ایک خوبی بھی ہے، اور وہ یہ کہ دوسری اسکیموں کی طرح اس میں ہندوستان کو فرقہ وارانہ طور پر تقسیم نہیں کیا گیا ہے اس اسکیم کو زیادہ سے زیادہ، صوبوں کی ایک جدید تقسیم کہہ سکتے ہیں، جس میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ تمام منطقے ثقافتی اعتبار سے متجانس (HOMOGENOUS.) ہوں۔

(۴)
اسد اللہ اسکیم

یہ اسکیم بہت ہی سہل اور مختصر ہے، یعنی شمالی ہندوستان، مسلمانوں کو دیدیا جائے اور ستپورا اور وندھیا پہاڑوں کے دکھن کا حصہ ہندوؤں کو۔ اسکیم میں بہت بڑے پیمانہ پر تبادلۂ آبادی کا بھی مشورہ دیا گیا ہے اور ہندوؤں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ جنوبی ہند میں چلے جائیں اور جنوبی ہند کے کل مسلمان شمالی ہند میں آبسیں۔

یہ اسکیم اس قدر مہمل اور غیر منصفانہ ہے کہ اس پر کسی قسم کے تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

(۵)
پنجابی کی اسکیم

اس اسکیم کے ذریعہ ہندوستان کو مندرجہ ذیل پانچ وفاقوں پر تقسیم کیا گیا ہے جو ایک کل ہند اتحادیہ ALL-INDIA FEDERATION میں شامل ہوں گے۔

۱۔ سندھستان فیڈریشن

اس فیڈریشن میں صوبہ پنجاب (انبالہ ڈویژن کانگڑا اور ہوشیارپور ضلع کی گڑھ شنکر اور اُناؤں تحصیلوں کے ماسوا) صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان کے صوبے اور کشمیر، بہاولپور، امب، دیر۔ سوات، چترال، خان پور، تلات، لاس بیلا، کپورتھلہ، اور مالیر کوٹلہ کی ریاستیں ہوں گی۔ یہ تمام ریاستیں اور صوبے سندھستان فیڈریشن کے اجزا (UNITS.) ہوں گے۔

رقبہ ۳ لاکھ ۵۰ ہزار مربع میل۔ مجموعی آبادی ۳ کروڑ ۳ لاکھ۔ مسلمان ۷۰ نیصدی۔ ہندو ۲۰ نیصدی، سکھ ۱۰ نیصدی۔

۲۔ ہندستان فیڈریشن

اس میں صوبہ متحدہ، صوبہ متوسط، صوبہ بہار و اڑیسہ، آسام، مدراس، بمبئی، صوبہ بنگال کے مغربی اضلاع یعنی بردوان ڈویژن) اور ہندستان کی تمام ریاستیں (راجستھان اور دکن فیڈریشن کی ریاستوں کے علاوہ) شامل ہوں گی۔

رقبہ ۱۰ لاکھ ۴۴ ہزار مربع میل۔ مجموعی آبادی ۱۲ کروڑ ۷۰ لاکھ، ہندو ۹۰ نیصدی۔ مسلمان ۱۱ نیصدی

۳۔ راجستھان فیڈریشن

اس میں راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا کی تمام ریاستیں شامل ہوں گی۔

رقبہ ۱ لاکھ ۸۰ ہزار مربع میل۔ مجموعی آبادی ۱ کروڑ ۸۰ لاکھ۔ ہندو ۹۰ فیصدی۔ مسلمان ۱۰ نیصدی

۴۔ دکنی ریاستوں کا فیڈریشن

اس فیڈریشن میں ریاست حیدرآباد، میسور، اور بانسور کی ریاستیں ہوں گی۔

رقبہ ۱ لاکھ ۲۵ ہزار مربع میل۔ مجموعی آبادی ۳ کروڑ ۵ لاکھ۔ ہندو ۹۵ نیصدی۔ مسلمان ۸ نیصدی

۵۔ بنگال فیڈریشن

اس فیڈریشن میں مشرقی بنگال کے وہ اضلاع ہوں گے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے (یعنی دیناج پور، مالدہ، رنگ پور، بوگرا، راج شاہی مرشد آباد، پبنہ، میمن سنگھ، ندیا، جیسور، فرید پور، ڈھاکہ، تپرا، نواکھالی، باقر گنج، کھلنا، اور چاٹگام کے اضلاع) علاوہ اس کے اس فیڈریشن میں صوبہ آسام کے گوالپارہ اور سلہٹ کے اضلاع اور بنگال کی وہ ریاستیں جو اس حلقے میں ہیں شامل ہوں گی۔

رقبہ ۔ ۵۹ ہزار مربع میل۔ مجموعی آبادی ۳ کروڑ ۔ ۱ لاکھ۔ مسلمان ۲ کروڑ ۵ لاکھ (۶۶ فیصدی) ہندو ۱ کروڑ ۱ لاکھ (۳۳ نیصدی)

مرکز

حالانکہ پنجابی صاحب نے اپنی اسکیم کی وضاحت پر ۴۳ صفحے سیاہ کردئے ہیں۔ لیکن مرکزی حکومت کی مشینری کیسی ہوگی اور وہ کس طرح چلے گی اس کے متعلق بہت کم لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ذیل کا پیراگراف ہے۔

"مندرجۂ بالا طریقہ پر ہندوستان کی ایک احدیہ (CONFEDERACY) بنانے کے بعد ہر فیڈریشن جو اس میں شامل ہوگا اس کے اندر ایک گورنر جنرل اور اس کی صوبائی وحدتوں (UNITS) کے گورنر ہوں گے، جو کانفڈریسی کے آگے صیغہ جات احدیہ، ریاستوں کے معاملات اور تاج کی ذمہ داریوں کیلئے جوابدہ ہوں گے۔ کانفڈرل حاکم وائسرائے اور اُن کی ایک کانفڈرل اسمبلی ہوگی، جس کے ارکان

ہندستان کے مختلف دفاتوں سے لئے جائیں گے۔ ہر فیڈریشن سے کانفڈریسی میں آنیوالے اراکین کی تعداد کا تقرر اس فیڈریشن کی آبادی اور اقتصادی حالات وغیرہ کو مد نظر رکھ کر کیا جائیگا۔ خارجی تعلقات دفاع، مشترک قدرتی ذرائع سے آبپاشی کا صیغہ اور فیڈریشن میں شامل ہونیوالی ریاستوں کے متعلق وہ ذمہ داریاں جو تاج پر عائد ہوتی ہیں، متعلقہ فیڈریشن کے گورنر جنرل کے سپرد کی جائیں گی۔ جو بالآخر وزراء کے آگے جوابدہ ہوگا۔ کانفڈریسی میں۔ جو فیڈریشن شامل ہوں گے وہ یا تو براہ راست اسے ایک مقررہ خراج دینا منظور کریں گے یا اپنی آمدنی کی چند مدات اس کے لئے مخصوص کردیں گے جن سے ایک مقررہ رقم کانفڈریسی کو ادا کی جایا کرے گی۔

"ہم یہاں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ شمالی و مغربی فیڈریشن کسی حالت میں بھی اپنی جنگی کی آمدنی کانفڈریسی کیلئے وقف نہ کرے گا۔"

ہونیوالی ریاستوں کے متعلق وہ ذمہ داریاں جو تاج پر عائد ہوتی ہیں، متعلقہ فیڈریشن کے گورنر جنرل کے سپرد کی جائیں گی۔ جو بالآخر وزراء
کے آگے جوابدہ ہوگا۔ کانفڈریسی میں۔ جو فیڈریشن شامل ہوں گے وہ یا تو براہ راست اسے ایک مقررہ خراج دینا منظور کریں گے یا اپنی آمدنی
کی چند مدات اس کے لئے مخصوص کردیں گے جن سے ایک مقررہ رقم کانفڈریسی کو ادا کی جایا کرے گی۔
"ہم یہاں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ شمالی و مغربی فیڈریشن کسی حالت میں بھی اپنی جنگی کی آمدنی کانفڈریسی کیلئے وقف نہ کرے گا۔"

(کانفڈریسی آف انڈیا صفحہ ۱۲)

تباہ: آبادی کو عصنت اسکیم نے ناپ... کیاہے اور اسے نقصان دہ بتلایا ہے۔

یہ ہے پنجابی اسکیم کی جو "کانفڈ... آف انڈیا" نامی تصنیف میں درج ہے۔

(قلت گنجائش کے ... سبب اس اسکیم پر تبصرہ درج نہ کیا جاسکا)







آزادی کا شعلہ نوا راگ



شالیمار پکچرز کا

غلامی

پروڈیوسر:۔ ڈبلیو۔ زیڈ، احمد

گانے:۔
جوش، بھرت ویاس، اختر الایمان، مجاز

موسیقی:۔
ایس۔ کے۔ پال

ڈائرکشن:۔
موہن ودھوانی



رینوکا دیوی
مسعود پرویز۔ تیواری۔ بھرت ویاس
ڈیوڈ۔ کتھانا۔ راجکماری شکلا وغیرہ

زیر تکمیل

میرا بائی

میواڑ کی شہزادی، شہید سنت اور شاعرہ کی
روح کو برما دینے والی لافانی تصویر
جس کے کردار کو بے مثل ادارکار **مینا**
نے انتہائی باکمال طریقے سے ادا کیا ہے اسکے علاوہ
پرویز، بھارت بھوشن، ممتاز، تیواری، بینا
حمیدہ، اشیام، اوتار

پروڈیوسر ڈائرکٹر:— **احمد**

یقین فرمائیے! کہ ایسا واقعہ درحقیقت ظہور پذیر ہوا!

ایک ایسا واقعہ جس نے سنسنی پیدا کردی

اور تمام دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا

ہندوستان کے جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے والے خدارسیدہ بزرگوں نے جہاں اپنے خالق حقیقی کی عبادت میں اپنی زندگیاں گذار دیں۔ وہاں وہ اس معبود کی پیاری مخلوق کی بھلائی کے لئے بھی دن رات کی چھان بین کے بعد ایسی ایسی نادر جڑی بوٹیوں کو دُنیا کے سامنے رکھتے رہے کہ جن کے استعمال سے وہ مریض جن کو زمانۂ حال کے ماہران طب لاعلاج قرار دے دیا تھا حیرت انگیز طور پر توانا و تندرست ہوگئے۔

بیس سال کا عرصہ ہوا کہ ایک نہایت ضعیف العمر گوالا قلاتی پہاڑ میں رہنے والے مشہور و معروف بزرگ ناگری جی مہاراج کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اکبر دز مہاتما موصوف نے اسکی خدمات سے خوش ہوکر اور اسکی کمزوری اور پیرانہ سالی پر ترس کھا کر کسی دوائی کی چند خوراکیں اسے استعمال کیلئے عنایت کیں سیدھے سادھے گوالے غلط فہمی سے وہ تمام خوراکیں ایک ہی بار میں حلق سے اُتار لیں نتیجہ یہ ہوا کہ دوائی کے عجیب و غریب اثر نے اُسے اس بڑھاپے میں تین شادیاں کرنے پر مجبور کردیا اور خدا کی عنایت سے اسکے تندرست و توانا اولاد پیدا ہوئی یہ خبر سن کر دنیا انگشت بدندان رہ گئی نواب صاحب بہاولپور کے خسر حاجی حیات محمد خاں نے مہاتما موصوف کی خدمت میں حاضر ہوکر اس عجیب و غریب دوائی کا نسخہ حاصل کرلیا اور ان کی وساطت سے یہ نسخہ لاہور کے پنڈت ٹھاکر دت جی شرما کو ملا شرما جی نے اس نسخہ کو خلق خدا کی بھلائی کیلئے شائع کردیا اور ساتھ ہی اس سے بہتر نسخہ بتانے والے کو ایکہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا۔ گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں آج تک کسی وید حکیم یا ڈاکٹر کو یہ انعام حاصل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

خود ہم نے اور ہندوستان کے بہت سے مشہور ماہران طب نے اس دوائی کو تیار کرکے بیشمار مریضوں پر اسکی آزمائش کی اور حیرت انگیز طور پر مفید پایا۔

ہم ذیل میں وہ نسخہ بجنسہ درج کرتے ہیں ۲۰ تولہ خالص برادہ فولاد کو ایک تولہ سنکھیا سفید اور ۱½ ماشہ کافور کے ہمراہ گھیکوار کماری کے لعاب میں کھرل کرکے گل حکمت کریں اور ۵ سیر اُپلوں کی آنچ میں پھونکیں۔ پھر اس دوائی کو ایک تولہ ہڑتال ورقی اور ۱½ ماشہ کافور کے ہمراہ کھرل کرکے یہی عمل کریں تیسری بار ایک تولہ گندھک آملہ سار اور ۱½ ماشہ کافور کے ہمراہ اور چوتھی بار کھرل کرکے یہی عمل کریں اسی طرح کل ۱۶ آنچیں دیں۔ بعدازاں اس دوائی کے ہموزن خشک بیربہوٹی ملاکر کل مجموعہ کو لوہے کی کڑاہی میں ڈالکر ہلکی ہلکی آنچ دیں۔ حتی کہ بیربہوٹی جلکر راکھ ہو جائے۔ بیربہوٹی کی راکھ کو ... سے اُڑا دیں

اب یہ عجیب و غریب دوائی آیورویدک پلٹ تیار ہے۔ خوراک صبح و شام نصف رتی بالائی یا مکھن کے ہمراہ کھاکر مصری ملاکر پی لیں۔

متھرا کے مشہور وید بابو ہرداس جی نے اس نسخہ کو اپنی طبی کتاب چکتسا چندرودے میں درج کرتا ہے لکھا ہے کہ ایک مریض کا عرصہ ایک ہفتہ استعمال کے بعد چار پونڈ وزن بڑھ گیا اور دوسرے ہفتے چہرے پر سرخی جھلکنے لگی۔

بھوپال کے پنڈت بالکرشن شرما وید راج نے اس دوائی کو ۲۰۰ مریضوں پر استعمال کیا اور توقع سے بڑھ کر مفید پایا آیوروید آچاریہ چھوٹو لال جی جینی ایڈیٹر ستارک کی لکھتے ہیں کہ اس سے بڑھکر دوسری مقوی دوائی موجود نہیں۔

سدھانت شاستری شری دھرینہ وید رتن منیجر گوروکل درولہ ضلع مظفر نگر تحریر فرماتے ہیں میں نے آیورویدکا پلٹ کا خود استعمال کیا ہے جس میں وہ تمام صفات پائیں جو کہ اس سے وابستہ کیجاتی ہیں۔ مجھے اسکے استعمال سے بہت فائدہ ہوا۔ آیوروید شاستری پربھنی لال جین مالک کلیان اوشدھالیہ (آگرہ) فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے ۲۲۵ مریض کمزوری خرابی خون۔ خون کی کمی بواسیر اور دیگر کئی عوارض کو اسکے استعمال سے شفا دی۔

ہمارا اپنا تجربہ ہے کہ ایک ہفتہ کے استعمال سے ہی تندرستی اور تازہ خون بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ تین ہفتہ کے استعمال سے چہرہ گلاب کے پھول کی طرح چمکنے لگتا ہے اور پورے چالیس روز استعمال سے سر سے پاؤں تک کی تمام کمزوریاں اور امراض دور ہو جاتے ہیں۔ کمزوری ذیابیطس۔ دل و دماغ۔ جگر۔ تلی اور پھیپھڑا وغیرہ کے ناقص فعل سے پیدا ہونیوالے تمام امراض اور کمزوریوں کا قلع قمع کردینا اس دوائی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ جو زنانہ امراض خصوصاً بانجھ پن میں بھی حیرت انگیز طور پر مفید ثابت ہوئی ہزاروں خالی گودیں بچے کیلئے ہونے آباد ہوچکی ہیں ہر گھر میں ہر بیکس کیلئے نعمت ہے۔

اگر کسی وجہ سے اس دوائی کو خود تیار نہ کرسکیں تو شوق سے مندرجہ ذیل نام پر ہم سے منگالیں۔

قیمت ۴۰ گولی (چالیس روزہ استعمال کے لئے) چھ روپیہ چودہ آنے محصول ڈاک معاف علاوہ پیکنگ (نوٹ) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ ضرور آنا چاہیے۔

روپ بلاس کمپنی (رسائن شالہ) دھن کٹی۔ کانپور

یورپ میں اقلیتوں کا مسئلہ

از ادارہ نئی زندگی

اقلیتوں کا مسئلہ کچھ ہندوستان ہی تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔ نہ یہ کسی خاص عہد ہی تک مخصوص رہا، بلکہ اس وقت بھی دنیا میں شاذ ہی کوئی ایسا ملک موجود ہو جہاں ایک ہی فرقے کی بستی ہو، اور اس میں صرف ایک ہی نسل، زبان یا مذہب کے ماننے والے آباد ہوں۔ غرضکہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی ملک کی جغرافیائی سرحدیں اور اس کے باشندوں کی نسلی لسانی اور مذہبی سرحدیں بالکل یکساں رہی ہوں۔ خاص طور پر آج کل کے مشینی دور میں جبکہ رسل و رسائل کی سہولتوں نے دنیا کو بہت زیادہ چھوٹا کر دیا ہے۔ اس قسم کی سرحدوں کا علیٰ حالہ قائم رہنا بہت زیادہ دشوار ہو گیا ہے۔

اس وقت دنیا کی ہر "ریاست" کو اپنے اندر کچھ ایسے لوگوں کو بھی جگہ دینی پڑی ہے۔ جو اس ریاست کے باشندوں سے مذہبی لسانی، اور نسلی یکجہتی نہیں رکھتے۔ لیکن پھر بھی جس ملک میں جو فرقہ اکثریت میں ہے وہ ملک اسے فرقے کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہر ملک اپنی اکثریت کے نام سے موسوم ہے۔ اور اسی لئے ہندوستان بھی اپنی اکثریت یعنی ہندوؤں کے استھان (سنسکرت) یعنی ہندوستان کے نام سے مشہور ہے (اور یہ نام ہندو کو مسلمانوں ہی کا دیا ہوا ہے) اگرچہ اس میں اور بھی دوسری دوسری قومیں اور فرقے آباد ہیں۔

یورپ میں بعض ملکوں نے مسئلہ اقلیت سے تنگ آکر اس سے چھٹکارا پانے کے لئے یہ راستہ نکالا کہ ملک کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے، لیکن پھر بھی وہ ایک مکمل اور متجانس ریاست بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور اس قسم کے جتنے بھی ٹکڑے کئے گئے ان سبھوں میں مذہبی اور نسلی اور لسانی اقلیتیں رہ ہی گئیں۔ اور یہ سارے جھگڑے رہ گئے۔ کیونکہ ہر ٹکڑے کو اپنے اندر کچھ نہ کچھ اقلیتوں کو جگہ دینی پڑی لیکن آخر یہ ٹکڑے بازی کس حد تک جا سکتی ہے؟ کیونکہ اس قسم کے ٹکڑوں کی کچھ اقتصادی حدود بھی ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد یہ رائے ہوئی کہ حق خود ارادیت (SELF DETERMINATION) کی بنا پر یورپ کی از سر نو تقسیم کی جائے۔ اگر چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کو بھی اپنی ایک علیحدہ ریاست قائم کرنے کا موقع مل جائے۔ اسی بنا پر پولینڈ اور چیکوسلواکیہ کی جمہوریتیں قائم ہوئیں۔ اور بلقان کو نصف درجن حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ لیکن یہ جمہوریتیں بھی کسی واحد قوم پر مشتمل نہ رہ سکیں بلکہ ان دونوں میں کافی جرمن اقلیتیں چھوٹ گئیں۔ جنکی تعداد ۲۰ فیصدی سے کم نہ تھی۔ غرضکہ اس مسئلہ کا یہ حل قطعاً کامیاب نہ ہوا۔

بہر حال ہمارے ملک میں بھی اقلیت کے پریشان کن مسئلہ سے عاجز آکر لوگوں نے حق خود ارادیت کی بنا پر ملک کی تقسیم کو اس کا حل سوچا ہے۔ لیکن اس تقسیم کے بعد بھی اقلیتوں کا مسئلہ جیوں کا تیوں رہ جاتا ہے۔ پنجاب میں ۴۴ فیصدی ہندو اور سکھوں کی اور بنگال میں ۴۴ فیصدی ہندوؤں کی زبردست اقلیت رہ جاتی ہے اور دوسری طرف، یو۔پی، بہار، اڑیسہ، مدراس، بمبئی، سی۔پی، دہلی وغیرہ میں تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی الگ زبردست اقلیت موجود رہتی ہے اور جن ہندو صوبوں میں اقلیتوں کا مسئلہ تمام و کمال پاکستان بننے کے بعد بھی اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ اس موضوع پر کسی دوسرے

باب میں ہم مفصل بحث کریں گے ۔ مختصر یہ کہ اس مسئلے کا یہ صحیح حل نہیں ۔

پہلے زمانہ میں اس کا سیدھا سادہ حل یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ جس مذہب کا ماننے والا ہوا کرتا دوسرے فرقے بھی اسی مذہب کے ہو جاتے تھے ۔ لوگ بھی قدرت کا فیصلہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا کرتے تھے ۔ اس زمانے میں مثل مشہور تھی کہ جو دین بادشاہ کا وہی دین رعایا کا ۔ (النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ) کسی مخالفت، کسی احتجاج اور کسی فریاد کی گنجائش ہی نہ تھی ۔ بلکہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ اقلیت ہی اپنی تلوار کی زور سے دوسرے ملکوں پر حکومت کیا کرتی تھی اور اکثریتیں اس کے آگے قدرت کا ایک فیصلہ سمجھ کر سر تسلیم خم کر دیا کرتی تھیں ۔ سیزر، سکندر، چنگیز خاں، تیمور اور ہندستان کی اکثریت پر مسلمانوں کی حکومت اسی قبیل کی تھی ۔ وہاں تلوار تھی اور اقلیت و اکثریت کا کوئی جھگڑا نہ تھا ۔

لیکن جب انقلاب فرانس کے بعد دنیا میں جمہوریت کی ہوا چلی، افراد کو شخصی آزادی نصیب ہوئی ۔ زبان، مذہب اور دوسرے نجی معاملات میں ریاست کم سے کم دخیل انداز ہونے لگی ۔ اور پریس، پلیٹ فارم وغیرہ کی آزادی اور کمزوروں کو فریاد کا حق ملا تو دبی ہوئی اقلیتیں بھی ابھر آئیں ۔ اور انھوں نے بھی اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا ۔ لیکن حال میں یہ مسئلہ کچھ اس شدت سے دنیا کے مختلف ملکوں میں اٹھایا گیا ہے کہ ہر ملک کے لئے اقلیتوں کی موجودگی ایک مصیبت بن گئی ہے ۔ کیونکہ اکثر اوقات ایسا ہوا کہ اقلیتوں نے اس حد تک آگے قدم بڑھایا کہ مادرِ وطن کی طاقت کو بھی دھکا لگانے سے وہ باز نہ آئیں اور کھلم کھلا دشمنوں سے ساز باز کی ۔

چنانچہ موجودہ عہد میں ایک ریاست کو نہ صرف اپنے بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے بلکہ اسے اندرونی دشمنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کا تمام تر سبب یہی اقلیتوں کا مسئلہ تھا ۔ اور گزشتہ عالمگیر جنگ بھی پولینڈ کی سوڈٹن جرمنوں کی (SUDETAN GERMAN.) اقلیت ہی کے سوال پر چھڑی تھی ۔ سوڈٹن جرمنوں نے مادرِ وطن سے غداری کر کے کھلم کھلا ہٹلر کا ساتھ دیا اور ہٹلر نے اپنی جرمن اقلیت کی محافظت کا بہانہ تلاش کر کے تلوار اٹھائی ۔

بہرحال فرقہ وارانہ سوال یا اقلیتوں کا مسئلہ موجودہ عہد کا سب سے زیادہ پیچیدہ اور اہم مسئلہ بن گیا ہے ۔ چنانچہ دنیا کی ہر حکومت نے اور پھر بین الاقوامی کانفرنسوں اور انجمنوں نے اس مسئلہ کے حل پر کافی توجہ دی ہے ۔ اس سے قبل بھی انیسویں صدی کے بعض صلحناموں میں جو یورپین اقوام کے درمیان ہوئے اس مسئلہ کا ذکر موجود ہے ۔ اور اس کے حل کی کوششیں کی گئی ہیں ۔ سب سے پہلے پیرس کے صلحنامہ میں (TREATY - OF PARIS) ۔ جو مارچ ۱۸۵۶ء میں ہوا تھا، اقلیتوں کی محافظت سے متعلق ایک دفعہ رکھی گئی اور یہ صاف طور پر اعلان کر دیا گیا کہ کسی ملک کے باشندوں کے کسی طبقے سے صرف اس بنا پر کہ وہ ملک کی اکثریت سے لسانی، نسلی، یا مذہبی لحاظ سے مختلف ہے، کوئی برا برتاؤ نہ کیا جا سکے گا اور نہ اسے حقیر سمجھا جائے گا ۔ غرضکہ اس صلحنامے میں اقلیتوں کے مساوات کے درجہ کو تسلیم کیا گیا اور مختلف ملکوں میں حکومتیں اقلیتوں کا خاص لحاظ رکھنے لگیں اسی طرح صلحنامہ ڈکسن (جولائی ۱۸۷۱ء) میں بھی یہ اعلان کیا گیا کہ جرمنی کے اندر جو مختلف ریاستیں ہیں وہ اپنی اپنی اقلیتوں سے مذہبی رواداری کا برتاؤ کریں ۔ اور ان کے دین سے تعارض نہ کریں اسی طرح انیسویں صدی کے اکثر سیاسی دستاویزات میں افراد کی شخصی آزادی کو مانا گیا ہے ۔

لیکن بیسویں صدی میں اور خاص کر جنگ عظیم کے بعد یورپ کے مسئلہ اقلیت کی نوعیت ہی بدل گئی ۔ یعنی اس سے قبل کسی ملک کے افراد کا یہ حق تو تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں رہیں سہیں، جو زبان چاہیں استعمال کریں اور جس دین کی پیروی ان کی مرضی ہو کریں ۔ لیکن اقلیتوں کو جماعتی حیثیت سے نہ تسلیم کیا گیا اور نہ انھیں ایک بڑی قوم کے اندر ایک چھوٹی قوم کا درجہ دیا گیا تھا ۔ لیکن جنگ عظیم کے بعد انھیں جماعتی شکل میں مانا گیا اور یہاں تک کہ ان کا حق خود ارادیت (SELF DETERMINATION) بھی تسلیم کر لیا گیا ۔

تباہ کن عالمگیر جنگ کے بعد ۱۹۱۸ء میں جب پیرس میں صلح کانفرنس صدر ولسن (امریکہ) کی صدارت میں بیٹھی تو اس نے قدرتی طور پر ایک ایسے مستحکم نئے نظام کی داغ بیل ڈالنا چاہی جس سے آئندہ اس قسم کے جھگڑوں کا امکان نہ ہو اور مستقبل میں ایسی ہولناک جنگوں کا سدباب ہو سکے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کانفرنس بھی کوئی ایسی جادو کی لکڑی نہیں گھما سکتی تھی کہ یورپ کے سارے ملکوں میں صرف ایک ہی ایک قوم کی ریاستیں بن جائیں اور اقلیتوں کا جھگڑا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے۔ کیونکہ موجودہ دور میں عرب کی قدیم قبیلائی بستیوں یا یونان کے آزاد شہروں کا تصور ناممکن ہے جہاں صرف ایک ہی قبیلہ یا نسل کے لوگ رہا کرتے تھے۔ کانفرنس بڑے غور و خوض کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچی کہ جو بھی ریاست بنے گی وہ لازمی طور پر ایک سے زیادہ فرقوں پر مشتمل ہوگی۔ لیکن اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اقلیتیں بھی اپنے ملک کی اسی طرح ہی خواہ فرمانبردار اور جان نثار ہوں جس طرح اکثریت ہوا کرتی ہے، یہ ضروری قرار پایا کہ اقلیتوں کو بھی اکثریت کے مساوی حقوق دئے جائیں۔ اور اکثریت کچھ ایسے عہد و پیمان کرے جس سے اقلیتوں کی زبان، معاشرت، مذہب اور نسل کا استحفاظ متعین ہو جائے۔ یہ تمام باتیں صرف اس لئے کی گئیں کہ اقلیتیں بھی اپنے وطن کو وطن سمجھیں اور بلاتفریق مذہب و ملت ملک کے تمام فرقوں سے مل کر ریاست کو چلائیں اور وطن کی ترقی کے لئے کوشاں ہوں۔

یہاں لفظ مساوات سے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ اقلیتوں کو مساوات دینے کا مطلب یورپ میں سب سے پہلے یہ ہے کہ جس طرح اور لوگوں کو حق رائے دہندگی ہے۔ انھیں بھی یہ حق دیا جائے اور انھیں اپنے سے علیحدہ نہ سمجھا جائے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ شہر میں انھیں تمام شہری حقوق ویسے ہی حاصل ہوں جس طرح اکثریت کو ہیں۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اقلیت کے ایک فرد کیلئے حکومت کے کاروبار میں ایک محترم کی اسامی سے لیکر جمہوریت کی صدارت کا دروازہ بھی کھلا ہو اور اس کی اہلیت میں اس کا مذہب یا نسل حائل نہ ہو۔

جمعیۃ الاقوام اور اقلیتیں جمعیۃ الاقوام اپنے مقاصد میں کتنی ہی ناکام کیوں نہ رہی ہو، لیکن یہی کیا کم ہے کہ دنیا میں پہلی بار باہمی جھگڑوں کو جنگ کے ذریعہ نہیں بلکہ صلح و مفاہمت اور گفت و شنید سے طے کرنے کے لئے اقوام عالم کی ایک انجمن عالم وجود میں آئی۔ بہرحال جنگ عظیم کے بعد جمعیۃ اقوام کا قیام عمل میں آنا تھا کہ یورپ کی تمام اقلیتوں نے اپنی اکثریت کی شکایتیں اس کے سامنے پیش کرنا شروع کردیں۔ یہ شکایتیں ۱۶ ممالک کے خلاف تھیں۔ یہ ۱۶ ممالک یہ تھے (۱) البانیہ (۲) آسٹریا (۳) بلغاریہ (۴) استونیہ (۵) فن لینڈ (۶) یونان (۷) ہنگری (۸) لٹویا (۹) لیتھونیا (۱۰) میمل (۱۱) پولینڈ (۱۲) رومانیہ (۱۳) سرب، کروٹ، سلون سلطنت (۱۴) اپر سائیلیشیا (۱۵) چیکوسلواکیہ (۱۶) ترکی۔

چنانچہ جمعیۃ الاقوام نے ان تمام ممالک کی حکومتوں سے مشورہ کیا اور اقلیتوں کے حقوق کے متعلق ایک دستاویز مرتب کی جس پر مندرجہ بالا ۱۶ حکومتوں نے اپنے دستخط ثبت کر دئے۔ یہ حقوق جن امور سے متعلق ہیں وہ تین عنوانوں کے تحت آتے ہیں:۔

(۱) زبان (۲) نسل (۳) مذہب۔ یعنی جمعیۃ الاقوام نے جو بھی تحفظات مقرر کئے ہیں وہ ان تین ہی امور سے متعلق کئے ہیں۔ یہاں پھر ہمیں ہندوستان کے مسئلہ اقلیت اور یورپ کے مسئلے میں فرق نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ اقلیتوں کے تمام مطالبات صرف زبان و معاشرت، مذہب اور نسل ہی تک محدود ہیں اور انھوں نے یہ کہا کہ ہمارا انتخاب جداگانہ ہو یا اسمبلی یا مجلس آئین ساز میں ہمارے لئے اتنی نشستیں مقرر کر دی جائیں یا پھر سرکاری ملازمتوں میں تناسب مقرر کر دیا جائے۔

بہرحال جمعیۃ الاقوام نے ان تین قسم کے مطالبات (زبان، نسل اور مذہب) کے سلسلے میں قوانین بنائے اور پھر جمعیۃ کی رہنمائی میں مختلف قوموں نے اپنی اقلیتوں کی زبان، نسل اور مذہب وغیرہ کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنے دستور میں حسب ذیل دفعات شامل کیں۔ مندرجہ بالا تین مطالبات

کے علاوہ اقلیتوں کو شہری حقوق میں بھی مساوات دی گئی اور سبھوں کو بنیادی حقوق یکساں مانے گئے۔ چنانچہ ہم یہاں ان چاروں قسم کے حقوق (۱) شہری (۲) لسانی (۳) نسلی اور (۴) مذہبی حقوق کے متعلق یورپین ممالک کے دستور سے دفعات نقل کریں گے۔ ان دفعات پر یورپ کے تمام ممالک متفق ہیں۔

شہری حقوق

(۱) ریاست کے آگے ہر شخص، خواہ وہ کسی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ مساوی ہے اور سبھوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔

(۲) کسی شخص کو بھی بغیر مقدمہ چلائے قید نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) تمام لوگوں کو پریس پلیٹ فارم اور اجتماع کی آزادی حاصل ہوگی اور وہ انجمنیں بنا سکتے ہیں اور اجتماعی طور پر (قوانین کے احاطہ میں رہ کر) کام کر سکتے ہیں۔

(۴) ملکی ملازمتوں کا دروازہ ہر اہل شخص کیلئے بلا تفریق نسل و مذہب کھلا ہوگا۔

(۵) حق رائے دہندگی ہر شخص کو مساوی طور پر حاصل ہوگا اور وہ ریاست کے بڑے سے بڑے عہدے تک پہنچ سکتا ہے۔

(۶) ریاست کا کوئی مذہب نہ ہوگا۔

مذہبی حقوق

(۱) ہر فرد بشر کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور وہ نجی طور پر یا برسر عام اپنے مذہبی رسوم ادا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) قانون کے آگے تمام مذاہب برابر ہوں گے۔ خواہ وہ اکثریت کا ہو یا اقلیت کا۔

(۳) کسی خاص مذہب کے لوگ اگر چاہیں تو اپنی مذہبی جائدادوں اور اوقاف کا انتظام بطور خود کر سکتے ہیں۔ ریاست بھی حسب استعداد مختلف مذہب کے لئے اپنے بجٹ میں ایک مد رکھے گی۔ جو ہر مذہب کے پیروؤں کی تعداد کی مناسبت سے ہوگی

(۴) کسی کو اپنے مذہبی معتقدات کے اظہار پر مجبور نہ کیا جائیگا، اگر وہ اس کا اظہار کرنا نہیں چاہتا۔

(۵) "پرسنل لا" وراثت، طلاق، خلع وغیرہ کے مقدمات کا فیصلہ کسی مذہب کی مخصوص شریعت کے مطابق ہی کیا جائے گا۔ اگر کسی مخصوص مذہب کے لوگ اگر چاہیں تو اس کام کیلئے اپنی علیحدہ عدالت بھی قائم کر سکتے ہیں۔

لسانی اور معاشرتی حقوق

(۱) ہر شخص جو زبان چاہے استعمال کرے اور اگر ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہوئی تو وہ اپنے صرفے سے اپنے فرقوں کے بچوں کیلئے علیحدہ اسکول بھی قائم کر سکتے ہیں (بعض حکومتیں خود اس خرچ کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوئی ہیں، جیسے ترکی)

(۲) لیکن ریاست کی ایک واحد زبان ہوگی۔ جسے تمام اقلیتوں کو ریاست سے تعلقات کے موقع پر استعمال کرنا ہوگا۔

نسلی حقوق

(۱) کسی خاص نسل کے لوگ صرف اس لئے کمتر نہ سمجھے جائیں گے۔ کہ وہ اکثریت کے نسل کے نہیں ہیں۔

(۲) ہر نسل کو اپنی نسلی خصوصیات اور اپنے قومی تمدن کو محفوظ رکھنے اور اسے بڑھانے اور ترقی دینے کا حق حاصل ہوگا۔

غرضیکہ یورپ میں مسئلہ اقلیت کی یہ نوعیت ہے اور اس طرح اسے حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پھر بھی یہ مسئلہ یورپ کا سب سے بڑا ابھارا رہ ہی گیا۔ چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم اسی اقلیت کے تحفظ کے بہانے شروع ہوئی۔ اب عام طور پر دنیا میں یہ رجحان نظر آتا ہے کہ اقلیت

کا مسئلہ جس حد تک موجود ہے اسے اُسی حد تک رہنے دیا جائے۔ اور آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ چنانچہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ اکثریت کا موجودہ برتاؤ اسی بنا پر ہے کہ وہاں اقلیت کی آبادی زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ اور اسی لئے یہ تمام قیود لگائی گئی ہیں کہ کہیں آگے چل کر یہ بھی ایک اقلیت کا مسئلہ نہ بن جائے۔ اسی طرح ہٹلر نے ایک واحد نسل (جرمن نسل کی) شہنشاہیت کا خواب دیکھا ہے۔ اور دوسری نسلی اقلیتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح حل ہونے کا نہیں اور ملک کی تقسیم سے یا واحد نسل کی ریاست کا خواب دیکھنے سے حل نہیں ہو سکتا۔ ملک کی تقسیم کا نتیجہ یورپ میں آزمایا جا چکا ہے، اور ناکام ہوا۔ بلقان کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے لیکن ہر ٹکڑے میں اقلیتوں کا مسئلہ موجود رہا غرضیکہ یورپ میں اب تک اقلیتوں کا مسئلہ حل نہ ہو سکا حالانکہ یورپ انتہائی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں مثلاً بوہیمیا، اسٹونیا، لٹویا، یوگوسلاویہ وغیرہ میں تقسیم ہو گیا جس کا رقبہ ہندوستان کے ایک ضلع سے زیادہ نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ حل نہ ہونا تھا نہ ہوا۔

رُوس کی مثال

مطالبۂ پاکستان کے سلسلے میں روس کی بھی مثال دی جاتی ہے، اور ہندوستان کی کیمونسٹ پارٹی اسی بنا پر مسلم لیگ کے مطالبہ کو تسلیم کرتی ہے اور اسے 'حق خود ارادیت' کے نام سے پکارتی ہے۔ لیکن حقیقت اسکے برعکس ہے اور رُوس کے اصول اور پاکستان کے نظریئے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ روس میں کبھی بھی مذہبی بنا پر کسی قومیت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور نہ کسی علاقے کو روس سے علیحدگی کا اختیار ان معنوں میں حاصل ہوا جن معنوں میں مسلم لیگ مطالبہ کرتی ہے۔ لہٰذا اس چیز پر ہم ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں لینن کے الفاظ یہ ہیں۔

"ریاست کو مذہب سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔ مذہبی گروہ ریاست سے متعلق نہ ہونے چاہئیں۔ ہر شخص کو آزادی ہونا چاہئے کہ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے یا لا مذہب رہے جیسا کہ ایک سوشلسٹ عام طور سے ہوتا ہے"

لینن کے بعد اس کے اصولوں کا سب سے معتبر مفسر اسٹالین ہے۔ اسٹالین نے اپنی ایک کتاب میں "قومیت" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"ایک قوم ایسا گروہ ہے جو مشترکہ تاریخی روایات رکھتا ہو اور جس کی زبان، وطن، اقتصادی اور نفسیاتی ماحول میں مناسبت اور اشتراک ایک مشترکہ تمدن کی شکل میں ظاہر ہو" (مذہب کا کوئی ذکر نہیں۔)

ان اصولوں کے پس منظر میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زار کی سلطنت مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی زاروں کے عہد حکومت میں ہر علاقے اور قوم پر روسی زبان اور روسی تمدن کو زبردستی عاید کیا گیا تھا۔ جب زار کی حکومت ختم ہوئی اور انقلاب رُوس نے دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم کی تو صدیوں کے بعد زار کے محکوم علاقوں اور قوموں کو آزادی نصیب ہوئی۔ پہلی عارضی انقلابی حکومت کی طرف سے لینن اور اسٹالین نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا۔

"روس کے مسلمانو! کریمیا اور وولگا کے تاتاریو! ترکستان اور سائبیریا کے کرغیز اور سارتے قوم والو! ماورائے قاف کے ترک اور تاتاریو! تمہارے عقاید اور تمہاری رسوم، تمہارے قومی تمدن اور معاشرت اب آزاد ہیں اور ان کو کوئی ٹھیس نہیں لگ سکتا تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے اور تمام دیگر اقوام کے حقوق اب انقلاب کی حفاظت میں ہیں۔۔۔۔" اُٹھو اور اس انقلاب کی مدد کرو"

تاریخ شاہد ہے کہ لینن اور اسٹالین نے یہ وعدہ ایفا کیا۔ یکے بعد دیگرے مختلف علاقوں کو حق خود ارادیت دیا گیا اور متحدہ مرکزی سوویت کی نگرانی میں مقامی جمہوری حکومتیں قائم کی گئیں۔ مگر یہ خود ارادیت پاکستان کے مرادف نہ تھی۔ صرف تمدنی، لسانی، مذہبی اور مقامی معاملات میں ان

علاقوں اور ریاستوں کو آزادی دی گئی تھی۔ سیاسی اور اقتصادی امور میں متحدہ مرکزی حکومت کو پورے اختیارات حاصل تھے اور اب بھی ہیں جب کبھی رجعت پسندوں نے اپنے اپنے علاقوں میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ کھڑی کرنی چاہی تو اُن کو سختی کے ساتھ دبا دیا گیا اور کسی ریاست کو یہ اختیار نہ دیا کہ وہ اپنی بنیاد مذہب پر رکھے۔ بلکہ اپنی کتاب میں ستالین نے "پان اسلامی" جذبے کی شدید مذمت کی ہے اور "پان اسلامزم" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

"پان اسلامزم ـــــ یہ ترکی اور تاتاری اونچے طبقے والوں (یعنی خانوں، تاجروں، زمینداروں اور ملّاؤں) کی وہ سیاسی تحریک ہے جو سب مسلمانوں کو ایک مشترک ریاست میں متحد کرنا چاہتی ہے۔"

ظاہر ہے کہ ستالین اس تحریک کا مخالف تھا۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ گو فرداً فرداً روس کے اسلامی علاقوں کو آزادی اور حق خود ارادیت حاصل ہے لیکن مذہب کے نام پر ان کو متحد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اب یہ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ پاکستان اور اس "پان اسلامزم" میں کیا فرق ہے جسکی مخالفت استالین نے کی تھی۔ ہماری رائے میں تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ صرف "خانوں" کے بجائے خان بہادروں پڑھنے کی ضرورت ہے جن بہادروں اور اونچے ارادے والوں نے روس میں انقلابی حکومت کی بنیاد رکھی تھی وہ ہرگز اس کے لئے تیار نہیں تھے کہ رجعت پسندوں کو موقع دیں کہ وہ جائز خود ارادیت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر تمام ملک کی آزادی اور زندگی کو خطرے میں ڈالیں۔ آج جس طرح ہندوستان کے سرحدی صوبوں کو ہندوستان سے علیحدہ کرنے کے منصوبے کئے جا رہے ہیں ایسا موقع سویت روس کی تاریخ میں بھی آیا تھا۔ سنہ ۲۰ء میں ستالین نے کھلے الفاظ میں اس افتراق پرور تحریک کی مخالفت کی تھی :-

"ہم سرحدی علاقوں کی علیحدگی کے مطالبے کو بالکل رد کرتے ہیں۔ ہم اس کے موافق ضرور ہیں کہ ہندوستان، مصر اور مراقش اپنی سلطنتوں سے علیحدہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس علیحدگی کا مطلب ہوگا۔ مجبور اور غلام ملکوں کی آزادی، شہنشاہیت کی طاقت پر ایک ضرب اور انقلاب کی قوت میں اضافہ۔ مگر ہم روس کے سرحدی علاقوں کی علیحدگی کے خلاف ہیں کیونکہ یہ سرحدی صوبے شہنشاہیت کے غلام ہو جائینگے اور اسطرح روس کی انقلابی طاقت کو دھکا پہنچے گا اور شہنشاہیت کی پوزیشن اور مضبوط ہو جائے گی۔"

علیحدگی کا قانونی حق

سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے (جیسا کہ مسلم لیگی اور کمیونسٹ اکثر کہتے ہیں) کہ سویت روس کی جمہوری ریاستوں کو علیحدگی کا حق حاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:-

(۱) ایسا حق "سوویت یونین" کی صرف بڑی بڑی ریاستوں کو حاصل ہے۔ ہر چھوٹی موٹی ریاست کو نہیں ہے۔

(۲) ایسی بڑی ریاستیں صرف سولہ ہیں حالانکہ تو میتیں سینکڑوں ہیں۔

(۳) ان ریاستوں کی حکومت پر کمیونسٹ پارٹی حاوی ہے اور یہ پارٹی ایک مرکزی نظام کے ماتحت ہے۔

(۴) علیحدگی کا حق بیس سال کے کمیونسٹ پروپگنڈا اور کمیونسٹ اصولوں کی تعلیم کے بعد دیا گیا ہے جب یقین کر لیا گیا کہ اس حق کو سویت اتحاد کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یہ حق اس وقت دیا گیا ہے جب سرمایہ داروں، مذہبی پیشواؤں، زمینداروں اور رجعت پسندوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا گیا ہے جس وقت یہ رجعت پسند طبقے اپنی قوموں کی طرف سے علیحدگی کا حق مانگ رہے تھے اس وقت یہ حق نہیں دیا گیا۔

کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ انقلاب کے فوراً بعد لینن اور ستالین ازبکستان، قزاقستان وغیرہ کو علیحدگی کا حق دیدیتے جب اس حق کو ملّا،

زمیندار، سرمایہ دار اور قدامت پسند کمیونزم اور انقلاب آزادی کے خلاف استعمال کرتے۔ ہرگز نہیں اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر پاکستان کا مطالبہ منظور کر لیا گیا تو وہ کون سے طبقے ہیں۔ جو اس "خالص اسلامی ریاست" میں برسر اقتدار ہوں گے۔

پاکستان کی تعریف

پاکستان کیا ہے؟ مسٹر جناح کے الفاظ ہیں:۔

"لاکھوں مسلمان پاکستان کی خاطر اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔ پاکستان صرف ایک نعرہ نہیں ہے۔ پاکستان ہی میں مسلمانوں کی نجات ہے، انکی مدافعت ہے اور انکی قسمت ہے۔ ایک دفعہ دنیا پھر اس اعلان سے گونج اٹھے گی کہ ایک اسلامی ریاست قائم ہو گئی ہے جو اسلام کی گذشتہ شان و شوکت کو پھر زندہ کرے گی۔"

اور ایک موقعہ پر مسٹر جناح نے فرمایا تھا:۔

"پاکستان ہمیشہ سے ہے۔۔۔۔۔۔ ہندو اور مسلمان، گو وہ ساتھ شہروں اور دیہاتوں میں رہتے رہے ہیں، کبھی ایک دوسرے میں نہیں سے۔ وہ مختلف قومیں ہیں۔"

غرض پاکستان کی تعریف ہمیشہ ان الفاظ میں کیگئی ہے کہ "ہندوستانی مسلمان ایک قوم ہیں اور اس لئے انکو الگ ایک اسلامی ریاست درکار ہے۔" یہ وہ مطالبہ ہے جسکو کیونسٹ سراہتے ہیں اور جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ "پاکستان ہندوستان کے جذبۂ آزادی کی پیدائش ہے۔"

لیکن پاکستان اور سودیت روس کے نظام میں سیاہ اور سفید کا فرق ہے۔

(۱) روس میں حق خودارادیت قومیتوں کو بلا لحاظ مذہب دیا گیا ہے، پاکستان قومیت کی بنیاد ہی مذہب پر رکھتا ہے۔ حالانکہ لینن اور سٹالین دونوں نے اس نظریے کی تردید کی ہے۔

(۲) روس میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے علاقوں کو انکی زبان اور تمدن کی بنیاد پر حق خودارادیت دیا گیا ہے، پاکستان مختلف تمدنوں اور زبانوں والوں (مثلاً بلوچی، سندھی، پنجابی، بنگالی مسلمانوں) کو ایک قومیت اور ایک ریاست کے ماتحت لانا چاہتا ہے۔

(۳) روس میں پہلے انقلاب ہوا۔ پھر قدامت پسندوں اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کیا گیا، اس کے بعد حق خودارادیت دیا گیا۔ پاکستان ان طبقوں کو طاقت بخشنا چاہتا ہے جن کو انقلاب روس نے فنا کیا۔

سٹالین نے کھلے الفاظ میں سرحدی علاقوں کی علیحدگی کے مطالبہ کو رد کیا لیکن مسلم لیگ اور کمیونسٹ پارٹی ان علاقوں کو فوراً یہ حق دینا چاہتی ہے۔

مسٹر جناح "مسلم قوم" کا ذکر کرتے ہیں۔ کیمونسٹ "مسلم قومیتوں" کا راگ الاپتے ہیں۔ مسلم لیگ مطالبہ کرتی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں منقسم کیا جائے "ہندو۔ستان" اور "پاکستان"۔ کیمونسٹ نہ جانے کس طرح اس کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ ہندوستان کو زبان اور تمدن کے لحاظ سے تقسیم کیا جا رہا ہے اور بلوچی، سندھی، بنگالی، بہاری، تامل، تیلگو، مرہٹہ اور گجراتی قومیتوں کے لئے حق خودارادیت مانگا جا رہا ہے۔ مسلم لیگ اور مسٹر جناح مذہب — اور صرف مذہب۔ کی رو سے ہندوستانیوں کو دو اور صرف دو قوموں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں لیکن کیمونسٹ نہ معلوم مارکسزم کے کن اصول کے تحت اسکو روا رکھتے ہیں۔

ہندستانی دوا سازوں کا وفد انگلستان اور امریکہ میں

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید، مالک سیپلا کمپنی کی قابلانہ رہنمائی



ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید

حال میں ہندوستانی دوا سازوں کی انجمن نے چھ اراکین پر مشتمل ایک وفد انگلستان اور امریکہ کو روانہ کیا تھا" تاکہ ان ممالک میں دوا سازی کی جدید ترقیوں کا مطالعہ کرنے اور اپنے تجربات کی روشنی میں ہندوستانی دوا سازی کی از سر نو تنظیم میں انجمن کو مدد دے۔

اس وفد کا مقصد ان ممالک سے ہندوستان کے لئے بڑی تعداد میں دوا سازی کی مشینریاں خریدنا بھی ہے۔

یہ وفد ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید مالک سیپلا کمپنی بمبئی کی سرکردگی میں انگلستان اور امریکہ کا کامیاب دورہ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک سچے محب وطن، ہندوستان کے ایک بلند پایہ سائنسٹ اور ہندوستان کے سب سے بڑا دوا سازی کا کارخانہ (جو یورپ اور امریکہ کے مقابلے کی دوائیں تیار کرتا ہے) یعنی سیپلا کے مالک ہیں۔

لندن کی ایک پریس کانفرنس میں ڈاکٹر حمید نے کہا:-

"اونچی سطح پر پہنچکر صنعت اور سیاست کو آپ علیحدہ نہیں کرسکتے، موجودہ ہلاکت آفریں جنگیں جن میں لاکھوں آدمی اپنی جانیں قربان کرتے ہیں، دراصل جنگ لڑنے والے ممالک کے کل کارخانوں اور لیباریٹریوں میں لڑی جاتی ہیں۔ دنیا میں صلح و امن کے قیام کی ذمہ داری مدبرین سے زیادہ سائنسدانوں اور دوا سازوں پر ہے۔"

نیوز کرانیکل لندن کا نامہ نگار، مسٹر ریگے، ہندوستانی وفد کی آمد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس وفد کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ۵ ہندو اور ایک مسلمان ہیں، اور ان پانچ ہندوؤں نے ایک مسلمان یعنی بمبئی کے مشہور سائنسداں، ڈاکٹر حمید کو اپنا لیڈر منتخب کیا ہے۔"

انگلستان کی مشہور جرنلسٹ مس فریڈا گوک نے ڈاکٹر حمید سے سوال کیا:

"ہمارے ملک میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اور ہندو اس طرح ایک دوسرے سے متنفر ہیں کہ وہ ایک دوسرے پر کبھی اعتماد نہیں کرتے۔"

ڈاکٹر حمید نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:- "آپ ہندوستان کی صحیح حالت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ آپ کے سامنے سیدھی سی مثال ہے ہندوستانی دوا سازوں کی انجمن میں ۹۵ فی صدی ہندو ہیں، لیکن انھوں نے مجھا پنا لیڈر چنا اور مجھ پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہندوستان میں ہر شعبۂ زندگی میں ہندو اور مسلمان نہایت دوستانہ طور پر ملتے ہیں۔ لیکن نہیں ملتے تو صرف ایک شعبہ یعنی سیاست میں"

انگلستان کے تمام اخبار نویس، جو پریس کانفرنس میں جمع تھے ڈاکٹر حمید کے اس بیان پر دنگ رہ گئے کہ وہ مسٹر جناح اور انکی سیاست کو پسند نہیں کرتے۔ ڈاکٹر حمید نے کہا:-

"میں پاکستان کا مخالف ہوں۔ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کو کبھی مسٹر جناح کو وہ اہمیت نہ دینی چاہیے، جو انھوں نے دی۔ جب کوئی ہندوستانی ملک کی تقسیم اور ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی باتیں کرتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے پاکستان مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچائے بغیر سارے ملک کی بربادی کا باعث ہوگا۔"

معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر حمید انگلستان کے صناعوں سے ہندوستان کیلئے بڑی تعداد میں کپڑے کی ملوں کیلئے مشینری خریدنے کی بات چیت کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید کی سرکردگی میں یہ وفد ۱۹ ردسمبر ۴۵ء کو واشنگٹن (امریکہ) پہنچا۔ اخبار کے نمائندے کو بیان دیتے ہوئے ڈاکٹر حمید نے کہا:-

"جب ہم امریکہ کے کارخانوں میں جاتے ہیں تو ہمیں یہاں نئی نئی مشینیں اور آلات نظر آتے ہیں۔ ہم یہ تمام چیزیں ہندوستان کی صنعت کو ترقی دینے کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، اور امریکہ کے صناع بھی ہمیں یہ سامان بافراط دینا چاہتے ہیں، لیکن چونکہ ڈالر کا ہمارے ملک سے تبادلہ نہیں ہے، اسلئے ہم مجبور ہیں۔"

سنٹرل رائل کارپوریشن آف انڈیا - بمبئی

زیر نگرانی: چوہدری

"انتقام" اور "حکومت"

دیکھئے

اپنی زندگی کا وہ دور جب آپکی خود سر پیشانی بااب ہوگئی تھی

موسیقی استاد زمانہ حضرت جھنڈے خاں صاحب
عکاسی: احمد اللہ
ہدایات: بنیاد

کہانی
مکالمے
منظر نامہ
آنسہ ہما بی-اے

تمثیل کار: جوتی - دلیپ - اکبر بچہ شانتا نرائن - یعقوب خنجر گریس اور اسماعیل

مکالمے آنسہ ہما بی-اے
موسیقی استاد زمانہ حضرت جھنڈے خاں
عکاسی: احمد اللہ
ہدایات
؟ . . . .
آرائشات مولوی

تمثیل کار
جلّو بائی - بچہ - دلیپ - گریس
اسماعیل زبیدہ - صادق علی شاہ

وقت کے داؤں پیچ پر ایک بدلتی خیال اور ایک تسلی وار

برائے معلومات لکھئے

سنٹرل رائل کارپوریشن 104/108 مادھو واڑی بمبئی ۱۴

آواز نسواں دہلی کا

راجہ غلام حسین نمبر

آواز نسواں کا راجہ غلام حسین نمبر اپریل ۱۹۴۶ء میں نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوگا جس میں میرے مایۂ ناز ابا جان مرحوم کے متعلق تفصیلی حالات اور انکے سیاسی کارنامے شائع ہوں گے۔ حسب ذیل حضرات خاص طور پر اس نمبر کیلئے اپنے مضامین بھجوائیں گے:- "قائد ملت مسٹر محمد علی جناح" جناب قاضی عبد الغفار صاحب ایڈیٹر روزنامہ پیام حیدر آباد دکن۔ مسٹر عبد الرحمٰن سندھی ایڈیٹر اخبار اسٹار آف انڈیا کلکتہ۔ چودھری خلیق الزماں لکھنوی۔ مسٹر شعیب قریشی۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ خواجہ عبد الحئی صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ۔ مسٹر ملک برکت علی ایڈیٹر لاہور۔ علاوہ ازیں اردو کا دل ہی ملت و لیڈران قوم سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ بھی اپنے خیالات اور مضامین بھیجیں۔ نیز شعرا سے بھی گذارش ہے کہ وہ ابا جان مرحوم کے متعلق اپنی نظموں سے اس نمبر کو زینت بخشیں۔

المکلف نور جہاں بیگم مدیرہ

روحِ روشن مستقبل

یعنی

مسلمانوں کی گذشتہ اور موجودہ سیاست پر سیر حاصل تبصرہ
مسلم لیگ اور پاکستان کی تاریخ دلچسپ پیرایہ میں دی گئی ہے

از

سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) مصنف مسلمانوں کا روشن مستقبل

حجم ۱۵ جز
قیمت ۲/ دو روپیہ

ملنے کا پتہ

نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو-پی

مسٹر سید انیس الرحمٰن ا... پس جاحسین گنج الہ آباد میں چھپوا کر دفتر رسالہ نئی زندگی الہ آباد سے شائع کیا۔

نقشہ کشمیر

روسی ترکستان

چینی ترکستان

علاقہ

سرحدی

گلگت

سکردو

لداخ

سرینگر

ضلع سرینگر

مظفر آباد

پونچھ

ریاسی

اودھم پور

بھدرواہ

کٹھوعہ

جموں

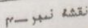
پنجاب

شمال مغربی سرحدی صوبہ

تبت

پاکستانی علاقے کی علامت

۳۵ کا عدد مسلمانوں کا فی صد تناسب بتلاتا ہے



نقشہ نمبر ۔۔۴

COPYRIGHT

بالی پارا فرنٹیئر
دورنگ
گوالپاڑہ
کامروپ
نورنگ
سبساگر
ناگا ہلز
گارو ہلز
خاسی جینتا ہلز
سلہٹ
کاچار ہلز
ریاست منی پور
لوشائی ہلز

نقشہ آسام

ضلعوں کے ناموں کے نیچے مسلمانوں کا فی صد تناسب بتلایا گیا ہے۔

 وہ حصہ جو پاکستان میں شامل ہوسکتا ہے

نقشہ نمبر— ۳

ہندوستان

ہندوستان میں پاکستان کی وسعت

ہندوستان میں پاکستان کی وسعت اس سے زیادہ ممکن نہیں

۱۔کشمیر کا وہ حصہ جو پاکستان سے نکل جائے گا۔
۲۔پنجاب کا
۳۔بنگال کا
۴۔آسام کا

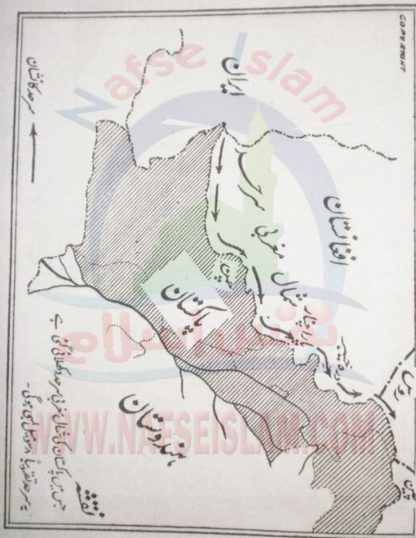
علامت

نقشہ نمبر—۵

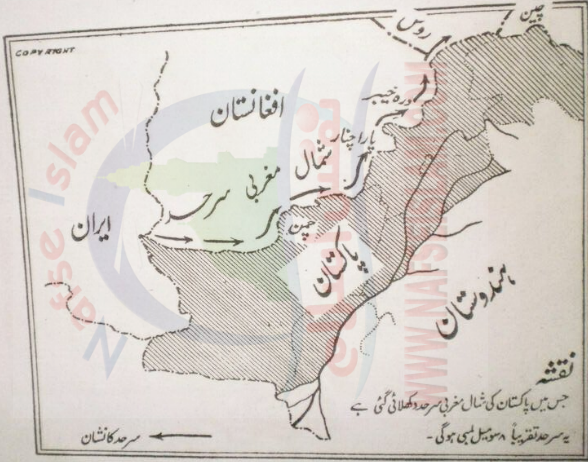
ہندوستا

مسلم اکثریت کے اصول

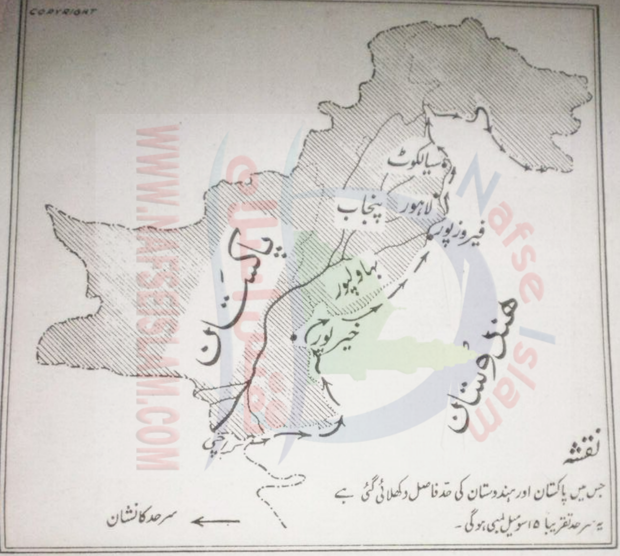
پاکستانی علاق



نقشہ نمبر - ۶


COPYRIGHT
چین
روس
درہ خیبر
افغانستان
پاراچنار
شمال مغربی سرحد
ایران
چمن
پاکستان
ہندوستان
نقشہ
جس میں پاکستان کی شمال مغربی سرحد دکھلائی گئی ہے
یہ سرحد تقریباً ۸سو میل لمبی ہوگی۔
سرحد کانشان

نقشہ نمبر--٦


COPYRIGHT
سیالکوٹ
لاہور
پنجاب
فیروزپور
بہاولپور
خیرپور
پاکستان
ہندوستان
کراچی
نقشہ
جس میں پاکستان اور ہندوستان کی حد فاصل دکھلائی گئی ہے
یہ سرحد تقریباً ۱۵ سو میل لمبی ہوگی۔
سرحد کا نشان

نقشہ نمبر— ۷